سلسلۂ نصابات علمیۂ جامعۂ عثمانیہ

برطانوی حکومت ہند

(انڈرسن صاحب کی کتاب برٹش اڈمنسٹریشن ان انڈیا کا اردو ترجمہ)

انٹرمیڈیٹ کے لئے

مُترجمہ

مولوی محمد الیاس صاحب برنی ایم۔اے۔ال ال۔بی (علیگ)

(سابق پروفیسر اکنامکس علیگڈھ کالج)

رکن سررشتۂ تالیف و ترجمہ

جامعہ عثمانیہ

۱۳۳۷ھ م ۱۳۲۸ف م ۱۹۱۹ء

مطبوعۂ دارالطبع سرکار عالی حیدرآباد دکن

دنیا میں ہر قوم کی زندگی میں ایک ایسا زمانہ آتا ہے جب کہ اُس کے قوائے ذہنی میں انحطاط کے آثار نمودار ہونے لگتے ہیں، ایجاد و اختراع اور غور و فکر کا مادّہ تقریباً مفقود ہو جاتا ہے، تخیل کی پرواز اور نظر کی جولانی تنگ اور محدود ہو جاتی ہے، علم کا دار و مدار چند رسمی باتوں اور تقلید پر رہ جاتا ہے۔ اُس وقت قوم یا تو بیکار اور مردہ ہو جاتی ہے یا سنبھلنے کے لئے یہ لازم ہوتا ہے کہ وہ دوسری ترقی یافتہ اقوام کا اثر قبول کرے۔ تاریخ عالم کے ہر دَور میں اس کی شہادتیں موجود ہیں۔ خود ہمارے دیکھتے دیکھتے جاپان پر یہی گذری اور یہی حالت اب ہندوستان کی ہے۔

جس طرح کوئی شخص دوسرے بنی نوع انسان سے قطعِ تعلق کر کے تنہا اور الگ تھلگ نہیں رہ سکتا اور اگر رہے تو پنپ

یہ کتاب میکملن کمپنی کی اجازت سے
جن کو حقوق کاپی رائٹ حاصل ہیں
طبع کی گئی ہے۔

مُقدّمہ

دنیا میں ہر قوم کی زندگی میں ایک ایسا زمانہ آتا ہے جب کہ
اُس کے قوائے ذہنی میں انحطاط کے آثار نمودار ہونے لگتے ہیں ،
ایجاد و اختراع اور غور و فکر کا مادّہ تقریباً مفقود ہو جاتا ہے، تخیل
کی پرواز اور نظر کی جولانی تنگ اور محدود ہو جاتی ہے، علم کا
دار و مدار چند رسمی باتوں اور تقلید پر رہ جاتا ہے ۔ اُس وقت قوم
یا تو بیکار اور مردہ ہو جاتی ہے یا سنبھلنے کے لئے یہ لازم ہوتا ہے
کہ وہ دوسری ترقی یافتہ اقوام کا اثر قبول کرے ۔ تاریخ عالم کے
ہر دَور میں اس کی شہادتیں موجود ہیں۔ خود ہمارے دیکھتے دیکھتے
جاپان پر یہی گذری اور یہی حالت اب ہندوستان کی ہے۔
جس طرح کوئی شخص دوسرے بنی نوع انسان سے قطعِ تعلق
کرکے تنہا اور الگ تھلگ نہیں رہ سکتا اور اگر رہے تو پنپ

نہیں سکتا اسی طرح یہ بھی ممکن نہیں کہ کوئی قوم دیگر
اقوام عالم سے بے نیاز ہو کر پھولے پھلے اور ترقی پائے۔
جس طرح ہوا کے جھونکے اور ادنیٰ پرندوں اور کیڑے
مکوڑوں کے اثر سے وہ مقامات تک ہرے بھرے رہتے ہیں
جہاں انسان کی دسترس نہیں اسی طرح انسانوں اور قوموں کے اثر
بھی ایک دوسرے تک اڑ کر پہنچتے ہیں۔ جس طرح **یونان** کا اثر روم
اور دیگر اقوام **یورپ** پر پڑا جس طرح **عرب** نے **عجم** کو
اور **عجم** نے **عرب** کو اپنا فیض پہنچایا، جس طرح اسلام نے
یورپ میں تاریکی اور جہالت کو مٹا کر علم کی روشنی پہنچائی
اسی طرح آج ہم بھی بہت سی باتوں میں مغرب کے محتاج ہیں۔
یہ قانون عالم ہے جو یوں ہی جاری رہا اور جاری رہیگا۔

"دئے سے دیا یوں ہی جلتا رہا ہے"

جب کسی قوم کی نوبت یہاں تک پہنچ جاتی ہے اور وہ
آگے قدم بڑھانے کی سعی کرتی ہے تو ادبیات کے میدان میں
پہلی منزل **ترجمہ** ہوتی ہے۔ اس لئے کہ جب قوم میں جدت
اور اپچ نہیں رہی تو ظاہر ہے کہ اس کی تصانیف معمولی،
ادھوری، کم مایہ اور ادنیٰ ہونگی۔ اُس وقت قوم کی بڑی خدمت
یہی ہے کہ ترجمہ کے ذریعہ سے دنیا کی اعلیٰ درجہ کی تصانیف اپنی
زبان میں لائی جائیں۔ یہی ترجمے خیالات میں تغیر اور معلومات
میں اضافہ کریں گے، جمود کو توڑیں گے اور قوم میں ایک
نئی حرکت پیدا کریں گے اور پھر آخر یہی ترجمے تصنیف و تالیف

کے جدید اسلوب اور ڈھنگ سمجھائیں گے۔ ایسے وقت میں ترجمہ تصنیف سے زیادہ قابل قدر، زیادہ مفید اور زیادہ فیض رساں ہوتا ہے۔

اسی اصول کی بنا پر جب عثمانیہ یونیورسٹی کی تجویز پیش ہوئی تو ہز اکزالٹڈ ہائینس رستم دوراں ارسطوئے زماں سپہ سالار آصف جاہ مظفر الممالک نظام الملک نظام الدولہ نواب میر عثمان علیخان بہادر فتح جنگ جی۔سی۔اس۔آئی۔جی۔سی۔بی۔ای۔والی حیدرآباد دکن خلد اللہ ملکہ و سلطنتہ نے جن کی علمی قدر دانی اور علمی سرپرستی اس زمانہ میں احیائے علوم کے حق میں آب حیات کا کام کر رہی ہے، بہ تقاضائے مصلحت و دور بینی سب سے اول سررشتۂ تالیف و ترجمہ کے قیام کی منظوری عطا فرمائی، جو نہ صرف یونیورسٹی کے لئے نصاب تعلیم کی کتابیں تیار کریگا بلکہ ملک میں نشر و اشاعتِ علوم و فنون کا کام بھی انجام دیگا۔ اگرچہ اس سے قبل بھی یہ کام ہندوستان کے مختلف مقامات میں تھوڑا تھوڑا انجام پایا مثلاً فورٹ ولیم کالج کلکتہ میں زیر نگرانی ڈاکٹر گلکرسٹ، دہلی سوسائٹی میں، انجمن پنجاب میں زیر نگرانی ڈاکٹر لائٹنر و کرنل ہالرائڈ، علی گڑھ سائنٹفک انسٹیوٹ میں جس کی بنا سر سید احمد خاں مرحوم نے ڈالی۔ مگر یہ کوششیں سب وقتی اور عارضی تھیں۔ نہ اُنکے پاس کافی سرمایہ اور سامان تھا نہ اُنہیں یہ موقع حاصل تھا

اور نہ انہیں **اعلیحضرت و اقدس** جیسے علم پرور فرمانروا کی سرپرستی کا شرف حاصل تھا۔ یہ پہلا وقت ہے کہ اردو زبان کو علوم و فنون سے مالا مال کرنے کے لئے باقاعدہ اور مستقل کوشش کی گئی ہے۔ اور یہ پہلا وقت ہے کہ اردو زبان کو یہ رتبہ ملا ہے کہ وہ اعلیٰ تعلیم کا ذریعہ قرار پائی ہے۔ احیائے علوم کے لئے جو کام آگسٹس نے رومہ میں، خلافت عباسیہ میں ہارون الرشید و مامون الرشید نے ہسپانیہ میں عبدالرحمن ثالث نے، بکرماجیت و اکبر نے ہندوستان میں، الفرڈ نے انگلستان میں، پیٹر اعظم و کیتھرائن نے روس میں اور مُت شی ہٹو نے جاپان میں کیا، وہی فرمانروائے دولت **آصفیہ** نے اس ملک کے لئے کیا۔ **اعلیحضرت واقدس** کا یہ کارنامہ ہندوستان کی علمی تاریخ میں ہمیشہ فخر و مباہات کے ساتھ ذکر کیا جائیگا۔

منجملہ اُن اسباب کے جو قومی ترقی کا موجب ہوتے ہیں ایک بڑا سبب زبان کی تکمیل ہے۔ جس قدر جو قوم زیادہ ترقی یافتہ ہے اُسی قدر اُس کی زبان وسیع اور اس میں نازک خیالات اور علمی مطالب کے ادا کرنے کی زیادہ صلاحیت ہوتی ہے، اور جس قدر جس قوم کی زبان محدود ہوتی ہے اُسی قدر تہذیب و شایستگی بلکہ انسانیت میں اس کا درجہ کم ہوتا ہے۔ چنانچہ وحشی اقوام میں الفاظ کا ذخیرہ بہت ہی کم پایا گیا ہے۔ علمائے فلسفہ و علم اللسان نے یہ ثابت کیا ہے کہ زبان، خیال اور

خیال، زبان ہے اور ایک مدت کے بعد اس نتیجے پر پہنچے ہیں
کہ انسانی دماغ کے صحیح تاریخی ارتقا کا علم، زبان کی تاریخ
کے مطالعہ سے حاصل ہو سکتا ہے۔ الفاظ ہمیں سوچنے میں
ویسی ہی مدد دیتے ہیں جیسی آنکھیں دیکھنے میں۔ اس لئے
زبان کی ترقی درحقیقت عقل کی ترقی ہے۔

علمِ ادب اسی قدر وسیع ہے جس قدر حیاتِ انسانی۔ اور
اس کا اثر زندگی کے ہر شعبہ پر پڑتا ہے۔ وہ نہ صرف انسان
کی ذہنی، معاشرتی، سیاسی ترقی میں مدد دیتا، اور نظر میں وسعت،
دماغ میں روشنی، دلوں میں حرکت اور خیالات میں تغیر پیدا کرتا
ہے بلکہ قوموں کے بنانے میں ایک قوی آلہ ہے۔ قومیت کے
لئے ہم خیالی شرط ہے اور ہم خیالی کے لئے ہم زبانی لازم۔
گویا یک زبانی قومیت کا شیرازہ ہے جو اسے منتشر ہونے سے
بچائے رکھتا ہے۔ ایک زمانہ تھا جب کہ مسلمان اقطاع عالم میں
پھیلے ہوئے تھے لیکن اُن کے علمِ ادب اور زبان نے انہیں
ہر جگہ ایک کر رکھا تھا۔ اس زمانے میں انگریز ایک دنیا پر
چھائے ہوئے ہیں لیکن باوجود بُعدِ مسافت و اختلافِ حالات
یک زبانی کی بدولت قومیت کے ایک سلسلے میں منسلک
ہیں، زبان میں جادو کا سا اثر ہے اور صرف افراد ہی پر
نہیں بلکہ اقوام پر بھی اُس کا وہی تسلط ہے۔

یہی وجہ ہے کہ تعلیم کا صحیح اور فطرتی ذریعہ اپنی ہی زبان
ہو سکتی ہے۔ اس امر کو اعلیٰحضرت واقدس نے

پہچانا اور جامعۂ عثمانیہ کی بنیاد ڈالی ۔ جامعۂ عثمانیہ ہندوستان میں پہلی یونیورسٹی ہے جس میں ابتدا سے انتہا تک ذریعۂ تعلیم ایک دیسی زبان ہوگا ۔ اور یہ زبان اردو ہوگی ۔ ایک ایسے ملک میں جہاں "بھانت بھانت کی بولیاں" بولی جاتی ہیں، جہاں ہر صوبہ ایک نیا عالم ہے، صرف اردو ہی ایک عام اور مشترک زبان ہو سکتی ہے ۔ یہ اہل ہند کے میل جول سے پیدا ہوئی اور اب بھی یہی اس فرض کو انجام دیگی ۔ یہ اس کے خمیر اور وضع و ترکیب میں ہے ۔ اس لئے یہی تعلیم اور تبادلہ خیالات کا واسطہ بن سکتی اور **قومی زبان** کا دعوے کر سکتی ہے ۔

جب تعلیم کا ذریعہ اردو قرار دیا گیا تو یہ کھلا اعتراض تھا کہ اردو میں اعلیٰ تعلیم کے لئے کتابوں کا ذخیرہ کہاں ہے اور ساتھ ہی یہ بھی کہا جاتا تھا کہ اردو میں یہ صلاحیت ہی نہیں کہ اس میں علوم و فنون کی اعلیٰ تعلیم ہو سکے ۔ یہ صحیح ہے کہ اردو میں اعلیٰ تعلیم کے لئے کافی ذخیرہ نہیں ۔ اور اردو ہی پر کیا منحصر ہے، ہندوستان کی کسی زبان میں بھی نہیں ۔ یہ طلب و رسد کا عام مسئلہ ہے ۔ جب مانگ ہی نہ تھی تو رسد کہاں سے آتی ۔ جب ضرورت ہی نہ تھی تو کتابیں کیونکر مہیا ہوتیں ۔ ہماری اعلیٰ تعلیم غیر زبان میں ہوتی تھی، تو علوم و فنون کا ذخیرہ ہماری زبان میں کہاں سے آتا ۔ ضرورت ایجاد کی ماں ہے ۔ اب ضرورت محسوس ہوئی ہے تو کتابیں بھی

مہیا ہو جائیں گی۔ اسی کمی کو پورا کرنے اور اسی ضرورت کو رفع کرنے کے لئے **سررشتۂ تالیف و ترجمہ** قائم کیا گیا۔ یہ صحیح نہیں ہے کہ اردو زبان میں اس کی صلاحیت نہیں۔ اس کے لئے کسی دلیل و برہان کی ضرورت نہیں۔ **سررشتۂ تالیف و ترجمہ** کا وجود اس کا شافی جواب ہے۔ یہ سررشتہ یہی کام کر رہا ہے۔ کتابیں تالیف و ترجمہ ہو رہی ہیں اور چند روز میں **عثمانیہ یونیورسٹی کالج** کے طالب علموں کے ہاتھوں میں ہونگی اور رفتہ رفتہ عام شایقینِ علم تک پہنچ جائیں گی۔

لیکن اس میں سب سے کٹھن اور سنگلاخ مرحلہ وضع اصطلاحات کا تھا۔ اس میں بہت کچھ اختلاف اور بحث کی گنجائش ہے۔ اس بارے میں ایک مدت کے تجربہ اور کامل غور و فکر اور مشورہ کے بعد میری یہ رائے قرار پائی ہے کہ تنہا نہ تو ماہرِ علم صحیح طور سے اصطلاحات وضع کر سکتا ہے اور نہ ماہرِ لسان۔ ایک کو دوسرے کی ضرورت ہے۔ اور ایک کی کمی دوسرا پورا کرتا ہے۔ اس لئے اس اہم کام کو صحیح طور سے انجام دینے کے لئے یہ ضروری ہے کہ دونوں یک جا جمع کئے جائیں تاکہ وہ ایک دوسرے کے مشورہ اور مدد سے ایسی اصطلاحیں بنائیں جو نہ اہل علم کو ناگوار ہوں نہ اہل زبان کو۔ چنانچہ اسی اصول پر ہم نے وضع اصطلاحات کے لئے ایک ایسی مجلس بنائی جس میں دونوں جماعتوں کے اصحاب شریک ہیں۔ علاوہ اِن کے

ہم نے اُن اہلِ علم سے بھی مشورہ کیا جو اس کی خاص اہلیت رکھتے ہیں اور بُعدِ مسافت کی وجہ سے ہماری مجلس میں شریک نہیں ہو سکتے ۔ اس میں شک نہیں کہ بعض الفاظ غیر مانوس معلوم ہوں گے اور اہل زبان انہیں دیکھ کر ناک بھوں چڑھائیں گے ۔ لیکن اس سے گزیر نہیں ۔ ہمیں بعض ایسے علوم سے واسطہ ہے جن کی ہوا تک ہماری زبان کو نہیں لگی۔ ایسی صورت میں سوائے اس کے چارہ نہیں کہ جب ہماری زبان کے موجودہ الفاظ خاص خاص مفہوم کے ادا کرنے سے قاصر ہوں تو ہم جدید الفاظ وضع کریں ۔ لیکن اس کے یہ معنی نہیں ہیں کہ ہم نے محض ٹالنے کے لئے زبردستی الفاظ گھڑ کر رکھ دئے ہیں، بلکہ جس نہج پر اب تک الفاظ بنتے چلے آئے ہیں اور جن اصولِ ترکیب و اشتقاق پر اب تک ہماری زبان کاربند رہی ہے ، اس کی پوری پابندی ہم نے کی ہے ۔ ہم نے اُس وقت تک کسی لفظ کے بنانے کی جرأت نہیں کی جب تک اُسی قسم کی متعدّد مثالیں ہمارے پیش نظر نہ رہی ہوں ۔ ہماری رائے میں جدید الفاظ کے وضع کرنے کی اس سے بہتر اور صحیح کوئی صورت نہیں۔اب اگر کوئی لفظ غیرمانوس یا اجنبی معلوم ہو تو اس میں ہمارا قصور نہیں ۔ جو زبان زیادہ تر شعر و شاعری اور قصص تک محدود ہو، وہاں ایسا ہونا کچھ تعجب کی بات نہیں ۔ جس ملک سے ایجاد و اختراع کا مادّہ سلب ہو گیا ہو جہاں لوگ نئی چیزوں کے بنانے اور دیکھنے کے عادی نہ ہوں، وہاں جدید الفاظ کا

غیر مانوس اور اجنبی معلوم ہونا موجب حیرت نہیں ۔ الفاظ کی حالت بھی انسانوں کی سی ہے ۔ اجنبی شخص بھی رفتہ رفتہ مانوس ہو جاتے ہیں ۔ اول اول الفاظ کا بھی یہی حال ہے ۔ استعمال آہستہ آہستہ غیر مانوس کو مانوس کر دیتا ہے اور صحت و غیر صحت کا فیصلہ زمانہ کے ہاتھ میں ہوتا ہے ۔ ہمارا فرض یہ ہے کہ لفظ تجویز کرتے وقت ہر پہلو پر کامل غور کرلیں، آئندہ چل کر اگر وہ استعمال اور زمانہ کی کسوٹی پر پورا اترا تو خود ٹکسالی ہو جائیگا اور اپنی جگہ آپ پیدا کرلیگا ۔ علاوہ اس کے جو الفاظ پیش کئے گئے ہیں وہ الہامی نہیں کہ جن میں ردّ و بدل نہ ہوسکے، بلکہ **فرہنگِ اصطلاحاتِ عثمانیہ** جو زیر ترتیب ہے پہلے اس کا مسودہ اہل علم کی خدمت میں پیش کیا جائے گا اور جہاں تک ممکن ہوگا اس کی اصلاح میں کوئی دقیقہ فروگذاشت نہیں کیا جائے گا ۔

لیکن ہماری مشکلات صرف **اصطلاحات علمیہ** تک ہی محدود نہیں ہیں ۔ ہمیں ایک ایسی زبان سے ترجمہ کرنا پڑتا ہے جو ہمارے لئے بالکل اجنبی ہے، اس میں اور ہماری زبان میں کسی قسم کا کوئی رشتہ یا تعلق نہیں ۔ اس کا طرز بیان، ادائے مطلب کے اسلوب، محاورات وغیرہ بالکل جدا ہیں ۔ جو الفاظ اور جملے انگریزی زبان میں بالکل معمولی اور روز مرہ کے استعمال میں آتے ہیں، اُن کا ترجمہ جب ہم اپنی زبان میں کرنے بیٹھتے ہیں تو سخت دشواری پیش آتی ہے ۔ ان تمام دشواریوں پر

غالب آنے کے لئے مترجم کو کیسا کچھ خونِ جگر کھانا نہیں پڑتا۔ ترجمہ کا کام، جیسا کہ عموماً خیال کیا جاتا ہے، کچھ آسان کام نہیں ہے۔ بہت خاک چھاننی پڑتی ہے تب کہیں گوہر مقصود ہاتھ آتا ہے۔

اس سررشتہ کا کام صرف یہی نہ ہوگا (اگرچہ یہ اس کا فرضِ اولین ہے) کہ وہ نصاب تعلیم کی کتابیں تیار کرے، بلکہ اس کے علاوہ وہ ہر علم پر متعدّد اور کثرت سے کتابیں تالیف و ترجمہ کرائے گا، تاکہ لوگوں میں علم کا شوق بڑھے، ملک میں روشنی پھیلے، خیالات و قلوب پر اثر پیدا ہو، جہالت کا استیصال ہو۔ جہالت کے معنی اب لاعلمی ہی کے نہیں بلکہ اس میں افلاس، کم ہمتی، تنگ دلی، کوتہ نظری، بے غیرتی، بد اخلاقی سب کچھ آجاتا ہے۔ جہالت کا مقابلہ کرکے اسے پس پا کرنا سب سے بڑا کام ہے۔ انسانی دماغ کی ترقی علم کی ترقی ہے۔ انسانی ترقی کی تاریخ علم کی اشاعت و ترقی کی تاریخ ہے۔ ابتدائے آفرینش سے اس وقت تک انسان نے جو کچھ کیا ہے، اگر اس پر ایک وسیع نظر ڈالی جائے تو نتیجہ یہ نکلے گا کہ جوں جوں علم میں اضافہ ہوتا گیا، پچھلی غلطیوں کی صحت ہوتی گئی، تاریکی گھٹتی گئی، روشنی بڑھتی گئی، انسان میدانِ ترقی میں قدم آگے بڑھاتا گیا۔ اسی مقدس فرض کے ادا کرنے کے لئے یہ سررشتہ قائم کیا گیا ہے اور وہ اپنی بساط کے موافق اس کے انجام دینے میں کوتاہی نہ کرے گا۔

لیکن غلطی، تحقیق و جستجو کی گھات میں لگی رہتی ہے۔ ادب کا

کامل ذوق سلیم ہر ایک کو نصیب نہیں ہوتا۔ بڑے بڑے نقاد اور مبصر فاش غلطیاں کر جاتے ہیں۔ لیکن اس سے ان کے کام پر حرف نہیں آتا۔ غلطی ترقی کے مانع نہیں ہے، بلکہ وہ صحت کی طرف رہنمائی کرتی ہے۔ پچھلوں کی بھول چوک آنے والے مسافر کو رستہ بھٹکنے سے بچا دیتی ہے۔ ایک جاپانی ماہر تعلیم (بیرن کی کوچی) نے اپنے ملک کا تعلیمی حال لکھتے ہوئے اس صحیح کیفیت کا ذکر کیا ہے جو ہونہار اور ترقی کرنے والے افراد اور اقوام پر گزرتی ہے۔

"ہم نے بہت سے تجربے کئے اور بہت سی ناکامیاں اور غلطیاں ہوئیں، لیکن ہم نے ان سے نئے سبق سیکھے اور فائدہ اٹھایا۔ رفتہ رفتہ ہمیں اپنے ملک کی تعلیمی ضروریات اور امکانات کا صحیح اور بہتر علم ہوتا گیا اور ایسے تعلیمی طریقے معلوم ہوتے گئے جو ہمارے اہل وطن کے لئے زیادہ موزوں تھے۔ ابھی بہت سے ایسے مسائل ہیں جو ہمیں حل کرنے ہیں، بہت سی ایسی اصلاحیں ہیں جو ہمیں عمل میں لانی ہیں، ہم نے اب تک کوشش کی اور ابھی کوشش کر رہے ہیں اور مختلف طریقوں کی برائیاں اور بھلائیاں دریافت کرنے کے درپے ہیں، تاکہ اپنے ملک کے فائدے کے لئے اچھی باتوں کو اختیار کریں اور رواج دیں اور برائیوں سے بچیں"

اس لئے جو حضرات ہمارے کام پر تنقیدی نظر ڈالیں انہیں وقت کی تنگی، کام کا ہجوم اور اس کی اہمیت اور ہماری مشکلات پیش نظر رکھنی چاہئیں۔ یہ پہلی سعی ہے اور پہلی سعی میں کچھ نہ کچھ خامیاں

ضرور رہ جاتی ہیں، لیکن آگے چل کر یہی خامیاں ہماری رہنما بنیں گی اور پختگی اور اصلاح تک پہنچائیں گی۔ یہ نقش اول ہے نقش ثانی اس سے بہتر ہوگا۔ ضرورت کا احساس علم کا شوق، حقیقت کی لگن، صحت کی ٹوہ، جد و جہد کی رسائی خود بخود ترقی کے مدارج طے کرلے گی۔

جاپانی بڑے فخر سے یہ کہتے ہیں کہ ہم نے تیس چالیس سال کے عرصے میں وہ کچھ کر دکھایا جس کے انجام دینے میں یورپ کو اتنی ہی صدیاں صرف کرنی پڑیں۔ کیا کوئی دن ایسا آئے گا کہ ہم بھی یہ کہنے کے قابل ہوں گے؟ ہم نے پہلی شرط پوری کر دی ہے یعنی بیجا قیود سے آزاد ہو کر اپنی زبان کو اعلیٰ تعلیم کا ذریعہ قرار دیا ہے۔ لوگ ابھی ہمارے کام کو تذبذب کی نگاہ سے دیکھ رہے ہیں اور ہماری زبان کی قابلیت کی طرف مشتبہ نظریں ڈال رہے ہیں۔ لیکن وہ دن آنے والا ہے کہ اس ذرّے کا بھی ستارہ چمکے گا، یہ زبان علم و حکمت سے مالا مال ہوگی اور **اعلیٰحضرت واقدس** کی نظر کیمیا اثر کی بدولت یہ دنیا کی مہذب و شایستہ زبانوں کی ہمسری کا دعوے کرے گی۔ اگرچہ اُس وقت ہماری سعی اور محنت حقیر معلوم ہوگی، مگر یہی شامِ غربت صبحِ وطن کی آمد کی خبر دے رہی ہے، یہی شب بیداریاں روزِ روشن کا جلوہ دکھائیں گی، اور یہی مشقت اُس قصر رفیع الشان کی بنیاد ہوگی جو آئندہ تعمیر ہونے والا ہے۔ اس وقت ہمارا کام صبر و استقلال سے میدان صاف کرنا،

داغ بیل ڈالنا اور نیو کھودنا ہے، اور فرہاد وار شیرینِ حکمت کی خاطر سنگلاخ پہاڑوں کو کھود کھود کر جوئے علم لانے کی سعی کرنا ہے۔ اور گو ہم نہ ہوں گے مگر ایک زمانہ آئیگا جب کہ اس میں علم و حکمت کے دریا بہیں گے اور ادبیات کی افتادہ زمین سرسبز و شاداب نظر آئے گی۔

آخر میں میں سررشتہ کے مترجمین کا شکریہ ادا کرتا ہوں جنہوں نے اپنے فرض کو بڑی مستعدی اور شوق سے انجام دیا۔ نیز میں ارکانِ مجلسِ وضعِ اصطلاحات کا شکر گزار ہوں کہ ان کے مفید مشورے اور تحقیق کی مدد سے یہ مشکل کام بخوبی انجام پا رہا ہے۔ لیکن خصوصیت کے ساتھ یہ سررشتہ جناب مسٹر محمدؐ اکبر حیدری بی۔ اے معتمد عدالت و تعلیمات و کوتوالی و امور عامہ سرکار عالی کا ممنون ہے جنہیں ابتدا سے قیام و انتظام جامعۂ عثمانیہ میں خاص انہاک رہا ہے۔ اور اگر ان کی توجہ اور امداد ہمارے شریک حال نہ ہوتی تو یہ عظیم الشان کام صورت پذیر نہ ہوتا۔ میں سید راس مسعود صاحب بی۔ اے (آکسن) آئی۔ اِی۔ ایس۔ ناظمِ تعلیمات سرکار عالی کا بھی شکریہ ادا کرتا ہوں کہ ان کی توجہ اور عنایت ہمارے حال پر مبذول رہی اور ضرورت کے وقت ہمیشہ بلا تکلف خوشی کے ساتھ ہمیں مدد دی۔

عبد الحق

ناظمِ سررشتۂ تالیف و ترجمہ (عثمانیہ یونیورسٹی)

مولوی عبدالحق صاحب بی۔ اے ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ناظم۔

قاضی محمد حسین صاحب۔ ایم۔ اے ۔ رینگلر ۔ ۔ ۔ ۔ مترجم ریاضیات

چودھری برکت علی صاحب بی۔ ایس۔ سی ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ مترجم سائینس

مولوی سید ہاشمی صاحب ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ مترجم تاریخ۔

مولوی محمد الیاس صاحب برنی ایم۔ اے ۔ ۔ ۔ ۔ مترجم معاشیات

قاضی تلمذ حسین صاحب ایم۔ اے ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ مترجم سیاسیات

مولوی ظفر علی خاں صاحب بی۔ اے ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ مترجم تاریخ۔

مولوی عبدالماجد صاحب بی۔ اے ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ مترجم فلسفہ و منطق

مولوی عبدالحلیم صاحب شرر ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ مولف تاریخ اسلام

مولوی سید علی رضا صاحب بی۔ اے ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ مترجم قانون۔

مولوی عبداللہ العمادی صاحب ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ مترجم کتب عربی

علاوہ ان مذکورۂ بالا مترجمین کے مولوی حاجی صفی الدین صاحب ترجمہ شدہ کتابوں کو مذہبی نقطۂ نظر سے دیکھنے کے لئے اور نواب حیدر یار جنگ (مولوی علی حیدر صاحب طبا طبائی) ترجموں پر نظر ثانی کرنے کے لئے مقرر فرمائے گئے ہیں۔

مولوی مرزا مہدی خاں صاحب کوکب   وظیفہ یاب سرکار عالی (سابق ناظم مردم شماری)

مولوی حمیدالدین صاحب بی۔اے   صدر دارالعلوم

نواب حیدر یار جنگ (مولوی علی حیدر صاحب طباطبائی)

مولوی وحیدالدین صاحب سلیم

مولوی عبدالحق بی۔اے   ناظم سررشتہ تالیف و ترجمہ

علاوہ ان مستقل ارکان کے، مترجمین سررشتہ تالیف و ترجمہ نیز دوسرے اصحاب سے بلحاظ اُنکے فن کے مشورہ کیا گیا۔ مثلاً

خان فضل محمد خانصاحب ایم۔اے رینگلر (پرنسپل سٹی ہائی اسکول حیدرآباد)

مولوی عبدالواسع صاحب (پروفیسر دارالعلوم حیدرآباد)

پروفیسر عبدالرحمن صاحب۔بی۔ایس۔سی (نظام کالج)

مرزا محمد ہادی صاحب۔بی۔اے (پروفیسر کرسچن کالج لکھنؤ)

مولوی سلیمان صاحب ندوی

سید راس مسعود صاحب بی۔اے (ناظم تعلیمات حیدرآباد)   وغیرہ

برطانوی حکومتِ ہند

فہرستِ مضامین

صفحہ

برطانوی حکومتِ ہند

فہرستِ مضامین

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

پہلا باب

تاریخی مقدمہ

جب سے انگریز ہندوستان آئے - یہاں کی تاریخ میں تقسیم دَور تین دور نمودار ہو چکے ہیں - سترہویں صدی کے شروع سے اٹھارویں صدی کے وسط تک ایسٹ انڈیا کمپنی تاجروں کی ایک با قاعدہ جماعت تھی جو دیسی حکومتوں کی مروت سے ہندوستان میں کار وبار کرتی تھی - اسی زمانہ میں یہاں ہالینڈ اور فرانس کی تجارتی کمپنیاں بھی موجود تھیں - اس کے بعد انیسویں صدی کے وسط تک یعنی سو برس انگریزی کمپنی یہاں سلطنت کے قیام اور استحکام میں مصروف رہی - یہاں کی حکومت میں وہ زیادہ زیادہ دخل دینے لگی اور اس میں اس قدر منہمک ہوئی کہ بالآخر اس کے تجارتی حقوق اور کار و بار کا خاتمہ

باب ۱

ہوگیا - اسی دوران میں شاہ انگلستان کا دخل بڑھتا رہا تھا کہ ۱۸۵۷ء کی شورش کے بعد کمپنی کے رہے سہے حقوق بھی شاہ انگلستان نے لے لئے - شاہ انگلستان کے زیر حمایت آجانے سے ہندوستان میں ایک کایا پلٹ ہوگئی اور ترقی کا نیا دور شروع ہوا - ہندوستان میں دستور کا نشوونما کیونکر ہوا؟ اس بحث کے سلسلہ میں اول تو اُن چارٹروں یا منشوروں کا مختصر ذکر ضروری ہے - جو ابتدائی زمانہ میں ایسٹ انڈیا کمپنی کو وقتاً فوقتاً ملتے رہے - اس کے بعد یہ بیان ہوگا کہ ہندوستان کے متعلق پارلیمنٹ میں کیا کیا قانون پاس ہوتے رہے اور ہر بیس سال بعد جو منشور پر نظرثانی ہوئی تو کیونکر کمپنی کے حقوق و اختیارات بہ تدریج سلب ہونے سے ہندوستان کے معاملات پر پارلیمنٹ کا اقتدار بڑھ گیا - اور سب سے آخر میں وہ قانون بیان ہوں گے جو ۱۸۵۷ء عیسوی کے بعد سے ہندوستان کے متعلق برطانوی پارلیمنٹ میں پاس ہوتے رہے ہیں - اور جن پر ہندوستان کا موجودہ دستور خاص طور پر مبنی ہے -

نئی دنیا کی دریافت اور جدید یورپ کی نشوونما

(ا) ایسٹ انڈیا کمپنی ۱۵۹۹ء-۱۷۶۵ء دور اول قسطنطنیہ ترکوں کے ہاتھ آنے اور امریکہ اور کیپ آف گڈ ہوپ دریافت کرنے کے بعد ہی یورپ کی تاریخ کایا پلٹ ہوگئی دول کی دلچسپی کا مرکز بحر روم کے مشرقی ساحل سے

ہٹ کر بحر اوقیانوس پر آرہا۔ گویا بحر اوقیانوس نئی دنیا کا باب ا
بحر روم بن گیا۔ مغربی یورپ کی اقوام نے کچھ تو اپنے
جغرافی موقع محل کے طفیل سے اور کچھ اپنے من چلے ملاحوں
اور جہازرانوں کی اولعزمیوں کی مدد سے ہندوستان اور
امریکہ سے تجارت شروع کرنے میں سب پر پیشقدمی
کی۔ ۱۴۹۹ء کا ذکر ہے کہ واسکو ڈی گاما کالیکٹ آکر اترا۔
اور تھوڑے ہی عرصہ کے اندر ہندوستان مین ایک پرتگالی
حکومت قائم ہوگئی۔ چند سال بعد پرتگال تو اسپین کی
بڑی سلطنت میں ضم ہوگیا۔ لیکن اسپین کو جو تجارتی
اجارہ حاصل تھا انگلستان اور ہالینڈ پہلے ہی سے اس
کے توڑنے کی فکر میں تھے۔ انگلستان کی تاریخ میں
یہ زمانہ نہایت اہم گزرا ہے جبکہ لنکسٹر خاندان
کے کمزور بادشاہوں کا سلسلہ ختم ہوا اور ٹیوڈر خاندان
کے بادشاہوں نے ان کے جانشین بنکر حکومت میں ایک نئی
قومی روح پھونک دی۔ جبکہ انگلستان اور اسکاٹلینڈ کے
اتحاد کی بنا پڑی۔ جبکہ حکومت نے قوم کے واسطے ایک
خاص مذہب قرار دیا۔ (یعنی مذہب پراٹسٹنٹ جوکہ مذہب
عیسوی کی ایک شاخ ہے) اور جبکہ سلطنت برطانیہ
کی بنیاد رکھی گئی۔ اسی زمانہ میں ہالینڈ نہایت دلیری
کے ساتھ اسپین کے ساتھ مصروف پیکار تھا۔ اور نتیجہ
یہ ہوا کہ اسپین کی طاقت ٹوٹ گئی اور ہالینڈ کو

باب ۱ اسپین والوں کی چیرہ دستی سے نجات ملی۔

اب اسپین اور پرتگال کو مشرقی تجارت کا اجارہ اپنے ہاتھ میں رکھنا محال تھا۔ اور جلد انکی حکومت اور اقتدار پر زوال آنا شروع ہو گیا۔ انگلستان اور ہالینڈ کے لوگ جو ایک ہی مذہب پراٹسٹنٹ کے پیرو تھے کچھ روز تو یورپ میں بہت دوست بنے رہے۔ لیکن تھوڑے ہی عرصہ بعد پتہ چلا کہ مشرق میں ان کے اغراض و مفاد باہم مخالف ہیں۔ چنانچہ سترھویں صدی میں دونوں قوموں کے تاجر حصول منفعت کی غرض سے خوب خوب مقابلہ کرتے رہے۔ غریب تاجروں کی حالت بہت خطرناک تھی۔ یورپ میں سیاسیات بین الاقوام کی حالت کچھ ہی کیوں نہ ہو سمندر پر کوئی امن و امان نہ تھا۔ تجارت کے واسطے مسلح طاقت بھی لازمی تھی اور فتح ہمیشہ زبردست کا حصہ تھی۔ انہیں خرابیوں کی بدولت منشور یافتہ کمپنیاں ظہور میں آئیں۔ جس زمانہ میں ڈچ یعنی ہالینڈ والوں نے ایک ایسٹ انڈیا کمپنی قائم کی ملکۂ الیزبتھ نے بھی لندن کے کچھ تاجروں کو شرق الہند سے تجارت شروع کرنے کا منشور عطا کیا۔ منشور کیا تھا گویا کمپنی کو بطور خود جنگ کرنے کا اجازت نامہ تھا۔ بادشاہ اور کمپنی کے باہمی تعلقات مبہم چھوڑ دیئے گئے۔ کیونکہ جن سلطنتوں سے یورپ میں دوستی ہو انکے

باب ۱

مقابل کسی علانیہ جنگ میں شریک نظر آنا انگلستان کے واسطے خلاف مصلحت تھا۔ انگلستان نے تو بس اپنی طرف سے ایسٹ انڈیا کمپنی کو تجارت کرنے کا اجارہ دیدیا تھا۔ اور اس خاص حق کے معاوضہ میں کمپنی بادشاہ کو منافع میں سے وقتاً فوقتاً حصہ دیتی رہتی تھی۔

کمپنی کی نشوونما

منشور ملنے کے بعد کمپنی نے مشرق سے تجارت کرنے کے واسطے بسہولت بہت سی رقم فراہم کرلی اور رفتہ رفتہ ایر پھیر کی ترکیبوں سے ہندوستان اور انگلستان کے درمیان وہ تعلقات قائم کر دئے جو آگے چلکر قریب تر ہوتے گئے ملکہ الیزبتھ نے جو منشور عطا کیا تھا۔ بعد کے بادشاہ وقتاً فوقتاً اس کی تجدید کرتے رہے۔ اور ۱۶۸۸ء کے انقلاب کے بعد منشور کی تجدید باقاعدہ پارلیمنٹ کے قانون سے ہونے لگی منشور دینے اور منافع میں حصہ باٹنے کے سوا حکومت برطانیہ کو کمپنی کے معاملات سے کچھ سروکار نہ تھا۔ اور نہ وہ کسی طرح پر ذمہ دار تھی۔ اول اول تو اختیارات اور نگرانی ایک گورنر اور ایک کونسل کے ہاتھ میں تھی۔ بعد کو اس کام کے واسطے کمپنی کے مالکوں اور ناظموں کی جدا جدا مجلسیں بن گئیں مالکوں میں شمار ہونے کے لئے کمپنی کے دو سو پونڈ کے اسٹاک یا حصہ کی خریداری کافی تھی۔ لیکن ناظموں کی جماعت میں شریک ہونے کے واسطے کم از کم دو ہزار پونڈ کا اسٹاک

باب ۱

خریدنا لازمی تھا۔ ہر سال کل مالک یا شرکاء آپس میں سے ناظم منتخب کرتے تھے۔ مالکوں اور ناظموں کی مجلسوں میں بہ لحاظ اختیارات جو تعلقات تھے ان کی بھی صراحت اچھی طرح نہیں ہوئی تھی۔ البتہ یہ صاف ظاہر ہے کہ مالکوں کو ناظموں کے فیصلے منسوخ کرنے کا برابر اختیار تھا۔ تجارتی اجارہ کے علاوہ کمپنی کو منشور میں یہ بھی حق مل گیا تھا کہ وہ چاہے تو اراضیات حاصل کرے۔ اپنے مقامات کی قلعہ بندی کرے، مسلح طاقت سے اپنے مال و جائداد کی حفاظت کرے، سکہ چلادے، اور اپنی بستیوں میں عدالتیں قائم کرکے انصاف جاری کرے۔ اگرچہ ہالینڈ اور پرتگال والے بہت جلد تجارت کو چھوڑ کر موقع ملتے ہی ملک گیری پر اُتر آئے، لیکن انگریزوں نے اول اول تجارتی رعایات اور سہولتیں حاصل کرنے کی کوشش کی اور چند تجارتی مقامات کے قبضہ پر قانع رہے۔ سب سے پہلا تجارتی مقام تو سورت تھا۔ جہاں شہنشاہ جہانگیر کی طرف سے چند خاص رعائتیں مرحمت ہو گئی تھیں۔ ۱۶۱۶ء میں کمپنی نے ایک کارخانہ سولی پٹیم میں جاری کیا۔ اور ۱۶۴۰ء میں کمپنی نے ایک راجہ سے کچھ زمین خرید کر فورٹ سینٹ جارج تعمیر کیا، جو اب بھی بہ مقام مدراس موجود ہے۔ دریائے ہگلی پر بھی ایک کارخانہ کھولا جو ۱۶۹۰ء میں کلکتہ کو منتقل ہو گیا۔ ۱۶۶۲ء میں پرتگالیوں نے بمبئی کا مقام چارلس دوم

کو دے ڈالا۔ چارلس نے چند ہی سال بعد اس کو دس پونڈ باب ا سالانہ لگان پر کمپنی کے ہاتھ اُٹھا دیا۔ وہ یہی مقام ہے جہاں اب بمبئی جیسا شہر آباد ہے۔

اٹھارویں صدی کے شروع شروع ہندوستان میں بہت کمپنی ایک بد نظمی پھیلی ہوئی تھی۔ مغلیہ خاندان کے آخری فرمانروا حکمران جماعت یعنی اورنگ زیب عالمگیرؒ نے ۱۷۰۷ء میں رحلت کی۔ بنتی ہے اسلامی سلطنت کو اس سے پہلے ہی گھن لگ چکا تھا۔ مرہٹے، مسلمان شہزادے اور ہندو راجہ سب کے سب سلطنت مغلیہ کے حصے بخرے کرنے میں کشمکش کر رہے تھے انگریزوں کی تجارت معرض خطر میں آگئی، اور کمپنی کو ہندوستان کے سیاسیات میں دخل دئے بغیر کوئی چارہ نہیں رہا۔ (ولندیزوں) پر جو اُن کے ملک ہالینڈ میں مصیبت آئی تو ان کی طاقت ٹوٹ گئی اور انمیں سے بیشتر لوگ جزائر شرق الہند میں آبسے جہاں اب تک ان کی حکومت جاری ہے۔ اس دوران میں ایک اور یورپین جماعت داخل میدان ہوئی۔ ۱۶۶۴ء کا ذکر ہے کہ لوئی چہار دہم کے طولانی عہد حکومت میں ایک شخص کولبرٹ کے خاص اہتمام اور نگرانی میں ایک فرانسیسی ایسٹ انڈیا کمپنی قائم ہوئی۔ لیکن شاہ لوئی نے غلطی یہ کی کہ فضول یورپ میں جنگ کا سلسلہ باندھ دیا، اپنی نہایت محنتی اور صناع رعایا یعنی ہوگیناٹ لوگوں کو مذہبی سخت گیری سے پریشان کردیا۔ اپنی حکومت کو

باب ۱ زائد از ضرورت مرکزی بنا دیا۔ یعنی محکموں کے بہت سے اختیارات سلب کرکے اپنے ہاتھ میں لے لئے۔ یہی اسباب تھے جن سے مستقل فتنہ و فساد کی بنا پڑی اور جنہوں نے فرانسیسیوں کے منصوبوں کو مشرق میں کبھی سر سبز نہ ہونے دیا۔ البتہ جب اٹھارویں صدی میں بہت کچھ زمانہ گزر گیا اور لوئی بھی رخصت ہوچکا تو فرانسیسوں کی قسمت نے مشرق میں پلٹا کھایا۔ ۱۷۱۵ء میں جزیرہ ماریشس پر قبضہ ہو گیا اور بحر شرقی میں فرانسیسی بیڑے کا وہی صدر مقام قرار پایا۔ پانڈیچری اور چندر نگر میں جو قدم جمے تو وہاں سے اندرون ملک میں پاؤں پھیلانے کی کارروائیاں شروع ہوئیں۔ ۱۷۴۱ء میں ڈوپلے گورنر بنکر پانڈیچری آیا کہ تاریخ ہندوستان میں ایک نیا دور شروع ہو گیا۔ اس نے خوب اندازہ کر لیا کہ ہندوستان میں یورپ والوںکی ترقی و اقتدار کے واسطے بہت وسیع میدان موجود ہے۔ چنانچہ اس نے پالسی یہ قرار دی کہ ہندوستانی حکمرانوں کے باہمی جھگڑوں میں دخل دے اور ہندوستانی فوجوں کو یورپ کے طریق پر قواعد سکھائے۔ دم کے دم میں اس کو کامیابی حاصل ہو گئی۔ اور کچھ روز کے واسطے جنوبی ہندوستان میں فرانس کا سب پر سکہ بیٹھ گیا۔ مگر ایک طرف کلائیو جیسے اولوالعزم جنرل کا مقابلہ اور دوسری طرف فرانس کی دل آزار بے توجہی اور بے اتفاقی اور سب پر طرہ یہ کہ انگلستان کا سمندروں

باب ۱

پورا پورا تسلط قائم تھا نتیجہ یہ ہوا کہ ڈوپلے کی امیدوں پر پانی پھر گیا ۔ اور بنگال اور جنوبی ہندوستان میں انگریزی کمپنی کو وہ ذمہ داریاں قبول کرنی پڑیں جس کا اس کو وہم و گمان بھی نہ تھا ۔ ۱۷۶۵ء میں کلائیو نے کمپنی کی طرف سے بنگال، بہار اور اڑیسہ کی دیوانی شاہ دہلی سے اپنے ہاتھ میں لے لی ۔ اور اسی قابل یادگار واقعہ پر دور اول کا اختتام سمجھنا چاہئے ۔

(۲) ۱۷۶۵ - ۱۸۵۸ عیسوی ۔ دوہری حکومت ۔

دوسرا دور

۱۷۷۲ء کا ذکر ہے ۔ جبکہ لارڈ نارتھ کی وزارت برسر اقتدار تھی ۔ انگلستان ہندوستان کی طرف متوجہ ہوا جہاں ایک نئی صورت پیدا ہوگئی تھی ۔ ایک تجارتی کمپنی نے عجیب و غریب حالات سے مجبور ہوکر ہندوستانی سیاسیات میں دخیل ہونا شروع کردیا تھا ۔ اور وہ کروڑہا مخلوق پر حکومت کرنے کی ذمہ داری اپنے اوپر لے چکی تھی ۔ ہندوستان کے اصلی حالات کے متعلق انگلستان کی عام رائے میں بہت مغالطہ پھیلا ہوا تھا ۔ یہ سچ ہے کہ کمپنی کے بعض ملازم بیحد دولت گھسیٹ رہے تھے لیکن ساتھ ہی کمپنی کی مالی حالت کچھ اچھی نہ تھی ۔ قرضہ کا بار بہت بڑھ گیا تھا ۔ فوجیں تیار رکھنے کی ضرورت تھی ۔ لڑائیوں میں اس کو شکست بھی اٹھانی پڑتی تھی ۔ بالخصوص جنوبی ہندوستان میں حیدر علی کو کمپنی کے مقابلہ میں ایک بڑی کارگر فتح حاصل ہوچکی تھی ۔ اور قحط نے بنگال میں

باب ۱

سخت افلاس پھیلا رکھا تھا۔ بایں ہمہ ہر سال بڑھ بڑھ کر حصہ نکلتا تھا اور حصہ دار پھر بھی زیادہ سے زیادہ کا مطالبہ کرتے تھے۔ مزید براں انگریزوں کے ظلم و تشدد کے افسانے برابر ہندوستان سے انگلستان پہنچتے رہے۔ بہت سے لوگوں کا خیال ہو گیا کہ اس پیچیدگی کا ایک ہی حل ہے وہ یہ کہ حکومت برطانیہ کمپنی کے مقبوضات کے انتظام میں عملاً زیادہ مداخلت کرے اور کمپنی کے سیاسی اختیارات کی حتی الوسع صاف صاف تشریح کر دی جائے۔

قانون تنظیم ۱۷۷۲ء

ان دقتوں کو رفع کرنے کی غرض سے ایک قانون تنظیم پاس ہوا جس کا مشہور انگریزی نام ریگولیٹنگ ایکٹ ہے۔ کمپنی اس وقت جن سخت مالی دشواریوں میں مبتلا تھی۔ ان سے نجات دلادی اور ساتھ ہی ایسے قواعد بنا دئے کہ مقدار مناسب سے زائد شرکا میں تقسیم نہ ہو سکے۔ لیکن لارڈ نارتھ کی حکومت کا کام صرف یہی نہ تھا کہ کمپنی کو دیوالہ نکلنے سے بچا لیا، بلکہ اس سے کہیں زیادہ اہم معاملات کا تصفیہ کر دیا اور کمپنی نے جو ہندوستان میں حکومت قائم کر رکھی تھی اس کے کل پہلوؤں پر غور اور توجہ کی۔ انگلستان میں تو ناظموں اور مالکوں کی مجلسوں کا دستور بدل دیا گیا۔ ناظموں کے عہدہ کی میعاد ایک سال کے بجائے چار سال مقرر ہوئی اور مالکوں کی مجلس میں رائے دینے کا حق صرف ان لوگوں کے واسطے مخصوص ہو گیا جو کم از کم ایک ہزار پونڈ قیمتی حصہ کے بارہ

ماہ تک مالک رہ چکے ہوں۔ ہندوستان میں سول گورنمنٹ اور ملکی انتظام کے واسطے قوانین و قواعد بناکر جاری کرنا دیسی حکمرانوں سے اتحاد اور معاہدے کرنا، یہ سب اختیارات گورنر بنگال کے سپرد ہوئے۔ اور اس کی مدد کے واسطے تین مشیروں کی ایک کونسل مقرر ہو گئی۔ گورنر باجلاس کونسل کو مدراس اور بمبئی کی حکومت پر بھی اختیارات نگرانی حاصل تھے۔ پہلا گورنر جنرل یعنی وارن ہیسٹنگس اور نیز اس کے تینوں مشیر تو خود قانون تنظیم کے ذریعہ سے مقرر ہوئے۔ لیکن ساتھ ہی یہ بھی طے پا گیا کہ پانچ سال کے بعد سے تقررات کا اختیار ناظمان کمپنی کے ہاتھ میں رہے گا۔ اسی قانون نے کلکتہ میں ایک عدالت العالیہ کی بنا ڈالی۔ سرالیجا اِمپی سب سے پہلے چیف جسٹس یعنی میر مجلس عدالت مقرر ہوئے۔ اور ان کی مدد کے واسطے تین مزید جج مقرر کئے گئے۔

باب ۱

دور ثانی کی خصوصیت یہی دوہری حکومت تھی کہ انتظام سلطنت میں کمپنی اور شاہ انگلستان۔ دونوں شریک تھے

فاکس ایسٹ انڈیا بل۔

مندرجہ بالا ریگولیٹنگ ایکٹ یا قانون تنظیم کا نفاذ اس دور کی سب سے پہلی اہم کارروائی تھی۔ چند ہی سال میں صاف معلوم ہو گیا کہ ہندوستان کے معاملات کی حالت اب بھی قابل اطمینان نہیں ہے۔ وارن ہیسٹنگس کو اپنے دس سال کے عہد حکومت میں بے شمار دقتیں پیش آئیں۔ جنوب میں حیدر علی نے اور مغرب میں مرہٹوں نے فرانسیسیوں

باب ۱ سے اتحاد کر رکھا تھا۔ اور بڑے بڑے خطرے اور زیر باریاں برداشت کرکے کہیں ہیسٹنگس نے انگریزوں کے قدم جمائے رکھے۔ مزید براں خود گورنر جنرل اور اس کی کونسل کے ممبروں میں خوب چل رہی تھی اور برابر قصے سننے میں آتے تھے کہ کمپنی کے لوگوں نے ہندوستانیوں پر ایسے ایسے ظلم ڈھائے۔ فاکس اور نارتھ کی وزارت بر سر اقتدار تھی اور فاکس نے ہندوستان کے معاملات کی اصلاح کا بیڑا اٹھایا چنانچہ ۱۷۸۳ء کا ذکر ہے کہ اس نے دیوان عام میں اپنا مسودہ قانون پیش کیا۔ اس کو اصلاح کی یہ صورت نظر آئی کہ کمپنی کی حکومت ہند میں شاہی اختیارات بڑھائے جائیں۔ چنانچہ ایک مجلس قائم ہوئی جس کے سات رکن خود مسودہ میں نامزد کر دئے گئے ان کا کام یہ تھا کہ ہندوستان کے معاملات کی خاص نگرانی کریں۔ تجارت اور کاروبار کے انتظام کے واسطے پارلمنٹ نے بڑے بڑے حصہ داروں میں سے نو ناظم علیحدہ مقرر کر دئے۔ اس مسودہ کی مخالفت میں ولیم پٹ پیش پیش رہا۔ سب سے بڑا اعتراض یہ تھا کہ ہندوستانی مربی گری یعنی ہندوستان میں عہدے دینے کا اختیار کمپنی کے ناظموں کے ہاتھ سے نکلکر شاہی وزرا کے قبضہ میں آجاویگا۔ اور اس طرح پر وزرا کا اقتدار اور رسوخ بڑھنا خالی از خطرہ نہیں۔ جارج ثالث اور اس کے دوستوں نے پہلے ہی سے انگلستانی مربی گری سے کام لیکر یعنی لوگوں کو عہدے دے دیکر پارلیمنٹ میں ایک پارٹی یا گروہ بنا رکھا

تھا جو ان کے ممنون احسان ہونے کی وجہ سے لازماً انہیں باب کا ساتھ دیتا تھا۔ اور بہت سے لوگوں کے دل میں یہ خطرہ گزرا کہ کہیں ہندوستانی مربی گری سے بھی اسی گروہ بندی کا کام نہ لیا جائے۔ بالآخر دیوان خاص میں وہ مسودہ رد ہو گیا اور دونوں وزیروں یعنی فاکس اور نارتھ کو استعفا داخل کرنا پڑا۔

اتحادی وزارت ٹوٹنے کے بعد جب خود ولیم پٹ بر سر حکومت آیا تو اس کو بھی ہندوستانی حکومت کی اصلاح کے واسطے ایک بل پیش کرنیکی ضرورت محسوس ہوئی۔ لیکن یہ احتیاط رکھی کہ مسودہ میں فاکس کی غلطیونکا اعادہ نہ ہونے پائے۔ اور مربی گری اور کل معاملات کا بار خود کمپنی کے ناظموں کے ہاتھ میں چھوڑ دئے۔ خاص خاص اصولوں میں البتہ اس کی پالیسی وہی تھی جو فاکس کی تھی۔ مثلاً حکومت کی نگرانی اور دیکھ بھال کمپنی کے بجائے پارلیمنٹ کے سپرد ہوگی۔ قانون نے چھ رکن کی ایک نگران مجلس قائم کردی۔ ان کا کام بالفاظ قانون یہ تھا کہ ہندوستان میں جو برطانوی مقبوضات ہوں ان کے محاصل اور ان کی حکومت کے سول اور فوجی محکموں سے جس قدر امور متعلق ہوں۔ اور جو کچھ کارروائیاں عمل میں آئیں ان پر اپنی نگرانی رکھیں اور بندوبست کریں۔ ایک وزیر مال اور ایک وزیر سلطنت یہ دونوں اس نگران مجلس میں شریک تھے۔ اور ان کے بعد جو

باب ۱ رکن سینیر یعنی اعلےٰ ہوتا تھا وہ مجلس نگران کا صدر کہلاتا تھا۔ اس کی حیثیت اور مرتبہ بہت اہم شمار ہوتا تھا۔ گویا قریب قریب وہی تھا جو آجکل وزیر ہند کو حاصل ہے۔ اگرچہ ناظموں اور دیوان خاص نے بہت کچھ زور ڈالا لیکن مالکان کمپنی کی مجلس نے وارن ہسٹنگس کو ہندوستان سے واپس بلانے سے انکار کردیا۔ آخر کار اس مجلس کے اختیارات توڑدئے گئے اور اس کو ناظموں کا ماتحت بنا دیا تھا کہ وہ انتظامات میں اس قسم کا دخل نہ دے سکے اور ناظموں کی رائے پر عمل ہو۔ پٹ کا یہ قانون ۱۸۵۸ء تک نافذ رہا۔ البتہ اس میں کچھ فروعی تبدیلیاں ہوتی رہیں ۱۷۹۳ء میں جب پرانے چارٹر کی تجدید کا وقت آیا تو پٹ کا ایک نہایت گہرا دوست ڈانڈاس نگران مجلس کا صدر تھا اس کے ذریعہ سے بہت کچھ تفصیلی کام انجام پایا۔ اور اسی سال مشروط سول سروس کے قواعد وضوابط مرتب ہوئے ۱۸۱۳ء میں اور بھی زیادہ معاملات طے ہوئے۔ اس دوران میں ہندوستان میں بہت کچھ کایا پلٹ ہوچکی تھی۔ لارڈ ویلزلی کو جنگ میں اسقدر کامیابیاں ہوئیں کہ کمپنی کی حکومت ملک میں بہت کچھ پھیل گئی۔ مشرقی تجارت کا یہ منافع دیکھ دیکھکر دوسرے تاجروں نے بھی اس کی شرکت کا حق طلب کیا۔ اور ایسی حالت میں کمپنی کا قدیم تجارتی اجارہ بیجا نظر آنے لگا۔ اپنے تجارتی حقوق بحال رکھنے کے واسطے کمپنی نے بھی خوب زور لگایا۔

تجربہ کار انگریزوں نے جو ہندوستان میں بطور ملازم حکومت کرچکے تھے۔ اور جن میں خود وارن ہسٹنگس بھی جس کو واپس آئے عرصہ گزر چکا تھا، شامل تھا، یہ خیال ظاہر کیا کہ اگر تجارت کی اجازت عام اور غیر مخصوص کردی گئی تو بڑی وقتوں کا سامنا ہوگا۔کمپنی کے ملازموں اور ہندوستانیوں کے لئے تعلقات کی نگرانی میں پہلے ہی سے جس قدر دشواری پیش آ رہی تھی انہوں نے اس کو خاص طور پر جتا دیا۔ آخر ایک سمجھوتہ ہوگیا۔ ہندوستانی تجارت کے خاص حقوق کمپنی سے واپس لے لئے گئے، صرف چاء کی تجارت کا اجارہ اس کے پاس رہ گیا۔ البتہ چین کی تجارت اب بھی بہ تمام کمال اسی کے ہاتھ میں رہی۔ ہندوستانی تجارت کے واسطے ایک لائسنس یا اجازت نامہ کا طریق جاری کر دیا گیا۔ تاکہ من چلے انگریزی تاجر ہندوستانیوں پر چیرہ دستی نہ کرسکیں۔کمپنی کی مربی گری یعنی ملازم رکھنے کے اختیارات اور دیگر سیاسی حقوق ویسے ہی برقرار رہے۔ البتہ اعلیٰ عہدہ داروں کے تقرر میں شاہی منظوری ضروری قرار پاگئی ۱۸۳۳ء میں جو منشور کی تجدید ہوئی تو چین سے تجارت کرنیکا اور چاء کی تجارت کا اجارہ بھی جو اب تک کمپنی کے واسطے محفوظ چلا آتا تھا اس کے ہاتھ سے نکل گیا۔اگرچہ کمپنی کے تجارتی حقوق ختم ہوگئے، پھر بھی اسکی سیاسی ذمہ داریاں برقرار رہیں۔البتہ ۱۸۵۳ء والے منشور کی عبارت صاف بتلا رہی ہے کہ کمپنی کی حکومت کے بہت تھوڑے دن باقی رہ گئے

باب ۱ تھے۔ چنانچہ اس میں یہ بھی صراحت نہیں کی گئی کہ کتنی مدت تک چارٹر یا منشور بحال رہے گا۔

تیسرا دور (۳) ۱۸۵۸ء ہندوستان تاج وتگین برطانیہ کے تحت میں۔
۱۸۵۸ء میں دوہری حکومت کے طریق کا خاتمہ ہو گیا اور حکومت ہند کمپنی کے ہاتھ سے نکل کر تاج وتگیں برطانیہ کے تحت میں آگئی۔ ایک وزیر ہند سابق نگراں مجلس کا جانشین قرار پایا۔ اس کی مدد کے واسطے ایک کونسل یا مجلس مقرر ہوئی اور خاص اہم عہدوں کا تقرر بھی اسی کے ہاتھ میں چھوڑ دیا گیا۔ سول عہدہ داروں کے عملدرآمد کے متعلق جو قواعد و قوانین ۱۸۵۳ء میں نافذ ہوئے ۱۸۶۱ء تک وہی جاری رہے۔ اس کے بعد سول سروس کا قانون پاس ہو گیا ایسے عہدوں کی ایک فہرست تیار ہوئی جو مشروط سروس یا خدمات والوں کے واسطے مخصوص کردی گئی۔ اور صرف خاص خاص حالتوں میں بہ منظوری وزیر ہند باجلاس کونسل بیرونی لوگ ان عہدوں پر مقرر ہو سکتے تھے۔ حکومت ہند بیشتر سابق حالت پر قائم رہی۔

۱۸۵۸ء کے بعد سے برطانوی پارلیمنٹ نے ہندوستان کے متعلق بہت کم ایسے قانون پاس کئے جن کو اول درجہ کی اہمیت حاصل ہے۔ گورنر جنرل کی کونسل میں اضافہ کرنے کے اختیارات مل چکے ہیں وقتاً فوقتاً نئے نئے صوبے بنے اور موجودہ حدود کی ترمیم کی گئی، اور سول کے قواعد بھی

باب (۱)

تبدیل ہوتے رہے ہیں۔ ۱۸۶۱ء کے قانون مجالس ہند نے وضع قانون کی نئی بنیاد ڈالی اور بہ پابندئ چند شرائط مدراس اور بمبئی کی حکومتوں کو پھر قانون بنانے کا حق مل گیا۔ نیز یہ اہتمام ہوا کہ بنگال، صوبۂ متحدہ اور پنجاب میں جدا جدا مجالس وضع قوانین قائم ہوں۔ ۱۸۹۲ء کے قانون کی بدولت ہندوستان کی مجالس وضع قوانین میں اور توسیع ہوئی۔ ۱۸۶۱ء میں ہائی کورٹ ایکٹ یا قانون عدالت العالیہ پاس ہوا تو محکمہ عدالت کی بہت سی پیچیدگیاں رفع ہوگئیں کمپنی کی اور نیز شاہی عدالتیں منسوخ ہوکر کلکتہ مدراس اور بمبئی میں ہائی کورٹ قائم ہو گئے۔

یا قانون مجالس ۱۹۰۹ء

لارڈ مارلے، نے ۱۹۰۹ء میں ہندوستانی کونسلوں کا قانون کونسل ایکٹ دیوان خاص میں پیش کیا جس کا ہندوستان کے دستور پر بہت گہرا اثر پڑا۔ بمبئی اور مدراس کی انتظامی مجالس کا اضافہ کرکے مجلسی حکومت کے طریق کو رواج دیا گیا۔ ان مجلسوں میں ایک ایک ہندوستانی کا تقرر بھی عمل میں آیا۔ اسی قسم کی مجلسیں دوسرے صوبوں میں بھی جہاں لفٹنٹ گورنر رہتا ہے اور خصوصاً بنگال میں قائم کرنے کا اختیار دیدیا گیا۔ ساتھ ہی امپیریل یعنی شاہی نیز صوبہ وار مجالس وضع قوانین کی توسیع ہوئی اور انتخابی عنصر میں اضافہ ہوا۔ یعنی منتخب شدہ اراکین کی تعداد بڑھ گئی۔

دلی دربار ۱۹۱۱ء

۱۹۱۱ء میں شاہ معظم جارج پنجم مع اپنی ملکہ کے ہندوستان

باب ۱ تشریف لائے اور بذات خود دہلی میں ایک شاہی دربار منعقد کیا۔ تاریخ ہند میں یہ ایک انوکھا موقع تھا کہ انگریزی بادشاہ نے پہلی مرتبہ سرزمین ہند پہ قدم رکھا۔ دربار یوں بھی قابل یادگار تھا کہ شاہ معظم نے نہایت اہم تبدیلیوں کا اعلان فرمایا مدت سے کلکتہ دارالسلطنت چلا آتا تھا اب تاریخی شہر دہلی کو یہ شرف عطا ہوا۔ اور بعض دیگر صوبوں میں بھی کچھ رد و بدل ہوا۔ اگلے سال پارلیمنٹ میں ایک قانون پاس ہوا جس کے ذریعہ سے ان تبدیلیوں پر عملدرآمد ہوگیا۔

ہندوستانی دستور اور حکومت کی یہ ایک مختصر سرگزشت ہے۔ اس ملک کے متعلق جو خاص خاص قانون پاس ہوئے ان کا ذکر کردیا گیا اور معمولی قوانین کا بیان قلم انداز ہو گیا یہ ذہن نشین ہونا ضروری ہے کہ برطانوی پارلیمنٹ نے جو قانون پاس کردئے ہیں انہی کی پابندی سے حکومت ہند چلتی ہے ہندوستان میں حکومت کے تینوں شعبے یعنی انتظامی وضع قوانین اور عدالتی انہیں قوانین کے مطابق قائم ہیں۔ اور صرف برطانوی پارلیمنٹ ہی ان قوانین میں تبدیلی اور ترمیم کرسکتی ہے۔

واضح ہو کہ پارلیمنٹ سے انگلستان کی ملکی مجلس مراد ہے جس میں دیوان خاص و عام دونوں شامل ہیں۔

دوسرا باب

وزیر ہند اور اُسکی کونسل یا مجلس

ناظموں کی مجلس اا
نگران مجلس

اس سے قبل واضح ہوچکا ہے کہ پٹ کے ۱۷۸۴ء عیسوی والے قانون نے حکومت ہند پر دوہری نگرانی قائم کردی تھی ناظموں کی مجلس تو کمپنی کی طرف سے حکومت کی نگرانی کرتی تھی اور نگران مجلس بادشاہ کی طرف سے نگرانی رکھتی تھی ناظموں کو تو وہ لوگ منتخب کرتے تھے جو کم از کم ایک معین قیمت کے اسٹاک یا حصہ کے بارہ مہینے یا زیادہ عرصہ تک مالک رہ چکے ہوں ۔ اور نگران مجلس کے ممبر بادشاہ کی طرف سے نامزد ہوتے تھے ۔ اقتدار کی میزان اسی مجلس کے ہاتھ میں تھی ۔ اور وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ اس کی ذمہ داریاں بھی بڑھتی گئیں ناظم اس مجلس میں پیش کئے بغیر کوئی تحریر براہ راست ہندوستان نہیں بھیج سکتے تھے ۔ علاوہ ازیں نگران مجلس کو یہ بھی حق حاصل تھا کہ اصرار کرکے جو تحریر چاہے ناظموں سے تیار کرا لے ۔

وزیر ہند اور اسکی کونسل

۱۸۵۸ء میں جب ہندوستان کی حکومت بہ تمام وکمال

باب ۲

شاہ انگلستان نے اپنے ذمہ لے لی تو نگران مجلس کے صدر کا جانشین ایک پانچواں وزیر بنا، جس کی مدد کے واسطے ایک کونسل یا مجلس مقرر ہوئی۔ وزیر ہند پارلیمنٹ کا رکن بھی ہے مجلس وزرا کا رکن بھی پریوی کونسل کا ممبر بھی۔ لہذا اس کو دیوان عام میں کثرت کی تائید درکار ہے اور انگلستان کی حکومت فرقہ بندی کے اقتضا کے بموجب اس کو عہدہ قبول اور ترک کرنا پڑتا ہے۔ لیکن ممبرانِ کونسل کی حیثیت وزیر سے بالکل مختلف ہے از روئے قانون ان کا پارلیمنٹ میں شریک ہونا ممنوع ہے۔ پس وہ فرقوں کے سیاسیات میں کوئی عملی حصہ نہیں لے سکتے۔ شروع میں کل پندرہ کونسلر یعنی ممبران کونسل تھے۔ لیکن اب کونسل میں حسب رائے وزیر ہند دس ممبروں سے لیکر چودہ تک شریک رہتے ہیں۔ ان کا تقرر وزیر ہند کے ہاتھ میں ہے۔ اور صرف شایستہ چال چلن کی حالت میں اپنے عہدہ پر رہ سکتے ہیں۔ ان کو کونسل سے علیحدہ کرنے کا طریق یہ ہے کہ دیوان عام اور دیوان خاص بھی اس کے متعلق ایک ایڈریس یا عرضداشت پیش کرکے منظور کراتے ہیں۔ اول اول عہدہ کی میعاد دس سال اب سات سال کر دی گئی۔ یہ بھی ضرور ہے کہ کچھ ممبر کم از کم سات سال تک ہندوستان میں ملازم یا مقیم رہ چکے ہوں۔ اور تقرر کے وقت برطانوی ہندوستان چھوڑے ان کو پانچ سال سے زیادہ نہ گزرے ہوں۔ آجکل دو ممبر ہندوستانی ہیں ایک ہندو

اور ایک مسلمان۔ کونسل بہت مکمل اور جامع معلوم ہوتی ہے باب ۴
پرانے سول ملازم ہندوستانی، فوجی اور مالی ماہر سب کے نمایندے
شریک رہتے ہیں۔ کونسل کئی کمیٹیوں میں منقسم ہے۔ جو ہفتہ
میں کئی مقررہ دن اجلاس کرکے مختلف محکموں کی نگرانی کرتی ہیں۔

وزیر اپنی کونسل کا صدر ہے وہ خود ہی نائب صدر مقرر کرتا وزیر ہند
ہے۔ اور جب چاہے اس کو علحدہ بھی کرسکتا ہے۔ کونسل صرف اور اس کی
اُن امور کی نگرانی کرسکتی ہے جو وزیر ہند اس کے سامنے پیش کونسل کے
کرے۔ وہ اپنی طرف سے کسی معاملہ میں پیشقدمی نہیں کرسکتی۔ باہمی تعلقات
مزید براں وزیر ہند کو کونسل میں اختیار منسوخی بھی حاصل ہے
یعنی یہ کہ وہ کثرت آراء کے فیصلہ کو رد کردے۔ البتہ چند
امور اس کے اختیار سے مستثنےٰ ہیں مثلاً استلاک محاصل و جائداد تنخواہ
اور رخصت کے قواعد کی تبدیلی۔ اور مشروط سول سروس پر
ہندوستانیوں کا تقرر۔ ایسے امور میں کونسل کی کثرت رائے
ضروری ہے۔ جب وزیر ہند اور کونسل میں اختلاف رائے ہو
تو جو کوئی ممبر شریک جلسہ رہا ہو چاہے تو روئداد جلسہ میں
فیصل شدہ امور کی بابتہ اختلاف رائے مع وجوہ تحریر کرسکتا
ہے۔ سوائے خاص ضروری اور راز کے معاملات کے تمام
احکام اور مراسلات پر یا تو کونسل کے جلسے میں بحث ہوتی
ہے۔ یا ہندوستان روانہ ہونے سے کم از کم سات روز قبل
کونسل کے کمرہ میں معائنہ کے واسطے رکھ دئے جاتے
ہیں۔ پس فی الجملہ کونسل کے اختیارات مشیرانہ ہیں۔ البتہ

باب ۲ اور اور طرح پر اس کا اثر بہت کچھ پڑ سکتا ہے ۔ اگرچہ لارڈ لینسڈون، لارڈ نارتھ بروک، لارڈ رپن اور لارڈ کرزن جیسے لوگ کیبنٹ یعنی مجلس وزرا کے ممبر رہ چکے ہیں ۔ لیکن کوئی وزیرہند ایسا نہیں ہوا جو ہندوستان میں ملازم رہ چکا ہو ۔ پس جن معاملات کا اس کو انتظام کرنا پڑتا ہے ان کا تجربہ نہیں ہوتا ۔ اور قدرۃً اس پر کونسل کے اُن انگریز اور ہندوستانی ممبروں کی رائے کا بہت کچھ اثر پڑتا ہے جن کی عمر کا بہترین زمانہ ہندوستان کی خدمت میں بسر ہوا ہو ۔

وزیر ہند ۔ ہندوستان کے معاملات میں بادشاہ کا دستوری مشیر ہے ۔ ہندوستان کی حکومت اور محاصل کی بابتہ وہ تمام اختیارات اور فرائض اسی کے حصہ میں آئے ہیں جو کبھی نگران مجلس یا کمپنی کے ناظموں اور راز دار کمیٹی سے متعلق تھے ۔ وہ ہندوستان میں ہر افسر حتیٰ کہ گورنر جنرل کے نام حکم جاری کرسکتا ہے اور حکومت ہند کا متحدہ یعنی برطانیہ عظمیٰ اور آئرلینڈ میں جو کچھ کام ہوتا ہے اس کی نگرانی بھی اسی کے سپرد ہے ۔ ہندوستان کو جو حکم احکام آتے ہیں اُن سب پر یا تو اس کے دستخط ہوتے ہیں یا اس کی عدم موجودگی میں کسی اور وزیر کے اور علیٰ ہذا جو مراسلات ہندوستان سے روانہ ہوں وہ بھی اسی کے نام ہونے چاہئیں ۔ ان وسیع اختیارات اور فرائض میں سے بہت سے اس کی ذاتی ذمہ داری پر مبنی ہیں ۔ بعض میں کونسل کا مشورہ بھی ضروری ہے ۔ اور کچھ معاملات

صرف کونسل کی کثرت رائے سے طے ہو سکتے ہیں۔ جو ہندوستانی تقررات بادشاہ کے ہاتھ میں ہیں ان کے متعلق بادشاہ وزیر ہند کے مشورہ پر عمل کرتا ہے۔ البتہ وائسرائے کا تقرر وزیر اعظم کی سفارش سے ہوتا ہے۔ دستوری طور پر وزیر ہند کے اختیارات بہت وسیع ہیں۔ عملی طور پر وہ کیا کیا ہیں اس کا دریافت کرنا مشکل ہے۔ صرف وہی لوگ اس سوال کا جواب دے سکتے ہیں جن کو ہندوستانی اور انگلستانی حکومت کا خاص تجربہ حاصل ہے۔ لیکن صاف ظاہر ہے کہ اختیارات کی وسعت بہت کچھ اس شخص کے خصائل اور اوصاف پر منحصر ہے جو اس عہدہ پر مقرر ہو۔ سرجان اسٹریچی جو پانچ وائسراؤں کے عہد میں حکومت ہند کے ممبر رہ چکے ہیں اور بعد کو لندن میں مجلس ہند یعنی انڈیا کونسل کے بھی رکن بن گئے، اس معاملہ میں رائے دینے کا بہترین حق رکھتے ہیں۔ ان کا قول ہے کہ وزیر کا خاص کام تو یہ ہے کہ حکومت ہند کے استفسارات کا جواب دیا کرے اور بڑے بڑے سیاسی اور مالی معاملات کے علاوہ ایسے استفسارات کی تعداد اور نوعیت بیشتر اس وقت کے گورنر جنرل کے خصائل اور اوصاف پر منحصر ہے۔ بعض گورنر جنرل ذاتی ذمہ داری بہت گھٹا دیتے ہیں اور ہر کام کرنے سے پہلے انگلستان کی حکومت سے دریافت کر لیتے ہیں۔ اس کے برعکس بعض خود اپنی اور اپنے مشیروں کی رائے سے کام کرنا پسند کرتے ہیں۔ لیکن معمولاً وزیر ہند اپنی طرف سے بہت کم کام چھیڑتا ہے۔ ملک کے اندرونی معاملات میں اس حد

باب (۲)

باب ۲ تک تو ہندوستانی حکومت تقریباً بالکل خود مختار ہے کہ موجودہ مصارف بڑھائے بغیر سلطنت کا کاروبار انجام دے۔ اگر سر جان اسٹریچی کی مندرجہ بالا رائے صحیح مان لی جائے تب بھی انگلستانی حکومت ہندوستان کی حکومت میں بہت کچھ دخل رکھتی ہے۔ خود سر جان اسٹریچی نے یہ بھی جتایا ہے کہ آب و ہوا کے فرق اور دیگر وجوہات کی بنا پر حکومت کے اعلیٰ عہدہ دار اکثر بدلتے رہتے ہیں۔ اور بالخصوص وائسرائے، گورنر، لفٹنٹ گورنر اور انکی مجلسوں کے ممبر، ان میں سے کوئی بھی پانچ سال سے زیادہ اپنے عہدہ پر قائم نہیں رہتا ہر حکومت میں کسی قدر پالیسی یا طرز عمل کی مواظبت ضروری ہے اور بالخصوص ہندوستان میں جہاں لوگ فوری اور بڑی تبدیلیوں سے بہت متوحش ہوتے ہیں اور اس طرز عمل کے قائم رکھنے میں وزیر ہند اور اس کی کونسل کا بہت مفید اثر پڑتا ہے۔

وزیر ہند کی مربی گری۔ ہندوستانی عہدوں کا تقرر۔ یہی وہ چٹان تھی جس سے ٹکراکر فاکس اور نارتھ کی اتحادی وزارت پاش پاش ہوگئی۔ اور اسی خوف سے پٹ نے ہندوستان کے تقررات کی بابتہ مربی گری کمپنی کے ہاتھ میں چھوڑ دی۔ ۱۸۱۳ء میں البتہ گورنر جنرل، گورنروں اور کمانڈر انچیف کے تقرر کے واسطے شاہی منظوری لازمی قرار دیدی گئی۔

انڈیا آفس یا دفتر وزیر ہند اور اسکے تقررات وزیر ہند کو اب بھی اپنے دفتر واقع ویسٹ منسٹر میں کچھ زیادہ مربی گری کا اختیار حاصل نہیں۔ دو نائب وزیر اس کے مددگار ہیں ان میں سے ایک سرکاری افسر ہوتا ہے اور دوسرا پارلیمنٹ کا ممبر

یہ دوسرا مددگار رکن حکومت بھی ہوتا ہے اور صرف اُس وقت تک اپنے عہدہ پر قائم رہتا ہے جب تک اس کا فریق برسر اقتدار ہو۔ ۱۸۵۸ء میں وزیر ہند نے نگران مجلس اور ناظموں کی مجلس کے ملازموں کو اپنے ہاں انڈیا آفس کے کام میں رکھ لیا کلرکی یعنے متصدی گری کے اعلیٰ عہدوں تک انہیں قواعد و ضوابط کی پابند ہے جن پر ہندوستان اور نو آبادیوں کے تقررات میں عمل ہوتا ہے۔ ادنیٰ عہدوں پر جن کو درجہ دوم کی کلرکی اور نائب کلرکی سے تعبیر کرتے ہیں وہ لوگ مقرر ہوتے ہیں جو دیگر امتحان مقابلہ میں کامیابی حاصل کرلیتے ہیں۔ خود دفتر کے اندر تمام تقررات اور ترقیاں وزیر ہند باجلاس کونسل طے کرتے ہیں۔ البتہ ناظر حسابات شاہی فرمان سے مقرر ہوتا ہے۔ جس پر وزیر مال کے بھی دستخط ہوتے ہیں۔ تنخواہیں وظیفے اور دیگر اخراجات متعلقہ دفتر وزیر ہند ہندوستان کے محاصل سے ادا ہوتے ہیں۔

وزیر ہند کو ہندوستانی تقررات میں کچھ زیادہ دخل نہیں۔ ہندوستانی گورنر جنرل کو تو بادشاہ وزیر اعظم کی سفارش سے مقرر کرتا ہے۔ تقررات کمانڈر انچیف، گورنر اور ممبرانِ کونسل خود وزیر ہند کی سفارش سے مقرر ہوتے ہیں۔ لفٹنٹ گورنروں کا تقرر گورنر جنرل کی سفارش سے ہوتا ہے۔ ہائی کورٹ کے ججوں کے تقرر کے قواعد آئندہ بیان ہوں گے۔ جو اہم عہدے ممبران کونسل سے ادنیٰ شمار ہوتے ہیں ان کے متعلق دو باتیں قابل ذکر ہیں۔ ۱۹۱۳ء میں

باب ۲

مشروط سول سروس کی ابتدا ہوئی، جس کے ممبروں نے کمپنی سے عہد کرلیا کہ نہ تو وہ لوگوں سے تحفے تحائف لیں گے اور اور نہ بطور خود تجارت کریں گے۔ اور اس طبقہ کے ملازمونکے واسطے کچھ عہدے مخصوص کردئے گئے۔ ۱۸۵۳ء تک تو ان عہدوں پر ناظمان کمپنی لوگوں کو نامزد کرتے تھے۔ اس کے بعد امتحان مقابلہ کا طریق نکل آیا کہ سب برطانوی رعایا خواہ وہ کسی نسل فرقے اور مذہب سے منسوب ہوں امتحان میں کامیابی حاصل کرکے ان عہدوں کو حاصل کرسکتے ہیں امیدواروں کی عمر اور اوصاف کے متعلق قواعد بنانا، امتحان کے واسطے مضامین مقرر کرنا یہ سب کام وزیر ہند باجلاس کونسل سرانجام دیتا ہے اور اگر ان میں کوئی تبدیلی کرنی منظور ہو تو وہ اول پارلیمنٹ میں پیش ہونی ضرور ہے۔ امتحان کا انتظام بھی سول سروس کے کمشنروں کے سپرد ہے۔ فی الجملہ یہ طریق بہت کار آمد ثابت ہوا ہے۔ تقررات اور ترقیوں کے کل معاملات حکومت ہند کے ہاتھ میں چھوڑ دئے گئے ہیں اور اس طرح پر سول سروس فریقانہ سیاسیات کے مضر اثر سے محفوظ ہوگئی اور رعایت و مروت کا اعتراض کرنے کی بھی گنجائش نہیں رہی۔

ہندوستانی لوگ اور سرکاری خدمات

گزشتہ چند سال میں البتہ اس طریق کی بابتہ ایک شکایت پیدا ہوگئی ہے۔ یہاں کی سول سروس میں ہندوستانیونکی تعداد بہت تھوڑی ہے۔ چونکہ امتحان لندن میں ہوتا ہے اس وجہ سے بھی بعض ہندوستانی شرکت سے معذور ہیں ۱۸۷۰عیسوی سے

منظوری سول سروس کا قاعدہ نکلا کہ بہ منظوری وزیرِ ہند باجلاس کونسل، مقامی حکومتیں مستحق اور مسلمہ قابلیت کے ہندوستانیوں کو ان عہدوں پر نامزد کرسکتی تھیں۔ مگر یہ طریق بھی کچھ کامیاب ثابت نہ ہوا اور پنجاب کے لفٹنٹ گورنر سر چارلس اچیسن کی زیرِ صدارت جو پبلک سروس کمیشن یعنی سرکاری خدمات کی بابتہ کمیشن بیٹھا تھا، اس کی تجاویز کے مطابق ۱۸۸۷ء میں ایک اور انتظام عمل میں آیا۔ تب سے سرکاری ملازمت تین طبقوں میں منقسم ہے انڈین یا ہندوستانی سول سروس صوبہ دار خدمات اور ماتحت خدمات میں دونوں طبقوں کے عہدوں پر بالعموم جو لوگ نامزد ہوتے ہیں ان کی قابلیت اور اوصاف کے متعلق حکومت ہند نے کچھ قواعد وضوابط بنا دئے ہیں جن کا لحاظ رکھا جاتا ہے۔ ماتحت خدمات کے ملازم ترقی پا کر صوبہ دار خدمات میں آسکتے ہیں اور صوبہ دار خدمات کے لوگ چند "مندرجہ" عہدوں پر ترقی پاسکتے ہیں جو اس سے قبل ہندوستانی سول سروس کے عہدہ داروں کے واسطے محفوظ تھے۔

دیگر خدمات

ہندوستان میں خدمات کے کچھ اور بھی صیغے ہیں۔ مثلاً تعمیرات ڈاک اور تار، جنگلات، پولس، تعلیمات اور طبابت۔ ان میں بھی عہدوں کے یہی تین طبقے ہیں۔ امپیریل سروس یعنی شاہی خدمات میں لوگ یا تو بذریعۂ امتحان مقرر ہوتے ہیں یا وزیر ہند ان کو نامزد کرتا ہے۔ مگر یہ سب کچھ ہوتا

انگلستان ہی میں ہے۔ عہدہ داروں میں کثرت تو یورپین لوگوں کی ہے مگر تقرر کا حق ہندوستانیوں کو بھی حاصل ہے، اور کچھ منتخب بھی ہو چکے ہیں۔ رہے آخر کے دو طبقے یعنی صوبہ دار خدمات اور ماتحت خدمات۔ ان کے تقررات ہندوستان ہی میں ہوتے ہیں۔ اس باب میں حکومت ہند نے کچھ قواعد جاری کر رکھے ہیں۔

سرکاری خدمات کی کمیشن ۱۹۱۲ء

۱۹۱۲ء میں بہ فرمان شاہی زیر صدارت لارڈ اسلنگٹن سابق وزیر نیوزیلینڈ ایک پبلک سروس کمیشن مقرر ہوا تاکہ طریق تقرر، شرائط ملازمت اور خدمات کی موجودہ تقسیم یعنی شاہی اور صوبہ دار خدمات کے باب میں کافی تحقیقات کر کے یہ غور کرے کہ سرکاری خدمات کی اصلاح اور بہتری کے واسطے کیا کیا تدابیر مناسب ہوں گی۔

وزیر ہند اور پارلیمنٹ

ابھی یہ دیکھنا باقی ہے کہ وزیر ہند کے تعلقات پارلیمنٹ سے کیا ہیں۔ وزیر ہند کی حیثیت وزیر نو آبادیات سے مختلف ہے اس وزیر اور اس کے عملہ میں کی تنخواہیں اور صیغہ کے دیگر مصارف انگلستانی حکومت اپنے پاس سے ادا کرتی ہے۔ اور یہ کل رقم اُس میں شامل ہوتی ہے جو ہر سال دیوان عام میں پیش ہوتا ہے۔ جب یہ مدین زیر بحث ہوں تو وہ وزیر نو آبادیات کی عام پالیسی یا اس کے کام کے کسی شعبہ پر بحث مباحثہ ہو سکتا ہے اور دیوان عام چاہے تو اس کے تخمینوں میں رد و بدل کر دے۔ لیکن وزیر ہند کی حالت مختلف

ہے۔ اس کی تنخواہ بھی انگلستان کے بجائے ہندوستان کے خزانہ سے نکلتی ہے۔ ہندوستان کے محاصل اور مصارف میں ترمیم کرنے کا پارلیمنٹ کو کوئی اختیار حاصل نہیں ہے۔البتہ دو صورتوں میں پارلیمنٹ کی منظوری ضروری ہے۔ اول قرض عامہ کی مقدار بڑھانا، دوسرے بیرون ملک فوجی کارروائیوں کے واسطے مصارف میں اضافہ کرنا۔ ہر سال پارلیمنٹ میں حکومت ہند کی بابتہ دو چیزیں پیش ہوتی ہیں۔اول تو ایک مالی کیفیت جس کو بالعموم ہندوستانی بجٹ یا موازنہ کہتے ہیں۔ اس میں سال گزشتہ کے محاصل اور مصارف درج ہوتے ہیں اور ایک غیر متعلق ناظر حسابات اسکی جانچ پڑتال کرکے اس کی تصدیق کرتا ہے۔ دوسرے برطانوی ہندوستان کی مالی اور اخلاقی ترقیات کے متعلق ایک تفصیلی رپورٹ لیکن ان چیزوں کے متعلق صرف تکمیل ضابطہ کے طور پر ایک رزولیوشن یا تحریک پاس ہو جاتی ہے جس میں ہندوستان کے محاصل اور مصارف کا ذکر ہوتا ہے اور بس۔

گزشتہ باب میں چند ایسے قوانین کا ذکر آچکا ہے کہ جن میں عدالت کے محکموں کی تعریف موجود ہے اور جن کے رو سے یہ محکمے باضابطہ قرار پائے اور پارلیمنٹ کی رضامندی بغیر ان قوانین میں کوئی تبدل و تغیر ممکن نہیں۔ اس کے برعکس بڑی بڑی تبدیلیاں جو پارلیمنٹ کے سابق منظور شدہ قوانین کے تحت میں نہ ہوں پارلیمنٹ

پارلیمنٹ کے انتظام۔ وضع قوانین اور قوانین ہندوستانی حکومت

باب ۲

کے مشورہ بغیر عمل میں آسکتی ہیں ۔ مثلاً دارالسلطنت کا کلکتہ سے دہلی منتقل ہونا انتظامی کونسلوں میں جو غیر عہدہ دار ہندوستانیوں کے تقرر حال میں ہو چکے ہیں اُن سے یہ فرق بخوبی واضح ہوگا ۔ گورنر جنرل کی کونسل کے ممبروں میں عہدہ دار ممبروں کی ایک خاص نسبت برقرار رکھنی ضروری ہے ۔ پس موجودہ قوانین میں کوئی تبدیلی کئے بغیر وزیر ہند چاہے تو کسی عہدہ دار ہندوستانی کو ممبر بنادے ۔ اس کے برعکس مدراس اور بمبئی کی کونسل میں گورنر کے علاوہ صرف دو دو ممبر اور ہوتے ہیں ۔ اور از روئے قانون دونوں کے واسطے لازمی ہے کہ ایک زمانہ معینہ تک ہندوستان میں شاہی خدمات انجام دے چکے ہوں ۔ چونکہ قانون کی تبدیلی لازم آتی تھی لہذا وہاں کسی اور قوم کے عہدہ دار کو ممبر مقرر کرنے کی حالت میں پارلمنٹ سے دریافت کرلینا ضروری ہوگا ۔

وزیر ہند کیبنٹ یعنی مجلس وزرا کا ممبر ہے ۔ اور اس حیثیت سے وہ پارلیمنٹ کے سامنے بھی جوابدہ ہے ۔ حکومت ہند کے متعلق پارلیمنٹ میں برابر سوال ہوتے ہیں اور ہر ممبر کو بہ پابندئ قواعد پارلیمنٹ پورا اختیار حاصل ہے کہ بحث چھیڑے اور تحریک پیش کرے آجکل دیوان عام کے مقابل دیوان خاص میں ہندوستانی معاملات کے متعلق زیادہ دلچسپی کا ہوتا ہے ۔ اس کی وجہ غالباً یہ ہے کہ دیوان خاص میں بہت سے سابق وائسرائے ، گورنر اور ایسے لوگ شامل

ہیں جن کو ہندوستانی حکومت کا بہت کچھ ذاتی تجربہ حاصل ہو چکا ہے۔ باب ۲

حاصل کلام یہ کہ یوں تو وزیر ہند کو حکومت ہند پر بہت وسیع اختیارات حاصل ہیں، لیکن عملی طور پر ایسا معلوم ہوتا ہے کہ اس کا کام زیادہ تر مشورہ اور اصلاح کا ہے۔ علیٰ ہذا اگرچہ پارلیمنٹ کی ہندوستان پر اعلیٰ حکومت مسلم ہے تاہم بہت کم ایسے موقعے پیش آتے ہیں کہ پارلیمنٹ ہندوستان کے معاملہ میں دخل دیتی ہو۔ غالباً یہ بڑی خوش قسمتی ہے کہ ہندوستان کی حکومت فریقانہ سیاسیات کی زد سے محفوظ رکھی گئی ہے۔ حتیٰ کہ لارڈ مارلے کی اصلاحات فریقانہ سیاسیات کے دائرہ سے خارج قرار پائیں اور انگلستان کے ہر دو بڑے سیاسی فرقوں نے اس کو منظور کرلیا۔ پس ہندوستانی معاملات کا نظم و نسق بہت کچھ حکومت ہند کے ہاتھ میں ہے۔ البتہ وزیر ہند نگرانی کرتا ہے اور خاص حالتوں میں برطانوی پارلیمنٹ بھی۔

تیسرا باب

وائسرائے اور اُسکی کونسل یا مجلس

گورنر جنرل

قانون تنظیم کی رو سے گورنر بنگال گورنر جنرل مقرر ہوا اور اس کو مدراس اور بمبئی کی حکومتوں پر نگرانی رکھنے کا اختیار تفویض ہوا۔ مزید براں اول تو پٹ کے قانون ۱۷۸۴ء نے اُس کے اختیارات بڑھادئے اور بعد کو ۱۷۹۳ء میں مزید اضافہ ہوا۔ ۱۸۳۳ء میں گورنر جنرل بنگال کے بجائے گورنر جنرل ہند کا خطاب قرار پایا۔ لیکن ۱۸۵۴ء کے بعد ہی یہ نوبت آئی کہ بنگال کا ایک جداگانہ لفٹننٹ گورنر مقرر ہوا۔ اور گورنر جنرل اس کی براہ راست ذمہ داری سے سبکدوش ہوا۔ اس کے بعد سے حکومت ہند کا کسی خاص صوبہ سے تعلق نہیں رہا۔ اس کا صدر مقام تو کلکتہ ہی رہا البتہ لارڈ لارنس کے زمانہ سے یہ قاعدہ چلا آتا ہے کہ موسم گرما میں گورنر جنرل اور اسکے عملہ کے خاص خاص عہدہ دار شملہ پر رہتے ہیں۔ ۱۹۱۲ء میں دارالسلطنت کلکتہ سے دہلی منتقل ہوگیا۔ اور ساتھ ہی دہلی اور اس کی نواح ایک چیف کمشنر کے تحت میں آگئی ۱۸۵۶ء میں

باب ۳

جب حکومت ہند کمپنی کے ہاتھ سے نکل کر شاہ انگلستان کے ہاتھ میں آئی تو گورنر جنرل کا خطاب وائسرائے یعنی نائب بادشاہ قرار پایا۔ لیکن پارلیمنٹ کی تحریرات میں ابتک لفظ گورنر جنرل ہی مستعمل ہے اول اول تو گورنر جنرل کا تقرر ناظمان کمپنی کے ہاتھ میں تھا لیکن ۱۸۱۳ء میں شاہی منظوری بھی لازمی قرار پاگئی۔ اب گورنر جنرل کا تقرر بسفارش وزیراعظم خود بادشاہ کی طرف سے ہوتا ہے اور عہدہ کی معمولی میعاد پانچ سال ہے۔ یہ طے شدہ امر ہے کہ گورنر جنرل پر وزیر ہند کے احکام کی تعمیل لازمی ہے۔ اس پابندی سے قطع نظر گورنر جنرل کے اختیارات بہت وسیع ہیں۔ ہندوستان میں وہ بادشاہ کا قائم مقام تصور ہوتا ہے۔ حکومت کا سرگروہ بھی وہی ہے، مجلس وضع قوانین کا صدر وہی ہے اور اس کو رحم اور عفو کے شاہی اختیارات بھی حاصل ہیں۔

گورنر جنرل قانون تنظیم کی روسے گورنر جنرل کی مدد کے واسطے ممبروں کی مجلس یا کونسل قائم ہوئی تھی۔ شروع میں ممبروں کا انتخاب ناظمان کمپنی کے ہاتھ میں تھا لیکن اب وہ بہ مشورۂ وزیر ہند بادشاہ کی طرف سے مقرر ہوتے ہیں۔ اور ان کے عہدہ کی میعاد بھی پانچ سال ہے۔ ممبروں کی تعداد میں وقتاً فوقتاً کمی بیشی ہوتی رہی ہے۔ پٹ کے قانون کے بموجب کونسل میں صرف تین ممبر شریک تھے۔ اور ان

باب ۳ میں سے بھی ایک کمانڈر انچیف ہوتا تھا۔ ۱۹۱۵ء میں ممبروں کی تعداد چھ تھی۔ اور مزید براں کمانڈر انچیف بطور ایک غیر معمولی ممبر کے شریک کونسل رہتا تھا۔ کونسل کی ممبری کے لئے جو اوصاف مقرر ہیں وہ کچھ کم نہیں ہیں۔ حسب قانون کم از کم تین ممبر ایسے ہونے چاہئیں جو قبل تقرر دس سال یا اس سے زیادہ عرصہ تک کوئی شاہی خدمت ہندوستان میں سر انجام دے چکے ہوں۔ ان کے علاوہ ایک ایسا ممبر بھی ضروری ہے جو انگلستان یا آئرلینڈ میں بیرسٹری کا امتحان پاس کرچکا ہو۔ یا جو اسکاٹلینڈ کی مجلس وکلاء کا رکن ہو۔ اور اس کی قدامت کم از کم پانچ سال ہو۔ ۱۹۱۶ء میں تین ممبر ایسے تھے جو ہندوستانی سول خدمات پر رہ چکے تھے۔ ایک ممبر لندن میں سول خدمات میں شریک رہ چکا تھا لیکن اس کو ہندوستان کی حکومت کا پہلے سے کوئی تجربہ نہ تھا۔ پانچواں ممبر ایک بیرسٹر تھا جس میں تمام ضروری اوصاف موجود تھے۔ اور چھٹا ممبر ایک ہندوستانی تھا جو اس سے قبل ایک ہائیکورٹ کا جج رہ چکا تھا۔

گورنر جنرل اور ممبران کونسل کے تعلقات — وارن ہیسٹنگس جو سب سے پہلا گورنر جنرل تھا اس کو اپنی کونسل کی کثرت کی مخالفت سے برابر دقتیں پیش آتی رہیں۔ اس کی کونسل کے ممبروں نے اکثر موقعوں پر اسکی رائے منسوخ کردی اب بھی گورنر جنرل اپنی کونسل کی کثرت رائے کا پابند ضرور ہے مگر نہ ایسے معاملات میں کہ جن کا اثر گورنر جنرل کی رائے میں برطانوی

ہندوستان کی حفاظت اور امن و امان پر پڑتا ہو۔ کثرت کے فیصلہ باب ۳
کی منسوخی کا اختیار جو مذکورہ بالا خاص خاص حالتوں میں گورنر جنرل
کو حاصل ہے اس سے کام لینے کی شاذ و نادر نوبت آتی ہے۔
لیکن یہ بھی قابل یادداشت ہے کہ محصول درآمد و برآمد کے مسئلہ
پر لارڈ لٹن نے اپنی کونسل کے فیصلہ کو منسوخ کر دیا تھا۔ ایسی
حالت میں مخالف ممبروں کو یہ حق حاصل ہے کہ اپنے اختلافات
کے وجوہات تحریر کر دیں تا کہ وزیر ہند کے سامنے پیش ہوں۔
کچھ روز سے مجلسی حکومت کا طریق بہت کچھ بدل گیا ہے۔
پہلے حکومت کے متعلق کل معاملات پر کونسل میں بحث ہوتی
تھی۔ ایک سابق ممبر کونسل لکھتا ہے کہ اس زمانہ میں اس قدر
طول طویل روئدادیں لکھنی پڑتی تھیں کہ اب یقین آنا دشوار
ہے۔ آج سے بیس سال قبل جس قدر کام گورنر جنرل اور اسکی
کونسل ملکر کرتی تھی آج اس کو ایک نائب وزیر (انڈر سکرٹری)
سر انجام دیتا ہے۔ لارڈ ڈلہاؤزی نے جس کا بہت کچھ وقت
نہایت اہم معاملات کے انصرام میں صرف ہوتا تھا بالآخر
یہ نتیجہ نکالا کہ گورنر جنرل کے واسطے اس طریق کے مطابق
کام کرنا ممکن نہیں۔ پس ۱۸۶۱ء کے قانون مجلس نے گورنر جنرل
کو اختیار دیدیا کہ کام کی سہولت کے واسطے جو قواعد ضروری
اور مناسب معلوم ہوں مقرر کر لئے جادیں۔ چنانچہ اس دفعہ
کے مطابق لارڈ کیننگ نے اپنی کونسل کے ہر ایک ممبر کو ایک
نہ ایک صیغہ سونپ دیا اور اپنے اپنے صیغہ کے معمولی کاروبار

باب ۳ کا ہر ممبر ذمہ دار بن گیا۔ خاص خاص اہم معاملات البتہ کونسل میں پیش ہوتے ہیں۔ سر ولیم ہنٹر نے جو لارڈ میو کی سوانح عمری لکھی ہے اس میں کونسل کا طریق کار وبار یوں درج ہے۔

روز مرہ کی معمولی کارروئیاں تو وہی ممبران کونسل چلاتے جن کے صیغہ سے ان کا تعلق ہوتا تھا۔ اہم کاغذات البتہ مجوز ممبر کی رائے کے ساتھ وائسرائے کے سامنے پیش ہوتے تھے۔ جو یا تو اتفاق کرتا تھا یا کوئی مناسب ترمیم کردیتا تھا۔ اگر وائسرائے نے اتفاق کرلیا تو بس معاملہ طے ہو گیا۔ معتمد نے لیا اور ممبر کی رائے کو ایک چٹھی یا تحریک کی شکل میں تحریر کردیا اور وہ بطور احکام گورنرجنرل باجلاس کونسل جاری ہوگیا۔ لیکن جو معاملات اہم ہوتے تھے اُن کے باب میں وائسرائے ابداعی ممبر سے اتفاق کرتے ہوئے بھی اکثر کاغذات کو یا تو کل کونسل میں گشت کراتا تھا یا ایسے خاص خاص ممبروں کے پاس بھیجوا دیتا تھا جن کی رائے کو وہ معاملات زیر بحث میں ضروری اور قابل لحاظ خیال کرتا تھا۔ جبکہ وائسرائے ممبر کی رائے سے اتفاق نہیں کرتا تھا تو بالعموم کاغذات یا تو کل ممبروں میں گشت ہوتے تھے یا حسبِ حکم وائسرائے کونسل میں پیش ہو جاتے تھے۔ اشد ضروری معاملات صیغہ متعلقہ کے معتمد براہ راست وائسرائے کے سامنے پیش کرتے تھے۔ اس پر یا تو وائسرائے خود ہی کوئی حکم صادر کردیتا تھا یا ابتدائی رائے کے واسطے اس ممبر کونسل کے پاس بھیجدیتا تھا جس کے

باب ۳

صیغہ سے اس معاملہ کا تعلق ہو۔

محکمۂ خارجیہ

محکمۂ خارجیہ براہ راست گورنر جنرل کے ماتحت ہے۔ محکمۂ خارجیہ اُن بیرونی تعلقات کی نگہداشت کرتا ہے جو یا تو حکومت ہند سے متعلق ہوں یا بمدارج مختلف ہندوستانی ریاستوں سے زیادہ سے زیادہ شاہی حقوق جو کسی ہندوستانی حکمراں کو حاصل ہیں اس کی مثال اعلیحضرت حضور نظام خلد اللہ ملکہٗ کی حکومت ہے کہ اپنا سکہ چلاتے ہیں، رعایا سے محاصل وصول کرتے ہیں اور سزا دیتے ہیں جس کا کوئی مرافعہ نہیں ہوسکتا۔ سب سے کم شاہی اختیارات کی مثال کاٹھیاوار کے زمیندار ہیں جو کہ صرف چند ایکڑ زمین کے مالک ہیں۔ سرکاری ٹیکس معاف ہے اور کچھ برائے نام ذاتی اختیارات بھی حاصل ہیں۔ محکمہ خارجیہ کے نمایندے جو دیسی ریاستوں میں موجود رہتے ہیں رزیڈنٹ یا ایجنٹ کہلاتے ہیں۔ ان کا انتخاب یا تو ہندوستانی سول خدمات کے زمرہ سے ہوتا ہے یا فوجی عہدہ داروں میں سے جن کا سیاسی محکمۂ سے تعلق رہ چکا ہو۔ دیسی ریاستوں میں ایسی چیزوں کی نگرانی بھی انھیں کے ذمہ ہوتی ہے۔ جیسے رؤسا کے کالج یا شاہی خدمت کے رسالے (امپیریل سروس ٹروپس) صوبۂ سرحدی اجمیر مارواڑ اور برطانوی بلوچستان ان حصوں کی حکومت بھی محکمۂ خارجیہ کے تحت میں ہے۔

محکمۂ داخلیہ اور تعلیمات

برطانوی ہندوستان کی حکومت محکمۂ داخلیہ کے ماتحت ہے لیکن ۱۹۱۰ء میں تعلیمات اور صفائی کے اہم صیغوں کی نگرانی

باب ۳ کے زمانۂ حکومت میں یہاں تک نوبت پہونچی کہ تجارت و صنعت کا ایک محکمہ ہی جدا قائم ہو گیا اور اس کے اعلیٰ عہدہ دار کو مجلس انتظامی میں جگہ دی گئی ۔ اس کو بہت سے کام تفویض ہوئے ۔ ہندوستان میں تمام صنعتی منصوبوں کی نگرانی کرنا، کاروباری معلومات فراہم اور شائع کرنا علاوہ ازیں ڈاک، تار، محصول درآمد و برآمد، بندرگاہ، تجارتی جہازوں کانوں کارخانوں ان تمام چیزوں کا انتظام اسی کے سپرد ہے ۔ ریلوں کی نگرانی اور ریلوں کی پالیسی کو ترقی دینا یہ کام ایک بورڈ کے تحت میں آگیا ۔ بورڈ میں تین ممبر شامل ہیں اور مجلس انتظامی میں ممبر تجارت و صنعت ان کا نمایندہ شمار ہوتا ہے ۔ اس محکمہ سے یہ بھی توقع کی جاتی ہے کہ ملک کی تجارت کا بندوبست رکھے اور بشرط ضرورت صحت اور رفاہ عام کی خاطر مداخلت کرے ۔ کارخانے اور مزدور معائنہ کرنے کا کام پہلے سست تھا لیکن امپیریل کونسل یعنی مجلس شاہی میں ایک قانون منظور ہو گیا ہے جس کی رو سے کام کرنے کا وقت معین ہو گیا کارخانے بہت زیادہ توجہ اور اہتمام سے معائنہ ہونے لگے اور بعض بعض کام کرنے کی مستورات اور بچوں کو قطعاً ممانعت ہو گئی ۔

صیغۂ معتمدی کے عہدہ دار ہر محکمۂ کا اعلیٰ عہدہ دار انتظامی مجلس کا ایک رکن ہوتا ہے اس کے تحت میں معتمد ہے ۔ نائب معتمد، مددگار معتمد اور معمولی متصدیوں کا عملہ، مددگار معتمد اور اس کا ماتحت عملہ محکمہ سے

مستقل تعلق رکھتا ہے۔ محکمہ تعمیرات کے سوا کل محکموں کے باب ۲
معتمد اور نائب معتمد ہندوستانی سول سروس کے ممبر ہوتے ہیں
حکومت ہند کے واسطے سول سروس والوں کا کوئی زمرہ مخصوص
نہیں، بلکہ جو عہدہ دار صوبہ دار حکومتوں کے تحت میں کام کرتے
ہیں انہیں کو حکومت ہند مستعار لے لیتی ہے اور حکومت ہند
کے ہاں معتمدی کی میعاد بالعموم تین سال ہے۔

حکومت ہند ایک منفردہ حکومت ہے، نہ کہ متحدہ حکومت۔ حکومت
ہند ایک
لحاظ سے
منفردہ حکومت
ہے۔

گر صوبہ دار حکومتوں سے جو اس کے تعلقات ہیں ان کے لحاظ سے حکومت ہند کے اختیارات مطلق اور مجرد ہیں۔ گویا مقامی حکومتیں بطور اس کے نائب کے کام کرتی ہیں۔ بالفاظ دیگر جو کام حکومت ہند مقامی حکومتوں کے سپرد کر دیتی ہے اس کو وہ سرانجام دیتی رہتی ہیں۔ لیکن پہلے ایسا قاعدہ نہ تھا۔
مثلاً کسی زمانہ میں مدراس اور بمبئی کی حکومتیں حکومت بنگال
کے ماتحت نہ تھیں بلکہ خود مختار تھیں۔ آسٹریلیا کے دستور
میں البتہ حکومت متحدہ کی ایک عمدہ مثال نظر آتی ہے۔ اپنے
جغرافی موقع محل اور گزشتہ تاریخی واقعات کی بنا پر آسٹریلیا کی
ریاستوں نے یہی چاہا کہ جہاں تک ممکن ہو ہر ایک ریاست
کی خود اختیاری برقرار رہے۔ اور حکومت میں بہت زیادہ
مرکزیت پیدا نہ ہونے پاوے۔ دولت عامہ آسٹریلیا کی مرکزی
یا متحدہ حکومت کو صرف چند اختیارات حاصل ہیں جو کہ نہایت
تدقیق کے ساتھ قانون دولت عامہ میں بیان کردئے گئے ہیں۔

باب ۳ اور ان کے علاوہ جس قدر باقی اختیار ہیں وہ سب ریاستوں کے ہاتھ میں ہیں۔ جنوبی افریقہ میں حال میں منفردہ حکومت کا طریق اختیار کر لیا گیا۔ تقریباً کل اختیار متحدہ حکومت کے ہاتھ میں آگئے ہیں اور صوبہ دار مجلسوں کو صرف تھوڑے تھوڑے اختیارات انتظام و وضع قوانین حاصل ہیں۔ کناڈا کا دستور اسٹریلیا اور جنوبی افریقہ کے بین بین ہے وہاں سلطنت کی پارلیمنٹ کو تمام اختیارات حاصل ہیں۔ سوائے ان خاص اختیارات کے جو باقاعدہ طور پر صوبہ دار حکومتوں کے تفویض کئے گئے ہوں، حکومت ہند کے سپرد جو کام ہیں ان کی تفصیل یہ ہے۔ معاملات خارجیہ، تحفظ ملک، عام محصول، زر، قرض عامہ، محصول درآمد و برآمد، ڈاک، تار، بل اور حسابات کی جانچ پڑتال۔ معمولی اندرونی انتظامات مثلاً پولیس، عدالت ہائے دیوانی و فوجداری مجلس، تشخیص وتحصیل مالگزاری، تعلیمات، طبابت، صفائی تعمیرات اور سڑکیں، جنگلات، بلدیات یعنی مینونسپلٹی اور مجالس ضلع کی نگرانی یہ سب کام صوبہ دار حکومتوں کے ہاتھ میں ہے۔ لیکن عام نگرانی حکومت ہند کو ان معاملات میں بھی حاصل ہے۔ وہ ایک عام پالیسی کا خاکہ تیار کر دیتی ہے اور مقامی حکومتوں کے متعلقہ صیغوں کی طرف اس کی تعمیل کے متعلق جو کیفیتیں اور تختہ جات پیش ہوتے ہیں ان سے اندازہ کرلیتی ہے کہ اس معینہ طرز عمل کا کیا اثر ہوا۔ بہت سے صیغے جو کہ مقامی حکومتوں کے سپرد ہیں ان کو معائنہ کرنے اور ان کے متعلق

رائے دینے کے واسطے بھی حکومت ہند کچھ ماہر کار عہدہ دار رکھتی ہے۔ لیکن آج کل کا رجحان یہ ہے کہ انسپکٹر جنرل جو حکومت ہند کی طرف سے مختلف صیغوں کا صوبے صوبے معائنہ کرتے تھے علٰحدہ کردئے جاویں اور ہر صوبہ اپنی طرف سے معائنہ کا انتظام کرے۔

تضعیف مرکزیت

کچھ عرصہ سے پالیسی یہ ہوگئی ہے کہ مرکزیت توڑی جائے اور غالباً آیندہ قریب زمانہ میں اس پالیسی کو اور ترقی ہوگی۔ ۱۹۰۷ء میں بہ صدارت مسٹر ہاب ہاؤس ایک شاہی کمیشن مقرر ہوا تاکہ مرکزیت توڑنے کے باب میں تحقیقات کرے۔ اس کمیشن کے ایک ممبر مسٹر رامیش چندر دت تھے۔ جو پنشن یافتہ سول عہدہ دار تھے اور بنگال میں کمشنر رہ چکے تھے۔ اور بہ زمانہ کمیشن بھی ریاست بڑودہ کی خدمت دیوانی پر فائز تھے۔ کمیشن کے فیصلے اور گواہوں کے بیانات ایک ضخیم جلد کی شکل میں شائع ہو چکے ہیں۔ جو لوگ ہندوستانی حکومت کے متعلم ہیں اُن کے لئے اس رپورٹ کا مطالعہ بہت دلچسپی کا باعث ہوتا ہے۔ بہت سی تجاویز پیش ہوئیں جن میں سے اکثر پر اب عمل بھی ہو رہا ہے۔ سر جان اسٹریچی بھی تضعیف مرکزیت کی پالیسی کا ذکر کرتے ہوئے اس کی خوبیوں کو بہت شد و مد سے بیان کرتے ہیں۔ بقول اُن کے حکومت ہند کی پالیسی ایسی ہرگز نہیں کہ بلا ضرورت صوبہ دار حکومتوں کے فروعی کاموں میں دخل دے۔ یہ امر مسلمہ ہے کہ صوبہ دار

باب ۳ حکومتیں ہی مقامی ضروریات اور حالات کو خوب جانتی ہیں اور مرکزی حکومت کے دور افتادہ حکام کو یہ بات حاصل نہیں ہوتی۔

چوتھا باب

صوبوں کی حکومتیں

صوبہ دار

حکومتیں

برطانوی ہندوستان متعدد صوبوں میں منقسم ہے اور ہر صوبہ مقامی حکومت کے ماتحت ہے۔ لیکن جو احکام گورنر جنرل صادر کرتے ہیں ان کی تعمیل ہر مقامی حکومت پر واجب ہے۔ جیسا کہ قبل بھی بیان ہوچکا ہے فوج، ڈاک، تار، ریل اور ایسے ہی دوسرے صیغے جن میں طرز عمل یا پالیسی کا یکساں رہنا ضروری ہے۔ براہ راست حکومت ہند کے تحت اور نگرانی میں ہیں اور ان سے صوبوں کی حکومتوں کو کوئی سرو کار نہیں۔ محاصل کا ایک جزو کسی مقررہ نسبت کے مطابق صوبوں کی حکومتوں کے سپرد کردیا جاتا ہے۔ تقسیم محاصل کا جو اساسی اصول قرار پایا تھا وہ بھی اب مستقل قرار دیدیا گیا ہے۔ بعض محکموں کا نظم ونسق صوبوں کی حکومتوں کے ہاتھ میں ہے۔ مثلاً تعلیمات، پولیس شفاخانے، صفائی، معمولی تعمیرات حکومت ہند ان پر ایک عام نگرانی رکھتی ہے۔ مقامی حکومتوں کے

باب ۴ اختیار کی وسعت بھی مختلف ہے۔ مدراس بمبئی اور بنگال کی حکومتوں کو طبعاً سب سے زیادہ خود مختاری حاصل ہے۔

۱۹۱۵ء میں برطانوی ہندوستان حسب ذیل پندرہ صوبوں میں منقسم تھا۔

(۱) مدراس بمبئی اور بنگال کے احاطے یا گورنریاں۔

(۲) صوبۂ متحدہ، پنجاب، برما، بہار و اڑیسہ کی ایک ایک لفٹننٹ گورنری۔

(۳) صوبہ متوسط، آسام۔ صوبہ سرحدی اور دہلی کی ایک ایک چیف کمشنری۔

(۴) برطانوی بلوچستان، اجمیر، مارواڑ، کورگ اور جزائر انڈمان۔

آئینی اور غیر آئینی صوبے۔ پہلے زمانہ میں آئینی اور غیر آئینی صوبوں میں بڑا فرق مانا جاتا تھا بنگال، مدراس، بمبئی اور آگرہ تو آئینی صوبے اور ان کے علاوہ باقی کل صوبے جن میں اودھ اور سندھ بھی شامل تھا غیر آئینی کہلاتے تھے آئینی صوبوں کی حکومت میں تو وہ قوانین جاری تھے جو قوانین منشور کے مطابق وضع کئے گئے تھے لیکن جن اضلاع کو برطانوی حکومت میں آئے تھوڑا زمانہ گزرا تھا اور جنہوں نے مقابلتہً کم ترقی کی تھی اُن کے واسطے ایک مختلف قسم کی حکومت ضروری معلوم ہوئی۔ غیر آئینی صوبوں میں زیادہ سادہ قوانین کے مطابق حکومت ہوتی تھی۔ ان قوانین کا حقیقی منشا تو وہی تھا جو آئینی صوبوں کے قانون کا ہے۔ لیکن خاص خاص حالات کے لحاظ سے اس میں کچھ

ضروری ترمیم کر دی جاتی تھی - فی الجملہ یہ طریق بہت اچھا رہا۔ باب ۴
اور بہت سی صورتوں میں غیر آئینی حکومت آئینی حکومت سے
زیادہ درست ثابت ہوئی - اب صوبوں کا یہ فرق تقریباً مٹ
چکا ہے - تاہم نظام حکومت کے معاملات میں چند فرق ابتک
بر قرار ہیں - ضلع کا اعلیٰ انتظامی حاکم جو آئینی صوبوں میں
کلکٹر کہلاتا ہے، غیر آئینی صوبوں میں اس کو ڈپٹی کمشنر کہتے
ہیں - اور بعض عہدے جو آئینی صوبوں میں صرف ہندوستانی
سول سروس والوں کے واسطے مخصوص ہیں غیر آئینی صوبوںمیں
اُن پر فوجی افسر اور نیز دیگر موزوں لوگ بھی مقرر ہو سکتے
ہیں - اکثر غیر آئینی صوبوں میں یہ طریق ترک ہوتا جاتا ہے -
اور خاص غیر آئینی صوبوں میں صرف برما ایسا مقام ہے
جہاں ابتک حکام ضلع بیشتر فوجی افسر ہوتے ہیں - غیر آئینی
صوبوں میں حاکم ضلع کو عدالتی اختیارات بھی مقابلتہً زیادہ
حاصل ہیں -

مدراس اور بمبئی - مدراس اور بمبئی کے احاطوں کو اس وجہ سے پریزیڈنسی
کہتے ہیں کہ پہلے زمانہ میں ان پر پریزیڈنٹ باجلاس کونسل
حکومت کرتے تھے اور وہ بنگال کے ماتحت نہیں بلکہ خودمختار
تھے - ۱۸۳۹ء میں کچھ برطانوی رسالوں نے عدن پر قبضہ کرلیا
اور اب وہ بمبئی کی حکومت کے تحت میں ہے - چار سال
بعد سر چارلس نیپیئر نے سندھ فتح کیا اور چند سال بعد وہ بھی
احاطہ بمبئی میں شامل ہوگیا - مدراس اور بمبئی ایک ایک گورنر

باب ۴ باجلاس کونسل کے ماتحت ہیں ۔گورنر بالعموم کوئی نہ کوئی عالی مرتبہ اور تجربہ کار شخص ہوتا ہے ۔خود بادشاہ بہ سفارش وزیر ہند اسکو انگلستان سے لیکر مقرر کرتا ہے ۔اُس کی مدد کے واسطے ایک کونسل مقرر ہے جس کے ممبروں کا تقرر بھی بادشاہ کی طرف سے بہ سفارش وزیر ہند عمل میں آتا ہے ۔ ۱۸۳۳ء میں تین ممبر شریک کونسل تھے لیکن بعد کو تخفیف ہوکر صرف دو رہ گئے ۱۸۹۳ء تک مدراس اور بمبئی کے سپہ سالار اپنے اپنے احاطے کی کونسل کے غیر معمولی ممبر شمار ہوتے تھے ۔لیکن جب سے فوجی انتظامات کی تبدیلیوں کے سلسلہ میں یہ دونوں عہدے ٹوٹے اس قاعدہ کا بھی خاتمہ ہوگیا ۔ ۱۹۰۹ء کے قانون مجالس کی رو سے زیادہ ممبر شریک کونسل کرنے کا اختیار مل گیا ۔ جن میں سے کم از کم دو ممبر ایسے ہونے ضروری ہیں کہ جنہوں نے قبل تقرر بارہ سال یا اس سے زیادہ عرصہ تک ہندوستان میں امپیریل یا شاہی ملازمت کی ہو ۔ آجکل دونوں احاطونکی کونسلوں میں علاوہ گورنروں کے تین تین ممبر شریک ہیں جن میں سے دونو یہاں کی سول سروس میں رہ چکے ہیں اور تیسرا ہندوستانی ہے ۔ گورنروں کو بعض بعض معاملات میں براہ راست وزیر ہند سے خط وکتابت کرنے کا اختیار حاصل ہے ۔گورنر جنرل کی مانند وہ بھی اپنی انتظامی کونسل کے فیصلے منسوخ کرسکتے ہیں ۔ کار و بار حکومت کے متعلق وہ جو قواعد مناسب اور ضروری سمجھیں جاری کرسکتے

ہیں۔ نیز بعض ایسے عہدوں کے تقررات بھی اُن کے ہاتھ باب (۴)
ہیں جو دیگر صوبوں میں گورنر جنرل کی طرف سے عمل میں
آتے ہیں۔ مثلاً ناظم جنگلات۔ مدراس میں بورڈ مالگزاری
کے ممبر بھی گورنر کی طرف سے مقرر ہوتے ہیں۔ دونوں
احاطوں کی کونسلوں میں مختلف صیغے ممبروں کے سپرد
اور ہر ایک اپنے صیغوں کے کام کا ذمہ دار ہے
صرف اہم معاملات کونسل میں پیش ہوتے ہیں۔

حکومت بنگال کی سرگزشت کسی قدر پیچیدہ اور تشریح بنگال
طلب ہے جغرافی لحاظ سے تو بنگال میں صرف گنگا اور
برہم پتر کے مثلثی دہانے شامل ہیں۔ جہاں کے باشندے
بنگلہ بولتے ہیں لیکن سیاسی حیثیت سے اس کا رقبہ کہیں
زیادہ وسیع ہے۔ در اصل تو بنگال کی حکومت اُن
کارخانوں اور بستیوں تک محدود تھی جو کلکتہ کے ارد
گرد پھیلی ہوئی تھیں۔ جب مغل بادشاہ کی طرف سے
ایسٹ انڈیا کمپنی کو دیوانی تفویض ہوئی تو قریب کے
صوبے بہار اور اوڑلیہ بھی احاطہ بنگال میں داخل ہوگئے
اور بعد کو شمالی مغربی ہندوستان میں جو جو برطانوی
فتوحات ہوئیں اُسی احاطہ میں شامل ہوتی رہیں۔
قانون تنظیم کی رو سے گورنر بنگال گورنر جنرل بنگال کہلانے
لگا اور اس کو دوسرے صوبوں پر نگرانی رکھنے کا اختیار
بھی حاصل ہو گیا۔ جوں جوں زمانہ گزرتا گیا اور مسلسل

باب (۴) فتوحات کی شرکت سے احاطہ بنگال کے حدود پہلے گورنر جنرل کے فرائض اور ذمہ داریاں حد سے بڑھ گئیں ۔ بھلا یہ کسطرح ممکن تھا کہ وہ اتنے بڑے صوبے پر حکومت کرے اور ساتھ ہی کل برطانوی ہندوستان کے اہم معاملات کا نگراں بنا رہے ۔ سب سے اول ۱۸۳۳ء میں تقسیم بنگال کا مسئلہ چھڑا ۔ اول یہ قرار پایا کہ صوبہ آگرہ کے واسطے ایک جدا گورنر باجلاس کونسل مقرر ہو، لیکن اس تقرر کی کبھی نوبت نہ آئی ۔ البتہ چند ہی روز بعد آگرہ ایک لفٹنٹ گورنر کے تحت میں آگیا ۔ ۱۸۷۷ء میں اودھ بھی آگرے میں شامل ہوگیا اور کل کا نام شمال و مغربی صوبہ قرار پایا ۔ جب شمال و مغرب میں برطانوی سلطنت اور آگے بڑھی تو اس صوبہ کا نام بدلکر صوبہ متحدہ آگرہ و اودھ رکھ دیا ۔ سکھوں کی پہلی جنگ کے بعد ۱۸۴۶ء میں پنجاب کا مشرقی حصہ برطانوی سلطنت میں شریک ہوگیا اور تین ہی سال بعد مغربی حصہ بھی ۔ ۱۸۵۹ء میں دہلی اور اس کے گرد و نواح کو شمال و مغربی صوبہ سے نکالکر پنجاب میں شامل کردیا ۔ اور صوبہ پنجاب کا ایک جدا لفٹنٹ گورنر مقرر ہوگیا ۔ حال میں پنجاب کی سرحد میں کچھ اور بھی تبدیلیاں ہوئیں ہیں ۔ کچھ اضلاع علیحدہ ہوکر ۱۹۰۱ء میں ایک نیا شمالی مغربی سرحدی صوبہ بن گیا ۔ دارالسلطنت منتقل ہونے کی وجہ سے دہلی اور اس کا گرد و نواح

ایک چیف کمشنر کے تحت میں آگیا ۔ اسی دوران میں بنگال باب ۴
میں بہت کچھ ردو بدل ہو گیا ۔ ۱۸۵۴ء میں بنگال کا گورنر جنرل
حکومت بنگال کی راست ذمہ داری سے سبکدوش ہو گیا ۔
اور اس صوبہ کے واسطے ایک جدا لفٹنٹ گورنر مقرر ہوا۔
۱۹۰۵ء میں پھر تقسیم کی ضرورت محسوس ہوئی تو آسام
میں بنگال کا ایک معتد بہ حصہ شامل کرکے مشرقی بنگال
و آسام کا ایک نیا صوبہ بنایا گیا جس پر ایک لفٹنٹ گورنر
مقرر ہوا ۔ یہ جدید انتظام صوبہائے متعلقہ کے بہت سے
باشندوں کو ناگوار گزرا ۔ لہذا ۱۹۱۱ء میں جبکہ دارالسلطنت
کلکتہ سے دہلی کو منتقل ہوا تو شاہ معظم کی طرف سے
اعلان ہوا کہ سابق تقسیم پر نظر ثانی ہونے کے بعد بنگال
نئے طور سے تقسیم ہوگا ۔ چنانچہ حسب فرمان شاہی آسام تو
پھر ایک چیف کمشنری بن گیا ۔ صوبہ بہار و اوڑیسہ ملکر
ایک لفٹنٹ گورنر کے تحت میں آگیا اور قدیم صوبہ بنگال
کا باقی حصہ ایک گورنر باجلاس کونسل کے ماتحت رہا
جس کو مدراس اور بمبئی کے گورنروں کی طرح بہت سے
خاص اختیارات تفویض ہوئے ۔

اب لفٹنٹ گورنر چار ہیں ۔ صوبہ متحدہ میں، پنجاب لفٹنٹ گورنر
میں، برما میں اور صوبہ بہار و اوڑیسہ میں ۔ لفٹنٹ
گورنروں کو گورنر جنرل باجلاس کونسل بہ منظوری بادشاہ
مقرر کرتا ہے ۔ از روے قانون تقرر کے وقت دس سال

باب ۴

یا اس سے زیادہ عرصہ تک ہندوستان کی شاہی ملازمت میں رہ چکنا لازمی ہے۔ لفٹنٹ گورنر بالعموم ہندوستانی سول سروس سے لئے جاتے ہیں ۱۹۰۹ء میں جو قانون مجالس اول مرتبہ پارلیمنٹ میں پیش ہوا تو اس میں گورنر جنرل باجلاس کونسل کو یہ اختیار دیا گیا تھا کہ بہ رضامندی وزیر ہند وہ ان صوبوں میں انتظامی کونسل مقرر کرنے کے قواعد بنائے جو لفٹنٹ گورنروں کے تحت میں ہوں۔ دیوان خاص میں تو یہ دفعہ مسودہ قانون سے بالکل خارج کردی گئی، لیکن بعد کو ہر دو فریق یعنی دیوان خاص و دیوان عام کے باہمی صلاح مشورہ سے ایک سمجھوتا ہو گیا جس کے بموجب گورنر جنرل کو یہ اختیار تو مل گیا کہ بنگال کے واسطے وہ ایک انتظامی کونسل بنالے لیکن دوسرے صوبوں کے معاملہ میں یہ قرار پایا کہ انتظامی کونسل مقرر کرنے کے قواعد کا مسودہ کم از کم ساٹھ روز کے واسطے پارلیمنٹ کے دونوں دیوانوں کے ایک ہی اجلاس میں پیش کیا جائے اور دیوان خاص و دیوان عام میں سے جو بھی چاہے ممبروں کی کثرت کی طرف سے ایڈریس یا عرضداشت پیش کرکے ان قواعد کا نفاذ روک سکتا ہے۔ بنگال میں تو انتظامی کونسل قائم بھی ہوچکی اور وہاں کے سب سے پہلے گورنر کارمائیکل اس کے صدر بنے ۱۹۱۲ء میں ایسی ہی کونسل بہار و اوڑیسہ میں قائم ہونی تجویز ہوئی۔ اور

حکومت ہند نے یہ مناسب سمجھا کہ ایک خاص قانون پارلیمنٹ باب۔۴
میں پاس کرا کر تقرر عمل میں لائے۔ صوبہ متحدہ میں انتظامی
کونسل مقرر کرنے کی تجویز ابھی حال میں دیوان خاص نے
رد کردی۔

ہر لفٹنٹ گورنری قائم ہونے کے واسطے پارلیمنٹ میں قانون چیف کمشنر
پاس ہونا ضرور ہے۔ پس یہ کسی طرح ممکن نہیں کہ پارلیمنٹ کے
توسل بغیر کوئی ایسا صوبہ بن جائے۔ لیکن جو حصہ چیف کمشنر
کے تحت میں ہو اس کی حالت جداگانہ ہے۔ بات یہ ہے کہ
چیف کمشنر خود گورنر جنرل کے ہاں سے مقرر ہوتا ہے اور گورنر
جنرل باجلاس کونسل کی طرف سے حکومت کا کام سرانجام دیتا
ہے۔ لیکن ساتھ ہی اُس کو انتظامی اختیارات بھی بہت کچھ حاصل
ہیں، بلکہ بعض بعض لحاظ سے لفٹنٹ گورنر کے برابر ہیں۔ سنہ ۱۸۶۱ء
میں صوبہ متوسط میں ایک چیف کمشنر مقرر ہوا۔ اور سنہ ۱۹۰۳ء میں
برار بھی سرکار نظام سے مدامی پٹہ پر لیکر اس کے تحت میں
دیدیا جیسا کہ اس سے قبل بیان ہوچکا ہے آسام بھی ایک چیف
کمشنری ہے۔ شمال مغربی سرحدی صوبہ بھی چیف کمشنر کے تحت
میں ہے جو سرحدی جرگوں کے معاملات میں بحیثیت ایجنٹ
بھی گورنر جنرل کو مدد دیتا ہے۔ برطانوی بلوچستان اور اجمیر مارواڑ
بھی گورنر جنرل کے ایجنٹوں کے تحت میں ہے۔ جن کو علی الترتیب
ایجنٹ بلوچستان اور ایجنٹ راجپوتانہ کہتے ہیں۔ کورگ میں میسور
کا رزیڈنٹ حکومت کرتا ہے۔ پورٹ بلیر میں جو جرائم پیشہ آبادی

باب۔۱ ہے اس کا سپرنٹنڈنٹ یا ناظم جزائر انڈمان کی بھی دیکھ بھال رکھتا ہے۔

صوبہ وار معتمدیاں

پس ہر صوبہ میں جداگانہ مقامی حکومت قائم ہے۔ ہر صوبہ کے صدر مقام پر سرکاری دفاتر موجود ہیں جن کو بالعموم معتمدی کہتے ہیں۔حکومت کا کام چند محکموں میں منقسم ہے۔ ہر محکمہ کا اعلیٰ عہدہ دار معتمد کہلاتا ہے۔ یا تو کسی ممبر کونسل کو ایسی جوابدہی کرنی ہوتی ہے یا اگر ممبر نہ ہوں تو صوبہ کے سب سے اعلیٰ حاکم کو۔حکومت کے معتمد اور نائب معتمد ہندوستانی سول سروس سے لئے جاتے ہیں۔لیکن تعمیرات کے معتمد ہر صوبہ میں چیف انجنیر ہوتے ہیں۔معتمد کے عہدہ کی میعاد بالعموم تین سال ہوتی ہے کیونکہ یہ مناسب نہیں معلوم ہوتا کہ کوئی سول عہدہ دار اضلاع کے بجائے اپنا کل وقت صدر مقام پر صرف کرے اور نیز یہ بھی اغلب ہے کہ عہدہ کی میعاد ختم ہونیکے بعد وہ کسی اعلیٰ عہدہ پر ترقی پا جاتا ہے۔ ہر محکمہ میں ایک مددگار معتمد بھی ہوتا ہے جو محکمہ کا مستقل ملازم ہوتا ہے۔اور سول سروس سے تعلق نہیں رکھتا۔معتمدوں کے بعد ماتحت خدمات اور کلرکی کے عملے ہوتے ہیں اور اُنکا دفاتر معتمدی سے مستقل تعلق رہتا ہے۔

پانچواں باب

حکومت اضلاع

حکام ضلع

ہندوستان میں حکومت برطانیہ کے پشتیبان حاکم ضلع ہیں۔ جن کو آئینی صوبوں میں کلکٹر اور غیر آئینی میں ڈپٹی کمشنر کہتے ہیں۔ ملک کے مختلف حلقوں میں اضلاع کی وسعت بھی مختلف ہے۔ لیکن ضلع کا متوسط رقبہ کوئی پانچ ہزار مربع میل ہے۔جس کی آبادی دس لاکھ کے قریب ہوتی ہے ۔آئینی صوبوں میں تو حاکم ضلع بالعموم ہندوستانی سول سروس کے رکن ہوتے ہیں ۔ لیکن غیر آئینی صوبوں میں اب بھی کچھ فوجی اور دیگر عہدہ دار اس خدمت پر مامور ہیں ۔ اور کچھ حاکم ضلع ایسے بھی ہیں جو صوبہ داری خدمات سے مندرجہ عہدوں پر پہنچ گئے ہیں۔یہ کہنا بجا اور درست ہے کہ کل ضلع کی حالت بہت کچھ حاکم ضلع کے زور یا کمزوری کے مطابق ہوتی ہے ۔ حاکم ضلع کے ماتحت اول اسسٹنٹ کلکٹر ہیں جو ہندوستانی سول سروس کے زمرہ سے ہوتے ہیں۔ بعدہٗ ڈپٹی کلکٹر جو صوبہ داری خدمات کے رکن

باب ۵

ہوتے ہیں اور اُن کے ماتحت خدمات کے عہدہ دار جن کو بعض صوبوں میں تحصیلدار اور بعض میں معاملتدار کہتے ہیں۔ان کی حکومت میں ایک ایک تحصیل یا تعلقہ رہتا ہے جس میں بہت سے دیہات شامل ہوتے ہیں۔ان حاکموں کے فرائض بھی چھوٹے پیمانہ پر بہت کچھ وہی ہیں جو حاکم ضلع کے ہوتے ہیں اور انہیں کے وہ جوابدہ بھی ہیں۔بعض حالتوں میں ان کا انتخاب کمشنروں کی طرف سے ہوتا ہے اور کبھی مجلس مالگذاری کی طرف سے۔وہ اکثر کارگزار اور تربیت یافتہ لوگ ہوتے ہیں۔ ان کا سابقہ دیہاتی عہدہ داروں سے بھی رہتا ہے۔

دیہاتی برادریاں

ہندوستان میں بہت قدیم زمانہ سے دیہاتی برادریاں چلی آتی ہیں اور اب بھی ملک کے تمدن اور معاشرت میں ان کا اچھا خاصا دخل ہے۔شمالی ہند میں تو دیہات بالعموم زمینداروں کی ملک ہیں۔لیکن ملک کے دوسرے حصوں میں اکثر زمین خود کاشت ہوتی ہے اور کچھ کچھ قطعات سب کے مویشیوں کے لئے بطور چراگاہ چھوڑ دئے جاتے ہیں۔پیشوا سے جو مقامات لئے گئے اُن کی کیفیت کے سلسلہ میں الفنسٹن صاحب نے ایک مرہٹہ گاؤں کا حال اس طرح بیان کیا ہے۔

جس نقطۂ نظر سے بھی ہم دکن میں دیسی حکومت کو دیکھیں سب سے پہلی اور اہم خصوصیت یہ ہے کہ جو لوگ دیہات اور قصبات میں رہتے ہیں اُن کی برادریاں ہیں۔ جن میں سے ہر ایک میں سلطنت کے کل لوازمات چھوٹے

چھوٹے پیمانہ پر موجود ہیں، حتیٰ کہ حکومت اُٹھ جائے تب بھی یہ باب۔۵
برادریاں بخوبی اپنی حفاظت آپ کرسکتی ہیں۔ اگرچہ دیسی برادریاں
کسی عمدہ حکومت کے مناسب حال نہیں تاہم بری حکومت کی
کوتاہیوں کا اچھا علاج ہیں۔ حکومت کی غفلت اور کمزوری کے
برے اثرات سے بچاتی ہیں بلکہ اسکے ظلم اور دست برد کو
روکتی ہیں۔

کل دیہات میں کچھ عہدہ دار رہتے ہیں جن کے فرائض اور دیہاتی
کام تمام ملک میں تقریباً یکساں ہیں۔ گاؤں کا مقدم جسکو عہدہ دار
پٹیل کہتے ہیں مالگزاری وصول کرتا ہے۔ بعض صوبوں میں اس
کو امن وامان قائم رکھنے کا بھی اختیار ہے۔ محاسب جس کے
پاس گاؤں کا دفتر رہتا ہے۔ شمالی ہند میں پٹواری اور مغربی
ہند میں کلکرنی کہلاتا ہے۔ ایک چوکیدار رہتا ہے جس کا کام
مختلف صوبوں میں مختلف ہے۔ لیکن بیشتر وہ ایک پولیس
والا ہے جو اپنے اعلیٰ حاکموں کو مشتبہ لوگوں کے حرکات
و سکنات سے مطلع کرتا رہتا ہے۔

مدراس کے سوا اور سب صوبوں میں کمشنریاں بھی ہیں کمشنر اور
جن پر کمشنر مامور ہیں۔ کلکٹروں اور صدر مقام کے عملہ کے کمشنریاں
مابین یہ بچولیو نکی حیثیت رکھتے ہیں۔ ان کو عدالتی اختیارات
تو کچھ بھی حاصل نہیں البتہ مالگزاری کی تحصیل اور زمین کے
معاملات سے ان کا خاص تعلق ہے اور معمولی انتظامی معاملات
میں اُن کو اپنی کمشنری کے کلکٹروں کے کام کی نگرانی کا اختیار

باب ۔ ۵

حاصل ہے ۔ لیکن سندھ میں کمشنر کی حیثیت ایک خاص قسم کی ہے ۔ یوں سمجھنا چاہیئے کہ ایک اعلیٰ مقامی حکومت کے تحت میں ایک مقامی حکومت قائم ہے ۔ مطلب یہ ہے کہ حکومت بمبئی نے اپنے کچھ انتظامی اختیارات حکومت سندھ کو تفویض کر دئے ہیں ۔ اس لحاظ سے سندھ کے کمشنر کی حیثیت احاطے کے دوسرے کمشنروں سے بڑھی ہوئی ہے ۔

حاکم ضلع

اگرچہ حاکم ضلع مرکزی حکومت کا قائم مقام ہوتا ہے اور اُس کے احکام کا پابند ہے ۔ اس کو بہت سے معاملات میں اپنے مجوزانہ اختیار سے کام لینا پڑتا ہے ۔ صدر مقام کے حکام کے واسطے ایسے معاملات طے کرنے دشوار ہیں جن میں ذاتی معلومات کی ضرورت ہو ۔ پس اُن کا انصرام بجا طور سے حاکم ضلع کے ذمہ چھوڑ دیا جاتا ہے ۔ اس کے فرائض گونا گوں ہیں جیسا کہ خود عہدہ کے نام یعنی کلکٹر کے لفظ سے واضح ہوتا ہے ۔ ضلع میں وہ خاص حاکم مالگزاری ہے ۔ مالگزاری اور دیگر محاصل تحصیل کا وہی ذمہ دار ہے ۔ اور زمینوں کے سیاہے اور دوسرے رجسٹر بھی اسی کی زیر نگرانی مکمل حالت میں رہتے ہیں ۔ وہ مجسٹریٹ یعنی ناظم فوجداری بھی ہے اور ضلع میں تعزیری قانون کا فوری اور کارگر عملدرآمد اُسی کے حکم سے ہوتا ہے ۔ البتہ اس کے فوجداری کے فیصلوں کا مرافعہ ہوسکتا ہے ۔ رفاہ عام کے اور بھی محکمے اس کے سپرد ہوتے ہیں ۔ اس کے صدر مقام میں دوسرے محکموں کے اعلیٰ حاکم بھی رہتے ہیں مثلاً سپرنٹنڈنٹ

پولیس یعنی مہتمم کوتوالی، اگزیکیٹیو انجنیر اور سول سرجن اور بعض اضلاع میں انسپکٹر یا مہتمم مدارس اور مہتمم جنگلات ان عہدہ داروں کو اپنے اپنے اعلیٰ حاکموں کے حکم احکام صدر مقام سے پہنچتے رہتے ہیں۔ لیکن کل اہم معاملات حاکم ضلع کے سامنے پیش ہوتے ہیں، جس کو اپنے ضلع کے اندر ہر قسم کے کام کی نگرانی کرنے کا اختیار حاصل ہے۔ سر ولیم ہنٹر نے حاکم ضلع کے فرائض اور کام یوں بیان کئے ہیں۔

اول تو وہ ایک مالی حاکم ہے جس کو زمین اور دیگر ذرائع سے محاصل وصول کرنا پڑتا ہے۔ نیز وہ مال اور فوجداری کا جج ہے، ابتدائی اور نیز مرافعہ کے مقدمات میں۔ لیکن اس عہدہ کے نام سے اس کے کل کام ظاہر نہیں ہوتے۔ اپنے چھوٹے سے مقامی حلقے میں اس کو وہ تمام کام سرانجام دینے ہوتے ہیں جو انگلستان میں وزیر داخلیہ کے سپرد ہیں، بلکہ اس سے بھی بہت زیادہ۔ کیونکہ وہ ایک شفیق حکومت کا رکن ہے نہ کہ کسی دستوری حکومت کا۔ کوتوالی، محبس، تعلیمات میونسپلٹی یا بلدیات، سڑکیں، صفائی، دواخانے، مقامی محصول اور سرکاری مالگزاری ان سب سے اس کو روز سابقہ پڑتا ہے۔ نیز اُس سے یہ بھی توقع کی جاتی ہے کہ ہندوستانی لوگوں کی معاشرت کے ہر شعبہ سے واقف ہو اور ملک کے قدرتی حالات بھی اچھی طرح جانتا ہو۔ اس کے واسطے ضروری ہے کہ خود قانون داں ہو، محاسب ہو، معاملات مال سے ماہر ہو اور سلطنت کے

باب ۵ مراسلات لکھنے کی بھی پوری مہارت رکھتا ہو، اور اس کی معلومات زراعت، معاشیات اور انجنیری کے متعلق اچھی خاصی ہونی چاہئے۔

دورے حاکم ضلع موسم گرما میں تو صدر مقام پر رہتا ہے اور جاڑوں میں اپنے ضلع کے اندر دورہ کرتا ہے۔ یہ دورے بہت اہم اور مفید خیال کئے جاتے ہیں۔ ہندوستان جیسے ملک میں ذاتی اثر کو حکومت کی کامیابی اور ناکامی میں بہت بڑا دخل ہے۔ بادشاہوں کے حضور میں عرضیاں پیش کرنے اور ذاتی ضروریات اور بے امنی کے اسباب سے ان کو مطلع کرنے کا رواج یہاں کے لوگوں میں مدت سے چلا آتا تھا۔ ذی اختیار حاکموں کو بالخصوص جبکہ وہ غیر قوم کے فرد ہوں ذاتی طور پر لوگوں کی ضروریات اور ان کی طرز زندگی کے حالات جاننا ضرور ہے۔ علاوہ بریں حکومت کا بہت سا کام ماتحت حکام کے سپرد ہے اور ان کے کام کی بھی نگرانی ہونی چاہئے۔ حسابات کی جانچ پرتال کرنی ضرور ہے۔ اور معمولی کاموں میں جو غلطیاں یا تاخیر ہوتی ہے اُس کی بابت جواب طلب ہوتا ہے۔ یہ سب کام جب ہی ٹھیک طور پر سرانجام پاسکتے ہیں جبکہ حاکم ضلع یا اس کا نائب موسم سرما میں ضلع میں دورہ کرے۔

حاکم ضلع کے کام کی تفصیل یہاں تو غیر ضروری ہے لیکن آگے چلکر جابجا اس کا ذکر آئیگا اور آئندہ بابوں میں اُسکے کام کے مختلف پہلو بالتفصیل پیش ہوں گے۔ مالگزاری کی فراہمی

کا حال مال کے باب میں بیان ہوگا۔ مقامی حکومت اور عدالتوں کی تفصیل محکمہ عدالت کے باب میں درج ہے۔ رہے دوسرے محکمے مثلاً تعلیمات۔ تعمیرات۔ طبابت اور صفائی، پولیس اور محبس، ان کا حال جداگانہ بابوں میں مذکور ہے۔ حکومت ہند میں حاکم ضلع کی خدمات جو اہمیت رکھتی ہیں اس کا واضح کرنا ابھی باقی ہے۔ باب۔۵

حاکم ضلع کی ذمہ داریاں

عام لوگوں کی دلچسپی اور بہبودی کے بھی کچھ کام حاکم ضلع سے متعلق رہتے ہیں۔ جن کا سرسری بیان ضروری معلوم ہوتا ہے۔ اوپر کے بیان سے شاید یہ گمان ہو کہ حاکم ضلع ایک غیر ذمہ دار حاکم ہے۔ لیکن یہ خیال حقیقت سے بہت بعید ہے۔ بیکن کا اپنے زمانے کے ججوں کے متعلق یہ مقولہ تھا کہ وہ شیر ہوں لیکن ایسے شیر جو تخت کے نیچے دبے ہوں۔ اور یہی مقولہ کسی حد تک حاکمان ضلع پر بھی صادق آتا ہے۔ اس کو بہت کچھ اختیارات حاصل ہیں۔ لیکن اُس کے اختیارات اُن قواعد کے اندر محدود ہیں جو سرکار نے اس کی ہدایت کے واسطے مقرر کردئے ہیں۔ سرکار کیطرف سے اس قسم کی کتابیں یا ہدایت نامے لکھوائے گئے ہیں جن میں نہایت واضح اور مختصر طور پر وہ تمام شرائط درج ہوتی ہیں جن کو کام کرتے وقت پیش نظر رکھنا ضروری ہے۔ حاکم ضلع کو ہر سال اپنے ضلع کی حکومت کے متعلق ایک کیفیت اعلیٰ حاکم کے ہاں پیش کرنی پڑتی ہے۔ یہی نہیں کہ ان

باب-۵

کیفیتوں میں اعداد و شمار کے خشک بیانات درج ہوں بلکہ حاکم ضلع سے توقع کی جاتی ہے کہ ضلع کے عام حالات پر رائے زنی کرے۔ بہبودی عامہ کے واسطے جو تجاویز ضروری اور مفید سمجھے پیش کرے۔ کمشنر بھی اپنی رائے دیتا ہے کیونکہ اسی کے واسطہ سے تو حاکم ضلع اور سرکار کے مابین خط و کتابت ہوتی ہے۔ عام رائے جس کی نوعیت اگلے باب میں بیان ہوگی بلدیات مجالس مقامی کے ذریعہ سے ظاہر ہوسکتی ہے۔

عدالتی اور انتظامی اختیارات کی علحدگی

یہ بھی واضح ہوا کہ ایک حد تک حاکم ضلع کو عدالتی اور انتظامی دونوں قسم کے اختیارات حاصل ہیں معمولی کار و بار حکومت کے علاوہ اس کو قانون و انصاف کے نفاذ سے بھی سروکار رہتا ہے۔ دیوانی ملنے کے تھوڑے ہی عرصہ بعد ہیسٹنگس نے عدالتی اختیارات بھی انتظامی حکام یعنی کلکٹروں کے سپرد کردیئے اور وہی طریق ابتک جاری ہے۔ کچھ کچھ ترمیم البتہ ضرور ہوچکی ہے حکومت ہند کے نکتہ چیں عدالتی اور انتظامی اختیارات علحدہ کرنے پر بہت زور دیتے ہیں اور ان کا اصرار ہے کہ جبتک ان اختیارات میں علحدگی نہ ہو انصاف نہیں ہو سکتا۔ موجودہ طریق بیشک ایسا عمدہ تو نہیں جیسا کہ ہونا چاہئے، لیکن یہ ضرور ہے کہ ہندوستان جیسے ملک کے لئے یہی سب سے بہتر ہے۔ اول تو دیوانی عدالتیں محکمۂ عدالت کے تحت میں ہیں اور ہر ضلع میں ایک ڈسٹرکٹ جج رہتا ہے۔ دوسرے کلکٹر بحیثیت ناظم فوجداری کوئی مختار کل

نہین - بلکہ اس کی عدالت فوجداری میں جو کچھ کام ہوتا ہے، بلب-ہ
ڈسٹرکٹ جج اور ہائی کورٹ کو اس کی نگرانی کا اختیار حاصل
ہے اور کلکٹر کے کام اس قدر گوناگوں ہیں کہ وہ عدالتوں
میں زیادہ وقت صرف کر بھی نہیں سکتا - لوگوں کی حالت
اور ملک کے رسم و رواج سے واقف ہونا فوری اور کارگر طور
پر قانون و انصاف برتنے کے واسطے لازمی ہے - اور یہ
اوصاف حاکم ضلع اور اس کے ماتحتوں میں موجود ہونے ضروری
ہیں - سر ہنری لارنس کا قول ہے کہ ہندوستانی لوگ بھی جیسا
کہ دنیا کی تمام قوموں کا قاعدہ ہے قانون پر انصاف کو ترجیح
دیتے ہیں - جلد اور پورے طور پر انصاف ہونے کی سخت ضرورت
رہتی ہے اور یہ مقصد اس وقت خوب حاصل ہوتا ہے جبکہ مقدمہ
کی تحقیقات خود حاکم ضلع کے ہاتھ میں ہو بمقابل اس کے کہ
وکلا مقدمہ میں طرح طرح کی قانونی باریکیاں اور پیچیدگیاں پیدا
کریں جو یہاں کے لوگوں کے مناسب حال نہ ہوں - کفایت
شعاری کو بھی موجودہ طریق میں کچھ دخل ہے - اگر عہدے بڑھا دئے
گئے تو سرکاری آمدنی پر جو اہل ملک سے وصول ہوتی ہے خرچ
کا بہت بار پڑ جائےگا - تاہم یہ ایک نہایت دشوار سوال ہے کہ
عدالتی اور انتظامی اختیارات بطریق موجودہ یکجا رہیں یا جدا
کردئے جائیں، اور سرکار کی طرف سے اس پر وقتاً فوقتاً بہت
غور ہوتا رہتا ہے -

چھٹا باب

بلدیات اور مجالس مقامی

پریزیڈنسی شہروں کی بلدیات

ہندوستان میں حکومت بلدیہ اور مقامی خود اختیاری حکومت کے طریق نے حال ہی میں رواج پایا ہے اس کی ترقی کی رفتار بھی سست رہی اور بہت سی دشواریاں اور مایوسیاں پیش آتی رہی ہیں۔ سب سے اول مدراس میں ۱۶۸۷ء میں ایک مجلس انتظامی اور حاکم بلدیہ کی عدالت قائم ہوئی، اور کچھ روز بعد کلکتہ اور بمبئی میں بھی اول اول مجلس انتظامی کا کام بہت کچھ عدالتی قسم کا تھا۔ لیکن رفتہ رفتہ حکومت کے اور کام بھی اس کے سپرد ہوگئے حتی کہ اس کو حدود بلدہ کے اندر اندر محصول وصول کرنے کا اختیار مل گیا حال میں انتخابی عنصر بھی شامل کردیا گیا۔ لیکن ہر بلدیہ میں اس کی مقدار مختلف ہے۔ کلکتہ کی بلدیہ میں ایک نامزد شدہ صدر ہوتا تھا اور پچھتر مشیر یا رکن جن میں سے دو تہائی منتخب کئے جاتے تھے تجربہ سے معلوم ہوا کہ گو چند قسم کی ترقیاں

عمل میں آئیں تاہم شہر میں صفائی کی حالت نہایت ابتر تھی باب-۶
اور بڑی تبدیلیوں کی ضرورت محسوس ہوئی۔ پس ایک نیا
دستور مرتب ہوا جس کی روسے ارا کین کی تعداد گھٹ کر
صرف پچاس رہ گئی جن میں سے نصف منتخب ہوتے تھے
اور باقی سرکار اور عام جماعتوں کی طرف سے نامزد کئے جاتے
تھے اور نیز صدر جو کہ خاص انتظامی حاکم ہے سرکار کی طرف
سے نامزد ہوتا تھا۔ مدراس میں صرف آٹھ رکن اور ایک صدر
تو سرکار نامزد کرتی ہے اور باقی رکن محصول دہندوں اور
عام جماعتوں کی طرف سے منتخب ہوتے ہیں۔ بمبئی کی بلدیہ کا
زمانہ بہت خوشحالی میں بسر ہوتا رہا ہے۔ بحیثیت مجموعی شہر کے
کام کارگزارانہ اعتدال کے ساتھ سرانجام پاتے ہیں۔ اور عام
ذمہ داریوں کا جس قدر لحاظ رکھا گیا ہے وہ ضرور قابل تعریف
ہے۔ اس میں بہتر رکن شریک ہیں جن میں سے صرف سولہ کو
سرکار نامزد کرتی ہے اور باقی رکن محصول دہندوں "جسٹیز آفدی
پیس" یونیورسٹی کے فیلوں یا رفیقوں اور ایوان تجارت کیطرف
سے منتخب ہوتے ہیں۔ صدر کو خود رکن منتخب کرتے ہیں اور
اسی کے زیر صدارت کونسل کے اجلاس ہوتے ہیں لیکن اعلیٰ
انتظامی حاکم میونسپل کمشنر ہے جو سرکار کی طرف سے نامزد ہوتا
ہے اور آجکل کا کمشنر ہندوستانی سول سروس کا رکن بھی ہے۔

ان بلدیات کی ذمہ داریاں کچھ کم نہیں۔ مدارس، روشنی، بلدیہ کی
آبرسانی، صفائی، راستوں کی درستی، یہ سب کام بلدیہ کے سپرد ہے۔ آمدنی وخرچ

باب ۶ بمبئی میں بہ ماتحتی کمشنر چند مستقل اعلیٰ حاکم محکمہ دار مامور ہیں مثلاً اکزیکیوٹیو انجنیر، انجنیر آبرسانی، معتمد بلدیہ بازرات، اجازت نامہ جات اور باغات کے مہتمم، وکٹوریا، اور البرٹ عجائب خانوں کے مہتمم پندھارے یا اطفائیہ کا افسر، داروغہ گودام، یہ سب عہدہ دار اپنے اپنے محکمہ کا انتظام کرتے ہیں۔ علاوہ ازیں بلدیہ کی طرف سے اس کی مالی حالت کی عام نگرانی کے واسطے ایک مستقل کمیٹی مقرر ہے کچھ کمیٹیاں اور ماتحت کمیٹیاں خاص خاص کاموں کے واسطے قائم ہیں۔ مثلاً مدرسوں کی کمیٹی ۱۹۱۳-۱۴ء کے بابتہ ذیل میں حسابات درج ہیں جن سے واضح ہوگا کہ بلدیہ کی آمدنی کہاں سے آتی ہے اور کیونکر خرچ ہوتی ہے تخمینہ سے معلوم ہوتا ہے کہ کل شہر کی آبادی کے حساب سے محصول کا سالانہ اوسط گیارہ روپیہ دس آنہ پانچ پائی فی کس پڑتا ہے۔ یعنی ایک روپیہ ماہوار سے کچھ کم۔

محاصل خالص۔ بعد منہائی مدات ذیل بازگشت۔ واپسی۔ اور مصارف متعلق تشخیص و فراہمی محصول و منظوری بازگشت۔

	روپیہ	آنہ	پائی
عام محصول	۴۵۳۰۳۴۴	۲	۱۱
محصول آتشزدگی	۷۴۷۶۱	۴	۷
محصول سواری وراہداری	۵۵۵۲۱۵	۶	۲
محصول بلدی	۱۵۴۴۹۴۱	۶	۱۱
شراب کے اجازت ناموں کی آمدنی اور محصول تمباکو جو سرکار سے وصول ہوا	۴۳۵۰۳۳	۳	۱۱

محاصل آبرسانی	۳۳۸۵۲۲	۰	۲
آمدنی بازارات	۴۰۳۰۰۱	۷	۴
دیگر جائداد کی آمدنی اور متفرقات	۴۰۱۲۷۹	۱	۸
میزان کل	۸۲۸۳۰۹۸	۱	۸

مصارف خالص بعد منہائی آمدنی

عام نگرانی	۲۷۲۳۰۹	۵	۱
پبندھار یا اطفائیہ اور باغات عامہ	۶۹۷۵۸	۱۱	۸
تعمیرات (علاوہ ذرائع آبرسانی)	۲۱۹۲۲۷۵	۸	۶
جدید تعمیرات (علاوہ ذرائع آبرسانی)	۱۹۶۶۶۸	۲	۵
محکمہ صحت عامہ (علاوہ بازارات)	۵۵۳۲۳۸	۲	۶
قرضہ بلدیہ (علاوہ ذرائع آبرسانی)	۱۸۶۰۵۷۰	۱۳	۱۰
تعلیمات	۴۸۵۲۸۴	۱۰	۶
شفاخانے	۴۴۱۸۴۰	۰	۰
وظیفہ انعامات رعایتی بھتہ	۶۶۷۰۹	۱۳	۱۱
محکمۂ آرائش بلدہ کا چندہ	۹۳۲۰۹۳	۱۰	۱۱
متفرقات	۲۶۰۰۹۲	۸	۶
مصارف طاعون	۱۲۴۶۸۲	۰	۰
	۷۴۵۵۵۲۳	۸	۷
محاصل زائد	۸۲۷۵۷۴	۹	۱
میزان کل	۸۲۸۳۰۹۸	۱	۸

باب ۶ (قرضے)

جب کاموں کے واسطے بڑی بڑی رقمیں درکار ہوتی ہیں تو روپیہ قرض لے لیا جاتا ہے۔ ۱۳-۱۹۱۲ء میں بلدیہ کے قرضے کی مقدار (۶۴۸۸۳۶۷۷) روپیہ تھی اس کے مقابل ایک تو مستغرق فنڈ ہے جو بقدر ۲۴۴۲۸۷۱۳ روپیہ کے اس وقت مشغول ہے یعنی کام میں لگا ہوا ہے اور اس سے آمدنی حاصل ہوتی ہے دوسرے بلدیہ کی عمارات جنکی مالیت ۷۴۷۴۲۰۸۶ روپیہ تخمینہ کی جاتی ہے پس واضح ہوا کہ اثاثہ مجموعی دین سے بہ مقدار معتدبہ زیادہ ہے اور بلدیہ کے مالی استحکام یقینی ہونے میں کسی کو کلام نہیں ہوسکتا۔

بلدیہ کے کام جانچنے کا سب سے سادہ طریقہ یہ نہیں کہ سڑکوں، عمارتوں اور لوگوں کو دیکھ لیا بلکہ شرح اموات تحقیق کرنی چاہئے جس سے صاف پتہ چل جائیگا کہ آیا بلدیہ شہر کا کام ٹھیک چلا رہی ہے یا نہیں۔ ذیل کی فہرست سے واضح ہوگا کہ گو شرح اموات اب بھی بمبئی میں بہت بڑھی ہوئی ہے تاہم اس میں نسبتہً برابر تخفیف ہو رہی ہے۔

سال	تعداد اموات مندرجہ	اوسط اموات فی ہزار
۱۸۹۹ء	۴۳۴۶۵	۶۸٫۰۷
۱۹۰۰ء	۵۳۹۷٫	۹۶٫۵۵
۱۹۰۱ء	۵۹۴۹۵	۷۹٫۶۶
۱۹۰۲ء	۴۸۴۱۴	۶۲٫۳۸
۱۹۰۳ء	۵۰۵۱۳	۶۵٫۰۹

سال	تعداد اموات مندرجہ	تعداد اموات فی ہزار
۱۹۰۴ء	۴۲۶۷۶	۵۴ ؍ ۹۹
۱۹۰۵ء	۴۷۶۲۲	۶۱ ؍ ۵۴
۱۹۰۶ء	۵۲۸۷۴	۵۴ ؍ ۰۷
۱۹۰۷ء	۳۸۶۸۷	۳۹ ؍ ۵۶
۱۹۰۸ء	۳۸۲۷۱	۳۹ ؍ ۱۳
۱۹۰۹ء	۳۴۸۷۸	۳۵ ؍ ۶۶
۱۹۱۰ء	۳۴۹۳۳	۳۵ ؍ ۷۲
۱۹۱۱ء	۳۴۹۶۱	۳۵ ؍ ۶۹
۱۹۱۲ء	۳۸۹۵۴	۳۹ ؍ ۷۷
۱۹۱۳ء	۳۱۸۰۶	۳۲ ؍ ۴۷

آرائش بلدہ

مجالس اضلاع کا ذکر چھیڑنے سے قبل پریزیڈنسی شہروں محکمۂ یعنی کلکتہ، بمبئی اور مدراس کے کچھ خاص حالات بیان کرنے ضروری معلوم ہوتے ہیں۔ ۱۹۱۱ء کی مردم شماری کے مطابق کلکتہ کی مردم شماری دس لاکھ تیتالیس ہزار تھی اور بمبئی کی نو لاکھ اناسی ہزار۔ بمبئی کی حالت یہ ہے کہ بہت سی زمین جس پر آبادی پھیلی ہوئی ہے، وقتاً فوقتاً سمندر سے لی گئی ہے۔ اور آجکل ایک بہت بڑی تجویز جو زیر غور ہے وہ یہ کہ سمندر کا جو حصہ بیک بے یعنی خلیج پسین کہلاتا ہے اس کی زمین کیونکر لیجائے۔ لیکن بایں ہمہ جغرافی اسباب کی وجہ شہر کے رقبہ کی وسعت محدود ہے اور نتیجہ یہ ہے کہ آبادی بہت گنجان ہے شہر میں بڑے بڑے مکانات ہیں

باب۔۶ جنہیں چال کہتے ہیں ان میں بہت بہت سے لوگ ملکر رہتے ہیں۔
حتیٰ کہ بعض چالوں میں ہزار ہزار لوگ مقیم ہیں بعض گلیاں
تنگ اور گندی ہیں۔ اور سب سے اونچی منزلوں کے سوا
باقی عمارات کو صاف ہوا میسر نہیں آتی۔ مسٹر لوٹ فریزر
ایک عرصہ تک ہندوستان میں رہ چکے ہیں ان کا بیان ہے
کہ "شاید ہی کوئی منظر ایسا بھیانک ہو جیسا کہ ان متعفن مکانات
کا روز نظر آنا جنکو موت کا گھر کہیں تو بجا ہے حالانکہ یہ مکانات
سمندر کے قریب ہیں کہ موجوں کی آواز صاف سنائی دیتی ہے"
طاعون کے حربوں نے حکام ذی اقتدار کو اچھی طرح جتا دیا
کہ اس بڑے شہر کے اندر کیسے کیسے خطرے گھات میں لگے
ہوئے ہیں۔ لارڈ سینڈ ہرسٹ کے عہد حکومت میں محکمہ آرائش
بلدہ قائم ہوا اور گزشتہ چند سال میں اس کے مقاصد کو بہت
ترقی ہوئی۔ بڑی بڑی چالوں کا بتدریج صفایا ہوتا جاتا ہے اور
شہر میں چوڑی چوڑی سڑکیں نکل رہی ہیں۔جہاں کبھی امراض
کی شدت اور غلاظت کی کثرت تھی وہاں اب صاف ہوا
اور کافی روشنی پہنچتی ہے جزیرہ بمبئی کے شمال میں جو زمین
افتادہ ہے اس کی درستی ہو رہی ہے اور جب جدید قسم کے
ذرائع آمد و رفت نکل آئے تو ہزارہا لوگ جو شہر میں مقیم
ہیں وہاں جابسیں گے۔ ۱۸۹۸ء میں ایک قانون پاس کرکے
آرائش بلدہ کا محکمہ قائم کیا گیا۔ اس کا انتظام متولیوں کی
ایک جماعت کے سپرد ہے جس کا صدر سرکار کی طرف سے

باب-۶ نامزد ہوتا ہے موجودہ صدر ہندوستانی سول سروس کا ایک رکن ہے اس محکمہ کا سرمایہ کچھ تو قرض کے روپیہ سے مہیا ہوتا ہے اور کچھ اُن سرکاری اور بلدیہ کی افتادہ زمینوں کی آمدنی سے جو کہ متولیوں کے سپرد کردی گئی ہیں۔ سنہ ۱۹۱۱ء کا ذکر ہے کہ حکومت ہند نے اپنی سالانہ زاید آمدنی میں سے پچاس لاکھ روپیہ اس محکمہ کو عنایت کیا۔ ایک ایسی ہی جماعت کلکتہ میں قائم ہوئی ہے جو شہر کے شمالی حصہ کی اس گنجان آبادی کی درستی و اصلاح میں مصروف ہے جو عالیشان عمارتوں کے پیچھے چھپی پڑی ہے

محکمہ محکمہ بنادر محکمہ آرائش بلدہ کے علاوہ خاص خاص بندرگاہوں میں محکمہ بنادر بھی قائم ہیں ان میں جو متولی شریک رہتے ہیں وہ یا تو سرکار کی طرف سے نامزد ہوتے ہیں یا ایوان تجارت کی طرف سے یا اور ایسی جماعتوں کی طرف سے جن کو بندرگاہ کے کام سے کچھ تعلق اور دلچسپی ہوتی ہے بمبئی میں محکمہ بندر کا صدر محکمہ تعمیرات کا ایک رکن ہے۔ خاص طریق سے جسکو جرف کہتے ہیں بندر گہرا کرنے کے لئے ایک خاص قسم کے نلوں کے ذریعہ سے سمندر کی تہ سے گاد نکالتے ہیں اور جہاں سمندر سے زمین نکالنی مقصود ہو وہاں لیجاکر اس کو ڈالتے ہیں حتیٰ کہ تہ کی زمین سطح آب سے اوپر نکل آتی ہے۔ اس طرح پر بیک کرشمہ دو کار کے مقولہ پر عمل ہو رہا ہے۔ ایک طرف تو بندر گہرائی بڑھ رہی ہے دوسری طرف سمندر سے زمین نکل رہی ہے۔ اصلاح آرائش کی بڑی بڑی تجاویز کی تکمیل

باب-۶ کے واسطے جس قدر روپیہ درکار ہو وہ قرض لے لیا جاتا ہے۔
بمبئی میں ایک نئی گودی تیار ہوئی ہے، جس کی رسم افتتاح
لارڈ ہارڈنگ نے انجام دی تھی۔ بندر میں جو بڑے سے بڑا
جہاز آتا ہے وہاں کھڑا ہو سکتا ہے۔ جب سے یہ گودی بنی ڈاک
کے جہاز ٹھیک مسافروں کے اترنے کی جگہ آکھڑے ہوتے
ہیں، اس طرح مسافروں کو بہت بڑی دقت سے نجات
مل گئی۔ بندر کا انتظام بھی اسی محکمہ کے ہاتھ میں ہے۔ نیز
اس قسم کے کام جیسے کہ بندر میں آتے وقت جہازوں کی
رہنمائی کرنا اسی کے سپرد ہیں۔ ان خدمات کے صلہ میں اس
کو بندر سے اور آنے والے جہازوں سے معقول آمدنی ہوجاتی
ہے۔ ۱۹۱۲-۱۳ء میں کلکتہ کے محکمہ بندر کی آمدنی ۱۴۲۴۶۳۲۵ روپیہ
تھی اور بمبئی کی ۹۰۷۵۹۱۵ روپیہ۔ ۱۹۱۲-۱۳ء میں جس قدر جہاز
بمبئی کے بندر میں آ آ کر مقیم ہوتے رہے ان کی تعداد ۱۴۳۳
تھی۔ اور انکے ٹنج یعنے گنجائش وزن کی میزان ۳۸۹۷۱۹۲ ٹن
یہی کیفیت کراچی، عدن، مدراس، رنگون اور چٹاگانگ کی
ہے۔ خصوصاً کراچی بندر بہت ترقی کررہا ہے عجب نہیں کہ
آگے چلکر وہ بمبئی کے ہمپلہ بن جائے۔ شمالی ہندوستان میں
جو آبادی کے بڑے بڑے مرکز ہیں اور ان کے اور عدن
کے درمیان جو سب سے سیدھا راستہ ہے اس پر کراچی واقع
ہے اور حکومت ہند نے آبپاشی کے ذریعۂ سے جو وسیع قطعات
زرخیز بنائے ہیں وہ کراچی سے بہت قریب ہیں۔

باب-۲ (۱) اضلاع کی بلدیے

پریزیڈنسی شہروں کے علاوہ اور شہروں میں بھی کچھ عرصہ سے بلدیئے قائم ہو رہے ہیں۔ سنہ ۱۳-۱۹۱۲ء میں کل ہندوستان میں ۷۱۲ بلدیئے موجود تھے جن میں کلکتہ بمبئی اور مدراس کے بلدیئے بھی شامل ہیں۔ ان سب کی مجموعی آمدنی سترہ ہزار اُنسٹھ لاکھ روپیہ تھی۔ ان بلدیات میں نصف سے زیادہ رکن تو منتخب ہوتے ہیں اور باقی کو سرکار نامزد کرتی ہے۔ ہندوستان میں لوگوں کو یہ کبھی گوارا نہیں ہوا کہ بلدیئے ان پر کوئی محصول قائم کریں۔ چنانچہ اسی وجہ سے شروع شروع میں بلدیات کی حکومت نہ چل سکی بلدیات کی موجودہ پالسی یا طرزِ عمل بیشتر لارڈ میو کے عہد سے شروع ہوا ہے۔ اس پالسی کے بہت سے مقاصد ہیں۔ مثلاً یہ کہ لوگوں کو حکومت خود اختیاری کا سلیقہ آئے۔ شہر کی مقامی ضروریات کا بہتر انتظام ہو اور مشترکہ فوائد کے معاملات میں انگریز اور ہندوستانی ملکر کام کرنا سیکھیں۔ لارڈ رپن کے خیالات بالکل یہی تھے اور انہی کے زمانہ میں بلدیات نے دن دونی رات چوگنی ترقی کی کہیں کہیں سرکاری عہدہ دار کے صدر بننے کا طریقہ بھی اُٹھ گیا ہے اور مجلس خود ایک اعلیٰ عہدہ دار مقرر کر دیتی ہے۔ کلکٹر ضلع اور کمشنر قسمت کو البتہ نگرانی کا اختیار حاصل ہے اور بعض بعض حالتوں میں جبکہ سرکار کا خیال ہو کہ اختیارات بیجا طور سے استعمال ہو رہے ہیں اور شہر کی ضروریات کا اہتمام بالکل ناکافی ہے تو وہ مجلس کو معطل بھی کر سکتی ہے۔

باب ۶
بلدیہ کا کام

بلدیہ کے کام بھی گوناگوں ہیں۔ غالباً سنہ ۱۹۱۰ء کے بمبئی کے قانون بلدیہ سے واضح ہوگا کہ اس مجلس کو روزمرہ کیا کیا کام انجام دینا پڑتا ہے۔ کچھ کام تو لازمی ہیں اور قانوں میں کچھ کام ایسے بھی درج ہیں جو خاص خاص حالتوں میں حکومت بلدیہ کرسکتی ہے۔ لازمی کام تو یہ ہیں۔ روشنی، سڑکوں اور مقامات کا چھڑکاؤ اور صفائی، امور باعث تکلیف عام کی روک تھام، حفاظت از آتشزدگی، ضرر رساں یا خطرناک پیشوں اور کاموں کا بندوبست، عام سڑکوں اور مقاموں سے رکاوٹیں اور مزاحمتیں رفع کرنا، خطرناک عمارات کی مرمت یا انہدام، مخرب صحت مقامات کی درستی و صفائی، مردوں کو ٹھکانے لگانا، عام سڑکوں موریوں، نشانات حدود، مذبحوں، پیخانوں، نالیوں، بدرروؤں، غسل خانوں، دھوبی گھاٹوں، پینے کے پانی کے چشموں، تالابوں، کوؤں، بندوں، اور اسی قسم کی چیزوں کی تعمیر اور درستی کرانا، آبرسانی، سڑکوں کے نام رکھنا، مکانات پر نمبر لگانا، چیچک کا ٹیکا لگوانا، اور حیوانات کا پنچھا مہیا کرنا، جو ٹیکہ میں کام آتا ہے عام شفا خانے اور دوا خانے، ابتدائی تعلیم، دباؤ کے موسم میں تحفظ اور علاج کا بندوست، اور قحط کے زمانہ میں امداد رسانی یہ سب کام بھی بلدیہ کے ذمہ ہیں"۔ قانون میں دیگر فرائض کی بھی فہرست درج ہے جنکو خاص خاص حالات میں حکومت بلدیہ انجام دے سکتی ہے۔ جن چیزوں سے وہ کام متعلق ہیں وہ یہ ہیں۔ نئی سڑکیں

عام پارک، باغات، کتبخانے، عجائب خانے، ہال، دفاتر آرام گاہیں اور دیگر عام عمارات، ابتدائی و اعلیٰ تعلیم، سڑکوں کے کنارے والے اور دوسرے درخت، مردم شماری، پیدائش و اموات کے رجسٹر پیمائش کتّوں کے متعلق احتیاطیں، ضرر رساں کاروبار کے مقامات، مکانات کی بدرووں کا انتظام، بدرووں کی اراضی، استقبال حکام کے جلسے اور نمائشیں ۔

محصول کا اوسط جو دو روپیہ پانچ آنہ فی کس پڑتا ہے، بعض لوگوں کو یہ بہت زیادہ معلوم ہوگا لیکن جو لوگ بلدیات کے کاموں سے واقف ہیں وہ اس اوسط کی کمی پر تعجب کرینگے۔ بڑے بڑے کاموں کے لئے تو شاہی خزانہ سے قرض لے لیا جاتا ہے اور اس پر سرکاری نگرانی رہتی ہے ۔ رہی معمولی آمدنی سو تھوڑی سی بلدیہ کی جائداد اور مقامی حکومت کے عطیوں سے حاصل ہوتی ہے اور بہت کچھ محصول کے ذریعۂ سے اکثر صوبوں میں محصول چنگی آمدنی کا خاص ذریعہ ہے ۔ یہ وہ محصول ہے جو قصبے میں مقامی استعمال کے واسطے داخل ہونے والی چیزوں خصوصاً سامان خوراک پر لیا جاتا ہے ۔ بعض صوبوں میں مکانات اور قطعات بلکہ پیشوں پر بھی محصول قائم ہے ۔ ایسے ایسے موقعے بھی آچکے ہیں کہ حکومت صوبہ کو منجانب عوام مداخلت کرنے کی ضرورت محسوس ہوئی ہے لیکن شاذ و نادر اور بحیثیت مجموعی بلدیات کی کارگزاری میں جو ترقی نمودار ہوئی ہے وہ زمانہ حال کی تاریخ ہند میں طمانیت بخش نظر

باب ۲ آتی ہے۔

مقامی مجالس

اضلاع کے دیہاتی حصوں میں مقامی مجالس قائم ہیں۔ ان کے سپرد بھی وہی کام ہے جو بلدیات کے سپرد ہے۔ لیکن چھوٹے پیمانہ پر۔ بلدیات کی طرح مقامی مجالس بھی شروع شروع میں کم چلیں۔ لیکن لارڈ رپن کے عہد میں ان کو خوب ترقی ہوئی انگلستان میں قاعدہ یہ ہے کہ دیہاتی رقبوں کی مقامی حکومت کچھ تو کاؤنٹی یعنی کمشنری کی مجلس کے ہاتھ میں ہے اور کچھ مجلس ضلع اور کچھ دیہاتی مجلس کے ہاتھ میں۔ اس میں ہر ایک مجلس کے اختیارات جداگانہ مقرر ہیں۔ ولایت میں حکومت کا سب سے چھوٹا حصہ پیرش یا موضع ہوتا ہے اور دراصل ان دونوں کی تقسیم مذہبی انتظام پر مبنی تھی۔ ہندوستان میں صوبے صوبے کی حالت جداگانہ ہے، ہر جگہ ایک نیا طریق نکل آیا ہے۔ مدراس میں تو سب سے چھوٹا حصہ ایک موضع اور چند مواضع کا مجموعہ شمار ہوتا ہے، جو ایسے ملے جلے ہوں کہ ان کے متعلق مجلس کے سامنے جو معاملات پیش ہوں سب اراکین مجلس ان سے ذاتی طور پر واقف ہوں۔ اس دیہاتی مجلس کو پنچایت کہتے ہیں۔ اس نام کی ابتدا قدیم دیہاتی جماعتوں کے جلسوں سے ہوتی ہے یہ عام جماعتیں صفائی کے انتظام اور دوسرے چھوٹے چھوٹے کاموں کی نگرانی کرتی ہیں دیہاتی مجلس کے اوپر مجالس تعلقہ قائم ہیں۔ جو عام اہمیت کے کاموں کی دیکھ بھال رکھتی ہیں۔ سب کے

بعد مجالس اضلاع ہیں جو کل ضلع کی قائم مقام ہوتی ہیں۔ پس معلوم ہوا کہ دیگر صوبوں کے مقابل مدراس میں مقامی حکومت زیادہ مکمل ہے دوسرے صوبوں میں یہ تینوں مدارج کمتر نظر آتے ہیں بمبئی کے احاطہ میں تو صرف مجالس تعلقہ اور مجالس ضلع قائم ہیں، دیہاتی مجالس یعنی پنچایت کا پتہ نہیں۔

مقامی مجالس کا دستور بھی ملک کے مختلف حصوں میں مختلف ہے۔ بلدیات کے مقابل نامزد شدہ اراکین کی تعداد زیادہ رہتی ہے۔ لیکن بہت سی مجلسوں میں انتخابی عنصر بھی داخل ہوگیا ہے اور بلا شک اس میں وقتاً فوقتاً اضافہ ہوگا۔ ۱۹۱۲-۱۳ء میں احاطہ بمبئی میں مجالس ضلع اور مجالس تعلقہ میں ۳۲۶۵۰ ممبر شریک تھے جن میں سے ۱۴۵۱ نامزد شدہ تھے ۱۶۲۱ منتخب شدہ اور ۵۷۸ عہدہ دار کل میں سے ۱۴۷ اراکین سرکاری تھے اور باقی ۲۹۰۹ غیر سرکاری بمبئی اور بعض دیگر صوبوں میں نامزد کرنا سرکار کے ہاتھ میں ہے مقامی حکام کی سفارش درکار ہوتی ہے۔ حاکم ضلع، مجلس ضلع کا صدر ہوتا ہے اور حاکم علاقہ مجلس تعلقہ کا مقامی آمدورفت کے ذرائع کی نگرانی درستی اور اصلاح کے علاوہ مجلس ضلع کے کام یہ ہیں۔ شفاخانوں اور دواخانوں کا قیام، پانی کے نکاس اور آبرسانی کا انتظام، عام صفائی، چیچک کا ٹیکا، تعلیم خصوصاً ابتدائی درجہ کی رمنوں اور گھاٹوں کی نگرانی" بازاروں کی تعمیر اور درستی اور قحط کے زمانے میں غربا کی امداد۔ مجلس متعلقہ زیر نگرانی مجلس ضلع اپنا کام کرتی رہتی ہے اس کی

مقامی مجالس کا دستور اور کام۔

آمدنی کے کئی ذرائع ہیں۔ مقامی حکومت کے عطئے زمین کا محصول باڑوں اور گھاٹوں کا محصول، اور دوسری آمدنی جو محصول راہداری کے طور پر وصول ہو۔ بلدیات اور مجالس اضلاع کے حساب کتاب کی جانچ پرتال تو سرکاری عہدہ دار بھی کرتے ہیں لیکن وہ شاہی موازنہ میں شامل نہیں ہوتا۔

ذیل میں ۱۳-۱۹۱۲ع کی بابتہ احاطہ بمبئی کے مقامی مجالس کے محاصل و مصارف کی تفصیل درج ہے جس سے انکے کاموں کی وسعت کا کچھ اندازہ ہوسکتا ہے۔

آمدنی

لگان	۲ لاکھ ۷۴ ہزار
ابواب	۴۳ لاکھ ۱۳ ہزار
سود	۱۷ ہزار
پولس	۱ لاکھ ۵۴ ہزار
تعلیمات	۲۵ لاکھ ۳۹ ہزار
طبابت	۹۰ ہزار
سائنس کے اور دوسرے صیغے	۹۱ ہزار
متفرقات	۸۵ ہزار
تعمیرات	۱۴ لاکھ ۹۳ ہزار
میزان	۸۱ لاکھ ۲۹ ہزار

خرچ

حکومت	۱ لاکھ ۶۰ ہزار
پولس	۵ ہزار
تعلیمات	۳۲ لاکھ ۱۴ ہزار
طبابت	۵ لاکھ ۱۵ ہزار
سائنس کے اور دوسرے صیغے	۱ لاکھ ۳۷ ہزار
وظیفہ اور بھتہ	۵۳ ہزار
سامان نوشت اور چھپائی	۱۹ ہزار
متفرقات	۹۶ ہزار
تعمیرات	۳۵ لاکھ ۳۷ ہزار
قرضہ	۱ لاکھ ۳ ہزار
	۷۸ لاکھ ۳۹ ہزار

تفصیل بالا سے واضح ہوگا کہ بیشتر رقم تعلیمات اور تعمیرات پر صرف ہوتی ہے۔ آخری مسئلہ میں عمارات، ذرائع آمد و رفت، آبرسانی، مسافر بنگلے، اور درختوں کا لگانا شامل ہے۔ طبابت کے مصارف میں دورہ کرکے ٹیکا لگانے والوں کا خرچ اور بخار کے موسم میں کونین کی تقسیم بھی داخل ہے۔ اعداد شمار سے ایسا معلوم ہوتا ہے کہ برطانوی ہندوستان میں جس قدر رقم عمارات اور سڑکوں پر خرچ ہوتی ہے اس میں سے ۳۵ فیصدی طبی کاموں

باب-۶ اور صفائی میں جس قدر خرچ ہوتا ہے اس کا ۴۳ فی صدی اور تعلیمات کے واسطے جو کچھ منظور ہوتا ہے اس میں سے ۴۷ فیصدی مقامی مجالس اور بلدیات کی طرف سے ملتا ہے - پس صاف ظاہر ہے کہ مقامی مجالس ملک کی حکومت میں روز افزوں شرکت کر رہی ہیں اور اس کا نتیجہ اچھا ہی ہوگا - ایک شکایت البتہ پیدا ہو گئی ہے وہ یہ کہ گاؤں کے لوگ خود کچھ نہیں کرتے اور کام سرکار یا مقامی مجلس سے کرانا چاہتے ہیں - مثلاً بیس برس پہلے وہ فروخت کے زمانے میں خود جھاڑیاں لگاکر حد بندی کرتے تھے - گاؤں کے راستہ کی مرمت کرتے تھے جو کچھ خرچ ہوتا تھا اپنی گرہ سے لگاتے تھے - مگر اب انہوں نے ان کاموں سے بالکل ہاتھ کھینچ لیا ہے - یہ بھی معلوم ہوا کہ بہت سی جگہ انتخاب کنندے بے اعتنائی اور بے پروائی برتتے ہیں - ایک ضلع کا ذکر ہے کہ منجملہ ۱۶۶ رائے دہندوں کے صرف ۹ نے آکر رائے دی - علاوہ ازیں غیر سرکاری ممبر بھی چند خاص مستثنیات کے سوا مجالس کے کاموں میں بہت کم دلچسپی رکھتے ہیں اور مجالس کی کامیابی کا دار و مدار بیشتر حاکم ضلع اور حاکم علاقہ کی کوشش اور توجہ پر رہتا ہے -

مقامی مجالس اور مرکزی حکومت کا تعلق- انگلستان کی دستوری تاریخ میں مقامی حکومت کی نشو ونما کا بہت دخل نظر آتا ہے چنانچہ اینگلو سیکسن زمانہ کی خصوصیت ہی یہ تھی کہ مقامی مجالس ذی اقتدار تھی اور مرکزی حکومت کمزور - نارمن عہد میں حالت بالکل اس کے برعکس ہو گئی اور مقامی ۱۲

جماعتوں کے مقابل مرکزی انتظامی محکمہ کو بہت زیادہ اختیارات
مل گئے۔ پلنٹا جنٹ خاندان کی حکومت کے شروع میں بہت ہی
خوبی سے یہ امر طے پایا گیا۔ جس کے مطابق مقامی جماعتوں کو بھی
اپنے معاملات انجام دینے کی آزادی حاصل ہوگئی اور ساتھ ہی
مرکزی حکومت کی قوت بھی برقرار رہی۔ پارلیمنٹ کا جو طریق
نکلا کہ اضلاع اور بڑے بڑے شہروں کے نمایندوں کے ذریعہ سے
مرکزی انتظامی حکومت اور بیرونی مقامات میں تعلق پیدا ہوگیا
مذکورۂ بالا امر کو اسی کا نتیجہ سمجھنا چاہیے۔ ایک مختصر سے پیمانہ پر
وہی طریق ہندوستان میں رائج کیا جارہا ہے مقامی معاملات
کا انتظام روز بروز زیادہ تر مجالس ضلع اور بلدیات کے سپرد ہوتا
جاتا ہے۔ صرف بقدر ضرورت نگرانی رہتی ہے اور چونکہ اضلاع کے
سرکاری عہدہ دار اور بلدیات اور مجالس ضلع کے رکن صوبوں کی
مجالس وضع قوانین میں شریک رہتے ہیں۔ لہذا انتظامی محکمہ مقامی
ضروریات سے زیادہ باخبر ہوتا جاتا ہے۔

ساتواں باب

محکمۂ وضع قوانین

برطانوی پارلیمنٹ کی اعلیٰ حکومت

برطانوی پارلیمنٹ یعنی ملکی مجلس یا یوں کہئے کہ بادشاہ باجلاس پارلیمنٹ اعلیٰ فرمان روا ہے۔ کیونکہ اس کو قانون وضع کرنے اور منسوخ کرنے کا پورا پورا اختیار حاصل ہے۔ اور قانون انگلستان کی روسے کوئی شخص یا جماعت ایسی نہیں کہ پارلیمنٹ کے قوانین کو برطرف کرسکے۔ پارلیمنٹ وراثت تخت و تاج کا بھی انتظام کرسکتی ہے۔ اور اس میں تغیر تبدل کرسکتی ہے۔ چنانچہ ہنری ہشتم اور ولیم سوم کے عہد میں ایسا ہو بھی ہوچکا ہے۔ وہ ملک کا مروجہ مذہب بھی تبدیل کرسکتی ہے۔ چنانچہ ہنری ہشتم کے عہد میں اور اس کی تین پشت بعد تک بہت سی صورتوں میں ایسا واقع ہوا ہے اس کو یہ بھی اختیار حاصل ہے کہ سلطنت کا بلکہ خود پارلیمنٹ کا قانون بدلے اور اسکو از سرِ نو وضع کرے۔ چنانچہ اس کی مثالیں موجود ہیں مثلاً قانون اتحاد، سہ سالہ اور ہفت سالہ انتخاب کے قوانین یا

باب۔۷

سلا۱۹۱ئہ کا قانون پارلیمنٹ۔ المختصر جس قدر کام ممکن ہیں وہ ان کو انجام دینے کی مجاز ہے۔ اور اسی بنا پر بعض لوگوں نے تو یہ جرأت کی کہ اس کے اختیارات کو بزبان استعارہ پارلیمنٹ کی قدرت مطلق سے تعبیر کر دیا۔

ہندوستان کا محکمہ وضع قوانین ایک محدودالاقتدار مقنن جماعت ہے۔

لیکن ہندوستان کے محکمۂ وضع قوانین کا یہ حال نہیں۔ پروفیسر ڈائسی نے اس کو ایک متوسط درجہ کی مقنن جماعت سے تعبیر کیا ہے وہ غیر محدودالاقتدار اس لئے کہلاتا ہے۔ کہ صرف دستور کی حدود کے اندر رہ کر قانون بنا سکتا ہے۔ بالفاظ دیگر وہ صرف ایسے قوانین وضع کرسکتا ہے جو کہ پارلیمنٹ کے اُن قوانین کے موافق ہوں جو اس نے ہندوستان کے متعلق پاس کر دئے ہیں اور جن کا پہلے باب میں ذکر آ بھی چکا ہے اور ہندوستان کے دستور کے باب میں جو پارلیمنٹ کے قانون ہیں ان کو بدلنے یا منسوخ کرنے کا بھی اختیار نہیں پارلیمنٹ کے قانون اس وقت تک ہندوستان پر عائد نہیں ہوسکتے بالصراحت یا بالکنایہ ان کا حلقۂ عمل ہندوستان تک وسیع نہ کر دیا جائے۔ ہندوستان کی مجلس وضع قوانین کو قانون فوج کی تنسیخ یا ترمیم کا اختیار حاصل نہیں ہے۔ اور نہ وہ کوئی ایسا قانون پاس کرسکتی ہے جس کا پارلیمنٹ کے اختیارات یا سلطنت متحدہ کے غیر قلم بند قوانین یا اس کے دستور پر اثر پڑے۔ یا بادشاہ کے ان حقوق فرمان روائی پر اثر پڑے جو اس کو برطانوی ہندوستان کے کسی حصہ پر حاصل ہیں۔ یہ بھی واضح

باب ۷

رہے کہ پارلیمنٹ ہر وقت ہندوستان کے متعلق ہر قسم کا قانون پاس کرنے کی مجاز ہے اور حکومت ہند کی طرف جس قدر قوانین کے مسودہ پیش ہوتے ہیں، اول ان کے متعلق وزیر ہند کی اجازت حاصل کرنی ضرور ہے۔ لیکن ساتھ ہی اس کے ہندوستان کی مجلس وضع قوانین ایک ایسی جماعت ہے جس کو قانون بنانے کا اختیار حاصل ہے۔ اور بہ پابندی ہائے مذکورۂ بالا (ا) برطانوی ہندوستان کے تمام لوگوں، اور تمام عدالتوں تمام مقامات اور تمام چیزوں کے واسطے (۲) ملک معظم کی اس برطانوی رعایا اور حکومت ہند کے ان تمام ملازموں کے واسطے جو ہندوستان کے دوسرے حصوں میں مقیم ہوں۔ (ج) ملک معظم کی ہندوستانی رعایا اور ہندوستانی فوجی ملازموں، سپاہیوں وغیرہ کے واسطے جبکہ وہ دنیا کے کسی حصہ میں ہوں۔ خواہ ملک معظم کی سلطنت کے اندر یا اس کے باہر اور (د) نیز ان تمام لوگوں کے واسطے جو ہندوستانی بحری خدمت میں شریک ہیں یہ مجلس قانون پاس کرسکتی ہے۔

مجلس وضع قوانین کا ارتقاء

ہندوستان کی مجلس وضع قوانین گویا ایک توسیع ہے گورنر جنرل کی مجلس انتظامی کی۔ اس کا پورا نام یہ ہے " گورنر جنرل باجلاس کونسل بغرض وضع قوانین "، اول اول تو کمپنی ان اختیارات کی رو سے جو اس کو منشور میں مل چکے تھے۔ جو قوانین اور قواعد مناسب سمجھتی بنالیتی تھی، قانون تنظیم کے بموجب گورنر جنرل باجلاس کونسل کو اختیارات وضع قوانین

حاصل تھے ۔ البتہ عدالت العالیہ کی منظوری اور وہاں کا اندراج ضروری باب ۷
تھا۔ ۱۸۳۳ء کے قانون منشور سے تین اہم تبدیلیاں عمل میں آئیں
اول تو بمبئی اور مدراس کی حکومتوں کے اختیارات وضع قوانین
سلب ہو گئے ۔ گو تھوڑے ہی عرصہ کے لئے سہی، اور وضع قوانین
کے اختیارات بہ تمام و کمال گورنر جنرل یا اجلاس کونسل
کو مل گئے ۔ دوسرے انتظامی مجلس میں ممبر قانون کا اضافہ
ہوا ۔ اس کا کام صرف یہی تھا کہ قوانین و قواعد بنائے ۔ اور
اول اول وہ کامل رکن کی حیثیت سے انتظامی مجلس میں شریک
بھی نہیں ہوتا تھا ۔ تیسرے جو مسودہ اس توسیع یافتہ مجلس میں
پاس ہو جاتا وہی قانون تھا ۔ عدالت عالیہ میں اس کے مندرج
ہونے کی ضرورت نہیں رہی ۔ ۱۸۵۳ء میں جب بنگال کا میر مجلس
اور ایک رکن عدالت عالیہ اور بنگال، مدراس، اور بمبئی، اور آگرہ
کی مقامی حکومتوں کا ایک ایک نامزد شدہ رکن انتظامی مجلس
میں شریک ہوا تو اس اصول کو مزید تقویت حاصل ہوئی کہ
وضع قوانین کے واسطے مجلس میں توسیع ہونی چاہئے ۔ ۱۸۶۱ء
کے قانون مجالس نے مجلس وضع قوانین کا دستور اور بھی بدل
ڈالا ۔ اور یہ قرار پایا کہ انتظامی مجلس کے رکنوں کے علاوہ
کم از کم چھ اور زیادہ سے زیادہ بارہ رکن اور شریک ہونے
چاہئیں جن کو گورنر جنرل نامزد کرے اور دو سال تک شریک
مجلس رہیں ان زائد رکنوں میں سے کم از کم نصف کا غیر سرکاری
ہونا ضروری تھا ۔ یعنی ایسے لوگ کہ جو سرکاری ملازمت میں

باب۔۷ نہ ہوں۔ جس صوبہ میں مجلس منعقد ہوتی تھی اس کا اعلیٰ حاکم مجلس وضع قوانین کا زاید رکن شمار ہوتا تھا۔ ۱۸۹۲ء کے قانون میں زاید رکنوں کی تعداد اور بھی بڑھ گئی اور انتخابی عنصر بھی مجلس میں داخل ہوگیا۔ چنانچہ بنگال، مدراس، بمبئی، اور صوبہ متحدہ میں جو مجالس وضع قوانین انھیں دنوں قایم ہوئی تھیں وہ سب کی سب اپنے اپنے غیر سرکاری رکنوں کی طرف سے ایک ایک نمایندہ شاہی مجلس میں بھیجنے لگیں۔ بلکہ ایک نمایندہ کلکتہ کے ایوان تجارت کی طرف سے بھی شامل ہوگیا۔

قانون مجالس ۱۹۰۹ء

۱۹۰۹ء کے قانون نے بھی اسی سمت میں بہت جرأت کے ساتھ قدم بڑھایا۔ اس میں یہ قرار پایا کہ انتظامی مجلس کے اراکین کے علاوہ زیادہ سے زیادہ ساٹھ رکن مجلس وضع قوانین میں اور شریک ہوں تب کہیں قانون اور قواعد بنیں۔ ان میں سے زیادہ سے زیادہ پینتیس رکن گورنر جنرل اپنی مرضی کے موافق نامزد کرسکتا ہے۔ صرف اِس قدر لحاظ رکھنا شرط ہے کہ اول تو سرکاری رکنوں کی کثرت رہے دوسرے نامزد شدہ اراکین میں سے ایک ہندوستانی تجارتی جماعت کا نمایندہ ہو۔ ایک پنجاب کے زمینداروں اور ایک وہاں کے مسلمانوں کا نمائندہ ہو۔ ۱۹۱۶ء میں صرف بقدر چار سرکاری اراکین کی کثرت تھی۔ باقی پچیس اراکین کا انتخاب حسب ذیل عمل میں آیا:۔

(۱) مدراس، بمبئی، صوبۂ متحدہ اور بنگال کی مجلس کے

غیر سرکاری اراکین اپنے دو دو نمائندے منتخب کرتے ہیں۔ اور باب۔۷
برما، پنجاب، بہار و اوڑیسہ، آسام اور صوبہ متوسط کی مجلس کے
اراکین ایک ایک، اس طرح پر کل تیرہ رکن منتخب ہوئے۔

(۲) صوبۂ متوسط کی بلدیات اور مجالس اضلاع کی طرف
سے ایک رکن منتخب ہوا۔

(۳) بنگال، مدراس، بمبئی، صوبۂ متحدہ، بہار و اوڑیسہ، اور
صوبۂ متوسط کے زمیندار اپنا ایک ایک نمائندہ منتخب کرتے
ہیں۔ اس طرح کل رکن ہوئے۔

(۴) بنگال، مدراس، بمبئی، صوبۂ متحدہ اور اوڑیسہ، کے
مسلمان اپنا ایک ایک نمائندہ منتخب کرتے ہیں۔ کل ۵ رکن
منتخب ہوئے۔

(۵) بنگال اور بمبئی کے ایوان تجارت ایک ایک منتخب
کرتے ہیں۔

منتخب شدہ اراکین کی مقدار کل ۲۷ رہی۔

حسب قانون ایک ایسی فہرست شائع ہوچکی ہے۔ جس انتخاب کے
میں امیدواروں اور رائے دہندوں کے ضروری اوصاف اور قواعد۔
طریق انتخاب درج ہے۔ کوئی شخص منتخب نہیں ہوسکتا جبتک
کہ وہ برطانوی رعایا نہ ہو، اس کا دماغ صحیح نہ ہو اور اسکی
عمر پچیس۲۵ سال سے زیادہ نہ ہو۔ جو لوگ غیر مصدقہ دیوالئے
ہوں جو لوگ سرکاری ملازمت سے معزول ہوگئے ہوں جن
لوگوں کو عدالت فوجداری سے چھ ماہ سے زائد قید کا حکم ہوچکا ہو۔

باب ، یا کسی حاکم مجاز نے سند وکالت ضبط کرلی ہو۔ وہ بھی ناقابل انتخاب ہیں۔ البتہ گورنر جنرل کے حکم سے ایسے لوگوں کی ممانعت رفع ہوسکتی ہے۔ یعنی وہ بھی قابل انتخاب شمار ہوسکتے ہیں۔ علاوہ ازین گورنر جنرل باجلاس کونسل کو اختیار ہے کہ ایسے لوگوں کا انتخاب روک دے جو اس کی رائے میں بلحاظ اپنی شہرت اور سابق حالات کے عام مفاد کے واسطے مضر معلوم ہو۔ ایک قاعدہ یہ بھی ہے کہ صوبہ کی مجلس کے غیر سرکاری رکن جو نمائندے منتخب کرے وہ اسی صوبہ کے باشندے ہوں اور صوبہ کے حالات سے اس قدر واقف ہوں کہ اسکی نیابت کا کام بخوبی انجام دے سکیں۔ رائے دہندوں کے اوصاف کے متعلق بھی کچھ قواعد ہیں جن کی فہرست مہتمم انتخاب کے پاس رہتی ہے، اور وقتاً فوقتاً اس پر نظرثانی ہوتی ہے۔ یہ بھی احتیاط کیجاتی ہے کہ انتخاب میں کوئی بیجا کارروائی نہ ہو سکے اور اگر کوئی جھگڑا اُٹھے تو اس کا تصفیہ ہو جاوے ان تمام انتظامات کی تفصیل تو ایسی مختصر کتاب میں درج ہو نہیں سکتی۔ البتہ یہ واضح کرنے کی ضرور کوشش کی ہے کہ کونسل میں مختلف طبقوں اور مفاد کے نمائندے شریک رہتے ہیں، اور قلیل جماعتوں کے مفاد کی بھی پوری پوری نگہداشت ہوتی ہے۔ کچھ نشستیں مسلمانوں کے واسطے مخصوص کردیگئی ہیں اور جن صوبہ دار کونسلوں کے غیر سرکاری رکن دو ممبر منتخب کرتے ہیں وہاں دوہری رائے کی اجازت ہے۔ اس ترکیب سے

اگر قلیل جماعت کچھ قوی ہو یعنی بہت زیادہ قلیل نہ ہو تو دونوں رائیں اپنے امیدوار کو دیگر ایک نشست ضرور حاصل کرسکتی ہے۔ باب۔۷

اب دیکھنا یہ ہے کہ مجلس وضع قوانین میں کیا دستورالعمل جاری ہے۔ ۱۹۰۹ء کے قانون مجلس کے مطابق گورنر جنرل صدر ہے اور وہ اپنا نائب صدر خود مقرر کرتا ہے جو اس کی عدم موجودگی میں صدارت کرتا ہے۔ محکمۂ وضع قوانین میں جو حکومت ہند کا معتمد رہتا ہے کل انتظام اسی کے ہاتھ میں ہے یا اسکے نائب کے ہاتھ میں ہے۔ اس کا فرض یہ بھی ہے کہ جلسہ کی روئداد مرتب کرے جو ہر جلسہ کے بعد بغرض منظوری صدر کے ملاحظہ میں پیش ہوتی ہے۔ جن اراکین کو انگریزی سے کم واقفیت ہو یا جن کو تقریر کی مہارت نہ ہو ان کیواسطے کچھ رعایت ملحوظ رکھی گئی ہے۔ قانون کے مسودے، منتخب کمیٹیوں کی رپوٹیں، اہم قانونی مسودوں کی ترمیمات ہندوستانی زبان میں ترجمہ کر دی جاتی ہیں۔ اگر کوئی رکن خود انگریزی میں تقریر نہ کر سکے تو بشرط درخواست اس کی طرف سے کوئی دوسرا رکن تقریر کرسکتا ہے۔ مزید براں کوئی ممبر چاہے تو اپنی تقریر طبع کراکر ممبروں میں تقسیم کردے اور صدر کی رائے سے وہ پڑھی ہوئی شمار ہو سکتی ہے۔ مسودہ کو قانون بننے میں مراحل ذیل پیش آتے ہیں۔ اگر کوئی رکن کوئی مسودہ پیش کرنا چاہے اول اجازت حاصل کرنے کی تحریک کرے۔ اجازت ملنے کے بعد مسودہ قانون کی پوری عبارت اور اس کے اغراض و مقاصد

مجلس وضع قوانین کا دستورالعمل

باب ۔۷

کی تشریح طبع کراکر ایک ایک نسخہ سب اراکین کے پاس بھیجدے ۔ اگر کوئی بحث طلب معاملہ پیش آئے تو دوسری ترکیب یہ ہے کہ اس کو ایک منتخب کمیٹی کے سپرد کرنے کی تحریک کرے ۔ اس پر ایک مباحثہ ہوتا ہے جس میں مسودہ قانون کے عام اصول پر غور ہوتا ہے ۔ اب سب سے نازک مرحلہ پیش آتا ہے جبکہ مجلس کے بجائے ایک منتخب کمیٹی اس مسودہ کے ہر ہر فروع اور تفصیل پر بحث کرتی ہے۔ اسکے بعد کمیٹی کی رپورٹ کی ایک ایک نقل تمام اراکین کے پاس بھیجدی جاتی ہے۔ نیز عام اطلاع کے واسطے شائع کر دی جاتی ہے۔ تب پھر کل مجلس ملکر اس پر غور کرتی ہے۔ اور اگرچہ ترمیمات پیش ہوئی ہوں تو وہ داخل غور رہتی ہیں۔ بالآخر رائے لی جاتی ہے اور اگر کثرت رائے اس کے موافق ہو تو وہ مسودہ قانون بن جاتا ہے ۔ البتہ گورنر جنرل اور وزیر ہند کی منظوری شرط ہے ۔ اور ان دونوں کو اختیار منسوخی حاصل ہے ۔ اور اگر کوئی معاملہ بحث طلب نہ ہو تو بعض مراحل ترک ہو جاتے ہیں اور اس کو منتخب کمیٹی کے سپرد کرنے کی ضرورت نہیں پڑتی ۔ خاص ضروری صورتوں میں ایسا انتظام ممکن ہے کہ مسودہ بلاکسی قسم کی تاخیر کے فوراً قانون بن جاوے ۔

مجلس انتظامی اور مجلس وضع قوانین کا تعلق

انگلستان میں محکمہ انتظامی محکمہ وضع قوانین کے تحت میں رہتا ہے ۔ کیونکہ کیبنٹ یعنی مجلس وزرا اسی وقت تک

باب ۷ مجلس انتظامی اور مجلس وضع قوانین کا تعلق

قائم رہ سکتی ہے جب تک کہ دیوان عام میں کثرت اس کی تائید کرے۔ لیکن ہندوستان میں محکمہ انتظامی مجلس وضع قوانین کی مخالف رائے کے باوجود برقرار رہتا ہے۔ سر کورٹنی البرٹ کا بیان ہے کہ ۱۸۵۳ء کے قانون کے بموجب جو مجلس وضع قوانین قائم ہوئی تو اس نے اپنا دستورالعمل پارلیمنٹ کے نمونہ پر مرتب کیا اور انتظامی محکمہ سے سوالات دریافت کر کرکے اور ان کی کارروائیاں زیر بحث لالاکر اس قدر خود مختاری کا اظہار کیا کہ دقّت محسوس ہونے لگی۔ چنانچہ ۱۸۶۱ء کے قانون میں انتظامی محکمۂ پر نکتہ چینی کرنے کا حق سلب کر لیا گیا۔ اور مجلس کا کام صرف اتنا رہ گیا کہ قانون پاس کیا کرے۔ ۱۸۹۲ء میں یہ بندشیں کچھ نرم ہوئیں اور حکومت کے معاملات میں بہ پابندی چند شرائط سوالات دریافت کرنے کا حق مل گیا۔ یہ بھی انتظام ہو گیا کہ سالانہ بجٹ یعنی موازنہ پر بحث ہوا کرے۔ البتہ یہ کسی رکن کو اختیار نہیں کہ کوئی تحریک پیش کرے یا یہ مطالبہ کرے کہ ارکان کی رائیں الگ الگ شمار کی جائیں ۱۹۰۹ء کا قانون مجلس اس معاملہ میں بہت آگے بڑھ گیا چنانچہ پانچویں دفعہ کی عبارت حسب ذیل ہے۔ گورنر باجلاس کونسل ایسے قواعد بنائیگا جن کے مطابق یہ جائز ہو گورنر جنرل باجلاس کونسل کی سالانہ مالی کیفیت (موازنہ) پر مجلس وضع قوانین میں مباحثہ ہو یا کسی عام مفاد کے معاملہ کی بابت

باب ۔ ۷ بحث کی جائے ۔ اور نیز بہ پابندی شرائط مندرجہ قواعد سوالات دریافت کئے جائیں ۔

سالانہ مالی کیفیت کے متعلق مباحثہ

اول مالی کیفیت اور بجٹ یعنی موازنہ کا فرق جاننا ضرور ہے ۔ گورنر جنرل باجلاس کونسل کے مالی تخمینے جو سال نو کے واسطے تیار ہوں مالی کیفیت کہلاتے ہیں ۔ اور جب وہ تخمینے قطعی طور پر طے ہو جائیں ۔ تو پھر بجٹ کہلانے لگتے ہیں ۔ بالفاظ دیگر طے شدہ مالی کیفیت کا نام بجٹ ہے ۔ ہر سال مالی کیفیت اور اس کے ساتھ ایک شرح یادداشت مجلس کے سامنے پیش ہوتی ہے اور اس کی ایک ایک نقل سب اراکین کو دیدی جاتی ہے ۔ پہلے روز کچھ مباحثہ نہیں ہوتا ۔ تھوڑے عرصہ بعد وہی کیفیت بغرض مباحثہ مجلس میں پیش ہوتی ہے اور جو ممبر چاہے کوئی تحریک پیش کرے ۔ خواہ ترمیم محصول کے باب میں یا کسی نئے قرضہ کے متعلق یا اگر کسی مقامی حکومت کو مزید امداد دینی تجویز ہوئی ہو تو اس کے بارے میں ۔ تب رکن مجاز جو محکمہ مال کا اعلیٰ حاکم ہے ہر ایک مد یا مدوں کے مجموعہ کی جداگانہ تشریح کرتا جاتا ہے اور مجلس ان سب پر بالتفصیل غور کرتی ہے ۔ اس مرحلہ میں تحریکیں پیش ہوکر رائے طلب ہوسکتی ہے ۔ کچھ وقفہ کے بعد جس کے دوران میں مجلس انتظامی نے ابتدائی مباحثہ کی تجاویز پر غور کرکے ضروری ترمیمات داخل کر دی ہوں ۔ مجلس میں بجٹ پیش ہوتا ہے ۔ مباحثہ کا افتتاح کرتے

ہوئے وزیر مال اول تو داخل شدہ تبدیلیوں کی نوعیت بیان کرتا ہے اور دوسرے ان وجوہات کو بھی پیش کرتا ہے کہ جن کی بنا پر ابتدائی مباحثہ کی بعض تحریکیں انتظامی مجلس میں منظور نہ ہو سکیں ۔ اس کے بعد بجٹ پر ایک عام مباحثہ ہوکر کارروائی ختم ہو جاتی ہے ۔ واضح ہو کہ بجٹ بالکل انتظامی مجلس کے ہاتھ میں ہے نہ کہ مجلس وضع قوانین کے اختیار میں ۔ یہ مجلس جو تحریک بھی پیش کرے وہ ایک قسم کا مشورہ یا سفارش ہے ۔ خواہ انتظامی مجلس منظور کرے خواہ نہ کرے ۔ مزید براں تحریک پیش کرنے کی بھی شرائط ہیں ۔ ہندوستانی دستور۔قانون افواج ۔ حکومت ہند کی دیسی ریاستوں یا بیرون ممالک سے تعلقات ۔ معاملات جو عدالتہائے سلطنت برطانیہ میں زیر تجویز ہوں یا جس قدر باتیں ان سے متعلق ہوں ان کے متعلق کوئی تحریک پیش نہیں ہو سکتی ۔ کیونکہ یہ سب امور مجلس کے اختیار سے باہر رکھے گئے ہیں ۔ محاصل اور مصارف کی بھی کچھ مدیں ایسی ہیں کہ جو تحریکوں سے مستثنیٰ ہیں ۔ مثلاً محصول درآمد برآمد دیسی ریاستوں کے خراج، ہندوستانی فوجی اور بحری محکموں کا انتظام، قرض عامہ، یا محکمہ سیاسی، یہ سب چیزیں عام مباحثہ سے الگ رہتی ہیں اور سب پر طرہ یہ کہ صدر کو اختیار ہے کہ جس تحریک کی چاہے اجازت نہ دے ۔ اور انکار کی وجہ اس سے زیادہ بیان کرنیکی ضرورت نہیں کہ اس کی رائے میں وہ تحریک عام مفاد کے خلاف ہے ۔

باب۔۷
عام مفاد کے معاملات

ہر رکن کو اختیار ہے کہ عام مفاد کے کسی معاملے میں تحریک پیش کرے۔ ان مباحثوں کے قواعد و ضوابط بھی بیشتر وہی ہیں جو کہ مالی کیفیت کے مباحثہ کے ہیں۔ لیکن زیادہ آزادی ملتی ہے اور ترمیمات پیش کرنے کی بھی اجازت ہے ہاں جو تحریکات عام مفاد کے مخالف ہوں ان کے مباحثہ کی اجازت دینے سے صدر انکار کرسکتا ہے۔ اور اگر تحریکات منظور ہو بھی جائیں تو ان کی حیثیت انتظامی مجلس کے نزدیک محض ایک مشورہ یا سفارش کی سی ہوگی۔

حق سوالات

امور سلطنت کے متعلق سوالات دریافت کرنے کا جو حق بہ پابندی چند شرائط ۱۸۹۲ء میں حاصل ہوا ۱۹۰۹ء کے قانون مجالس میں اس کی اور توسیع ہوگئی۔ اصلی سوال میں جس معاملہ کی اطلاع کے واسطے درخواست کی جائے اسی کی مزید تشریح کے واسطے زاید سوالات دریافت کرنے کی بھی اجازت مل گئی۔ لیکن سوالات خواہ اصلی ہوں خواہ زاید، بہ پابندی چند شرائط صرف خاص خاص امور کے متعلق دریافت ہو سکتے ہیں۔ سوال اس وضع کا ہونا چاہیئے، کہ معلوم ہو کسی اطلاع کی درخواست ہے نہ یہ کہ کسی اظہار رائے کی درخواست ہے اگر اطلاع بغیر کوئی زاید سوال دریافت کیا جائے تو رکن متعلقہ کو اختیار ہے کہ جواب دینے سے انکار کردے نیز صدر کو اختیار ہے کہ جس سوال کو مفاد عام کے خلاف سمجھے اس کی اجازت نہ دے۔

مجلس انتظامی کی حیثیت

پس ہندوستانی دستور میں انتظامی مجلس کی حیثیت بہت

زبردست ہے۔ رقم یعنی محاصل و مصارف اس کے ہاتھ میں ہے۔ باب ۔۷
صرف یہ ممکن ہے کہ مباحثہ کے شروع میں جب مالی کیفیت
پیش ہو تو بہ پابندئ چند شرائط مجلس وضع قانون میں ترمیم کی
تحریکیں پیش ہوں۔ لیکن وہ مشورہ شمار ہوں گی اور بس حکومت
پر نکتہ چینی کرنے کی جو اجازت ہے اس پر بھی بہت سی شرطیں
لگی ہوئی ہیں۔ مجلس وضع قانون جو قانون بھی پاس کرے گورنر
جنرل باجلاس کونسل یا بادشاہ بذریعۂ وزیر ہند اس کو چاہے تو
منسوخ کر سکتا ہے۔ گورنر جنرل کو یہ بھی اختیار ہے کہ اہم اور
نازک موقعوں پر اپنی طرف سے احکام اور فرامین جاری کرے
جن کی حیثیت قانون کی سی ہوگی اور جو عدالتوں میں چھ مہینے
تک نافذ رہ سکیں گے۔ لیکن یہ غیر معمولی اختیارات شاذ و نادر
عمل میں آئے ہیں۔

صوبوں کی مجالس وضع قوانین کی سرگزشت بھی شاہی مجلس صوبہ دار
سے بہت ملتی جلتی ہے۔ ۱۸۵۳ء میں جب شاہی مجلس از سر نو مجالس
مرتب ہوئی تو مدراس اور بمبئی کی حکومتوں کے اختیارات
وضع قوانین سلب کر لئے گئے لیکن ۱۸۶۱ء میں پھر دونوں صوبوں
میں مجالس قائم ہوگئیں۔ اور بعد کو بنگال صوبۂ متحدہ جو پنجاب
اور برما میں بھی ۱۹۱۲ء میں بہار و اڈیسہ کے نئے صوبہ کے
واسطے مجلس وضع قوانین تجویز ہوئی۔ اور کچھ عرصہ بعد صوبہ متوسط
کے واسطے جو کہ اس وقت تک چیف کمشنر کے تحت میں تھا۔ ۱۸۹۲ء
میں مختلف اراکین کی تعداد بھی بڑھا دی گئی۔ مدراس اور

باب ۔۷ بمبئی کی مجلس میں ان کی زیادہ سے زیادہ تعداد بیس قرار پائی اور صوبہ متحدہ کی مجلس میں ۔ اور نیز بعد کو پنجاب ۔ اور برما کی مجالس میں پندرہ پندرہ ۔ یہ بھی ضرور تھا کہ کم از کم نصف زائد رکن مدراس اور بمبئی کی مجلس میں غیر سرکاری ہوں اور ایک ثلث صوبہ متحدہ پنجاب اور برما کی مجالس میں اور ۱۹۰۹ء سے قبل بھی کچھ سال تک بمبئی کی مجلس میں غیر سرکاری اراکین کی کثرت رہی ۱۹۰۹ء کے قانون میں صوبہ دار مجالس کے اراکین کی تعداد بہت بڑھ گئی ۔ اور تمام صوبوں میں سرکاری اراکین کی کثرت توڑ دی گئی ۔ چنانچہ ۱۹۱۶ء کا ذکر ہے کہ بمبئی کی مجلس میں بقدر بیس غیر سرکاری اراکین کی کثرت تھی ۔ اراکین یا تو منتخب ہوتے ہیں یا نامزد ۔ منتخب شدہ اراکین کی تعداد بھی ہر صوبہ میں مختلف ہے ۔ بنگال میں اٹھائیس ۔ مدراس میں اکیس ۔ پنجاب میں آٹھ ۔ برما میں ایک ۔ بمبئی میں اکیس اراکین کا انتخاب حسب ذیل عمل میں آیا :۔

(۱) بمبئی کی بلدیہ	۱ ۔	رکن
(۲) اضلاع کے بلدیئے	۴ ۔	رکن
(۳) مجالس اضلاع	۴ ۔	رکن
(۴) بمبئی یونیورسٹی	۱ ۔	رکن
(۵) بمبئی کا ایوان تجارت	۱ ۔	رکن
(۶) کراچی کا ایوان تجارت	۱ ۔	رکن

(۷) ہندوستانی لوگوں کی تجارتی جماعت	۱	—	رکن باب ۔۷
(۸) انجمن کارخانہ داران بمبئی و انجمن کارخانہ داران احمد آباد کی طرف یکے بعد دیگرے ۔	۱	—	رکن
(۹) مسلمان	۴	—	رکن
(۱۰) دکن کے سردار لوگ	۱	—	رکن
(۱۱) گجرات کے سردار لوگ	۱	—	رکن
(۱۲) سندھ کے جاگیردار	۱	—	رکن
کل مجموعہ	۲۱	—	رکن

برما کے سوا تمام صوبوں کی مجالس میں مسلمانوں کیواسطے جداگانہ تعداد مخصوص ہے اور برما میں جو غیر سرکاری رکن نامزد کئے جاتے ہیں وہ ہندوستانی، چینی اور برمی جماعتوں کے نمائندے ہوتے ہیں ۔ مدراس، بمبئی، بنگال، صوبہ متحدہ اور پنجاب میں مقامی یونیورسٹی بھی ایک رکن منتخب کرتی ہے۔ اکثر مجالس میں زمینداروں کی بلدیات اور مجالس اضلاع کے نمائندے بھی شریک رہتے ہیں ۔بعض خاص خاص جماعتون کے نمائندے بھی شامل کئے جاتے ہیں مثلاً مدراس میں کوٹھی والوں کی جماعت سے یا مشرقی بنگال میں چاء اور جوٹ (سن) کے کار و بار والوں کی طرف سے بھی اراکین شریک ہوتے ہیں ۔ امیدواروں اور رائے دہندوں کے اوصاف اور طریق انتخاب کے متعلق قواعد و ضوابط مرتب ہو گئے ہیں ۔جو حکام مہتمم انتخاب ہوتے ہیں وقتاً فوقتاً انتخابی فہرستوں پر نظرثانی

باب۔۷ کرکے ان کو سرکاری گزٹ جریدے میں شائع کرتے رہتے ہیں۔
صوبوں کی صوبوں کی مجالس کے اختیارات اچھے خاصے وسیع ہیں۔
مجلس کے شاہی مجلس پر جو قیود لگائی ہیں وہی صوبہ کی مجالس پر عائد
اختیارات ہوتی ہیں یہ مجالس گورنر جنرل کی اجازت بغیر نہ ایسا کوئی
قانون پاس کرسکتی ہیں اور نہ انپر غور کر سکتی ہیں جو حکومت ہند
کے قرض عام یا مالی معاملات سے متعلق ہوں یا زر ڈاک خانہ
تار، قانون تعزیرات ہند، یا شاہ معظم کی افواج یا بیڑے کی
ترتیب اور اہتمام سے متعلق ہوں نیز مقامی حکومت کوئی مسودہ
قانون مجلس میں پیش نہیں کرسکتی۔جب تک کہ اول وہ
حکومت ہند میں پیش کرکے ابتدائی اجازت نہ حاصل کرلے جو
قانون صوبہ کی مجلس میں پاس ہو اس کے واسطے صوبہ کے
گورنر یا لفٹنٹ گورنر نیز گورنر جنرل کی منظوری حاصل
کرنی لازمی ہے۔ اور چاہے تو بادشاہ بھی بذریعۂ وزیر ہند
اس کو نا منظور کردے۔ مسودہ پیش کرنے، منتخب کمیٹی
کے سپرد کرنے، اور پاس کرنے کا طریق وہی ہے جو شاہی
مجلس کے سلسلہ میں اس سے قبل بیان ہوچکا ہے۔کیا شاہی
حکومت اور کیا صوبہ دار حکومت، مجلس وضع قوانین ہر جگہ
انتظامی مجلس کی ماتحت ہے۔ مدراس اور بمبئی میں تو گویا انتظامی
مجلس کو وضع قوانین کی غرض سے توسیع دیکر مجلس وضع قوانین
بنا دیا ہے۔ بنگال میں ۱۹۰۹ء کے قانون کی روسے ایک
انتظامی مجلس قائم ہوگئی ہے۔ پس یہاں بھی مجلس وضع قوانین

کی بنا وہی ہے جو مدراس اور بمبئی میں ہے ۱۹۱۲ء میں بہار و باب۔،
اڑیسہ میں بھی ایک انتظامی مجلس قائم ہوئی جس کے مجلس
وضع قوانین سے وہی تعلقات ہیں جو دوسرے صوبون میں پہلے سے
چلے آتے ہیں۔ جہاں جہاں مجلس وضع قوانین قائم ہے مقامی
حکومت کی سالانہ مالی کیفیت پر بحث مباحثہ کرنے، عام مفاد
کے متعلق تحریکیں پیش کرنے، اور امور سلطنت کے بارہ میں
سوالات کرنے کے متعلق قواعد وضوابط مرتب ہوگئے ہیں۔ یہ
قواعد بھی بیشتر وہی ہیں جو شاہی مجلس میں رائج ہیں۔ البتہ
ایک شرط زائد ہے وہ یہ کہ کسی ایسے معاملہ کے متعلق کوئی
تحریک منظور نہ ہو سکے گی جو صوبہ کی حکومت کے اختیار سے
باہر ہے۔

آٹھواں باب

محکمۂ عدالت

پہلے زمانہ کی عدل گستری

اپنی حکومت کے ابتدائی زمانہ میں کمپنی نے بس اسیقدر عدل گستری کی کہ یورپین لوگوں کے باہمی معاملات فیصل کرنے کے واسطے عدالتیں قائم کردیں۔ البتہ اٹھارویں صدی کے شروع میں تینوں پریزیڈنسی شہروں یعنی کلکتہ، بمبئی اور مدراس میں حاکم بلدی کی عدالتیں قائم ہوئیں جن کے فیصلوں کا مقامی حکومت میں مرافعہ دائر ہو سکتا تھا اور بعض بعض صورتوں میں نیز بادشاہ باجلاس کونسل کے ہاں دائر ہونا ممکن تھا۔ جب دیوانی کمپنی کے سپرد ہوئی تو کلائیو نے حکومت کا اور طریق نکالا جس کو دوہری حکومت سے تعبیر کرتے ہیں۔ عدالتہائے فوجداری تو نواب کے ہاتھ میں رہیں جہاں شرع شریف کے بموجب قاضی فیصلہ کرتے تھے اور تحصیل مالگزاری و عدالتہائے دیوانی کمپنی کے تحت میں آگئیں۔ لیکن کام سب ہندوستانی

باب۔۸

جج ہی انجام دیتے تھے۔ یہ طریق بہت جلد ناکامیاب وغیرمفید ثابت ہوا۔ وارن ہیسٹنگس جب مدراس سے کلکتہ پہنچا تو اسکی انتظامی قابلیت کے جوہر کھلے۔ اور جب تک ہندوستان میں رہا اس کی قابلیت اعلیٰ ثابت ہوتی رہی۔ منجملہ اور چیزوں کے عدالتوں کی ترمیم اور اصلاح ہوئی۔ اضلاع کی مقامی عدالتہائے دیوانی کمپنی کے اعلیٰ عہدہ داروں یعنی کلکٹروں کے تحت میں آگئیں۔ اور ہندو و مسلمان جج ان کی مدد کیواسطے تعینات ہوئے۔ چھوٹے چھوٹے مقدمات کے ماتحت جج مقرر کردئے گئے۔ بالادست عدالتوں میں اول تو صوبوں کی عدالتہائے مرافعہ تھیں اور سب کے بعد صدر دیوانی عدالت نیز فوجداری عدالتیں کلکٹر کے تحت میں آگئیں۔ لیکن کام اب بھی قاضیوں کے ہاتھ میں رہا البتہ ایک صدر نظامت عدالت یعنی فوجداری عدالت مرافعہ اور قائم ہوگئی۔

عدالتی اختیارات کا تناقض

کچھ عرصہ بعد قانون تنظیم یعنی ریگولیٹنگ ایکٹ پاس ہوا جس میں سیاسی حکومت کی اصلاح کرنیکے علاوہ عدالتی معاملات سے بھی بحث تھی۔ کلکتہ میں ایک عدالت العالیہ قایم ہوئی جس میں ایک میر مجلس اور تین رکنوں کا بادشاہ کیطرف سے تقرر ہوا۔ اسی قسم کی عدالت ۱۸۰۱ء میں بمقام مدراس اور ۱۸۲۳ء میں بمقام بمبئی قائم ہوئی۔ چار ہزار روپیہ سے زائد مالیت کے مقدمات کا مرافعہ بادشاہ باجلاس کونسل کے ہاں دائر ہو سکتا تھا۔ لیکن یہ قانون کئی لحاظ سے مبہم تھا۔

باب۔۸ اس میں اول تو عدالتوں اور انتظامی محکمہ کے تعلقات واضح نہیں تھے اور نہ یہ صراحت تھی کہ عدالت العالیہ کو ملازمانِ کمپنی کے اُن افعال پر کیا اختیارات حاصل تھے جو سرکاری فرائض کی انجام دہی میں ان سے سرزد ہوتے تھے وارن ہیسٹنگس کے زمانہ میں عدالت العالیہ اور سرکار کے مابین اختیارات کے بارے میں بہت ردوقدح ہوئی تو قانون میں کچھ ترمیمات کردی گئیں جنکا نتیجہ یہ ہوا کہ سرکار کے دست بازو قوی ہوگئے۔ قانون میں یہ امر بھی مبہم رہ گیا تھا کہ کونسا قانون نافذ رہنا چاہئے۔ عدالت العالیہ میں تو انگریزی اصول اور ضابطہ کے بموجب مقدمات فیصل ہوتے تھے اور صدر عدالتیں حتی الامکان شرع شریف اور شاستروں پر کاربند رہتی تھیں۔ البتہ ان قواعد کو ضرور ملحوظ رکھتی تھیں جو وقتاً فوقتاً سرکار نے مقرر کردئے تھے حالانکہ عدل و انصاف کے متعلق جو جو اصول ان عدالتوں کے پیش نظر رہتے تھے ان میں بہت کچھ تناقض تھا اور قوانین بھی مختلف تھے تاہم وہ چند سال پہلو بہ پہلو کام کرتی رہیں۔ نتیجہ یہ ہوا کہ عدل گستری میں بہت بدنظمی پیدا ہوگئی۔ سرجان اسٹریچی کا قول ہے کہ ہندوستان کے بیشتر صوبوں میں قانون اور ضابطۂ فوجداری بہت خلط ملط تھا اور وہ مبنی تھا شرع شریف پر جس کو خود انگریزی سرکار کے قواعد، انگریزی قانون اور عدالت العالیہ کے فیصلوں اور ہدایتوں نے نافذ اور بحال رکھا۔ دیوانی عدالتوں

کا حال اور بھی ابتر تھا۔ سرجان اسٹریچی کا خیال ہے کہ باب۔۸
عدالتہائے دیوانی کا خاص کام عدل گستری کے بجائے ضابطہ
اور رسم کا پورا کرنا تھا۔

قوانین دیوانی و فوجداری

دیوانی اور فوجداری قوانین کی تدوین اور عدالتوں کی نئی ترتیب سے دو اصلاحیں ناگزیر قرار پائیں۔ جیسا کہ اوپر بیان ہوچکا ہے ابتک دو طریق پہلو بہ پہلو رائج تھے۔ چند در چند وجوہات کی بنا پر سرکار انگریزی کو شرع شریف اور شاستروں کی تنسیخ گوارا نہ تھی۔ جو اصول اس کے پیش نظر تھا وہ یہ کہ حتی الامکان ملک کے قوانیں اور رسوم کا ادب اور لحاظ کرنا چاہئے۔ اس دشواری کا بہترین حل یہ نظر آیا کہ ایسے قوانین وضع کئے جاویں جن میں ہر دو یعنی مشرقی اور مغربی طریق کی خوبیاں مجتمع ہو جاویں۔ پس یہ تحقیق کرنا ضرور ہوا کہ انصاف اور رحم کی ضروریات مد نظر رکھ کر شرع شریف اور شاستروں کے کس قدر احکام برقرار رہنے کے قابل ہیں۔ ۱۸۳۳ء میں اس کام کی نگرانی کے واسطے کونسل میں ایک چوتھا ممبر مقرر ہوا۔ لارڈ میکالے چار سال تک اس عہدہ پر رہے اور یہ انہی کی کوششوں کا نتیجہ تھا کہ بیس سال بعد تعزیرات ہند اور ضابطہ فوجداری مکمل ہو گئے۔ قوانین دیوانی کی تدوین کا معاملہ اور بھی زیادہ دشوار تھا اور اس کام کے واسطے یکے بعد دیگرے تین کمیشن بیٹھے۔ بہت سے اہل قلم ان قوانین کی اعلیٰ خوبیوں کے معترف ہیں۔ ضابطہ فوجداری کے

باب-۸ ذکر میں سر جان اسٹریچی لکھتے ہیں کہ ہندوستان کے قوانین میں کوئی قانون اس سے زیادہ اہم نہیں، کیونکہ جو کل امن و امان قائم رکھتی ہے اور جرائم کا سدباب اور انسداد کرتی ہے وہ اسی کے مطابق چلتی ہے۔ اس میں خاص کر امور ذیل کی صراحت اور تفصیل درج ہے۔ فوجداری عدالتوں کی تنظیم اور ان کے جداگانہ اختیارات تعزیرات ہند اور دیگر قوانین کے ان جرائم کی ترتیب جنکی کوئی عدالت یا ناظم فوجداری تحقیقات کرسکتا ہے۔ پولیس کی تفتیش کے طریق، ناظم فوجداری کے ہاں سے حکمنامہ گرفتاری ملنے پر یا اس کے بغیر گرفتار کرنیکے اختیارات جو پولس کو حاصل ہیں۔ امن وامان قائم رکھنے اور خلاف قانون مجمع روکنے اور امور باعث تکلیف عامہ رفع کرنے کی کارروائی۔ ملزموں کو ناظم فوجداری کی عدالت میں پیش کرنے تحقیقات کرنے اظہار قلمبند کرنے اور ملزم کو عدالت بالا کے سپرد کرنے کے طریق جوری یا اسیسروں کی موجودگی میں مقدمات تحقیقات کرنے مرافعہ دائر کرنے اور عدالت بالا کی جانب سے تجویز پر نظر ثانی اور احکام صادر ہونے کے قواعد۔ اسی طرح اور بہت سے معاملات جن کو ضابطہ فوجداری سے کم و بیش تعلق ہے۔ مندرجہ بالا اجمال سے کچھ اندازہ ہو سکتا ہے کہ ضابطہ فوجداری میں کیسے اہم معاملات درج ہیں۔ ہندوستاں کے فوجداری و دیوانی قوانیں اور عدالتوں کے بیان میں چیلی صاحب فرماتے

ہیں کہ نہ صرف جج اور وکلاء بلکہ چھوٹے بڑے عہدہ دار خواہ وہ باب-۸
انگریز ہوں یا ہندوستانی جس قانون کے زیر اثر رہتے ہیں
اس سے اچھی طرح واقف ہیں اور وہ خوب سمجھتے ہیں کہ کس
چیز کی اجازت ہے اور کس کی ممانعت ہے" قوانین پر کبھی
کبھی نظر ثانی ہوتی رہتی ہے۔ سر جیمس اسٹیفن نے ۱۸۷۲ء میں
قوانین میں جو اضافے کئے وہ خاص طور پر قابل لحاظ ہیں۔

ہائی کورٹ

۱۸۶۱ء میں جب ہندوستانی ہائی کورٹوں یعنی عدالتہائے عالیہ
کا قانون منظور ہوا تو بڑی بڑی تبدیلیاں عمل میں آئیں۔ قدیم
عدالتیں تو غائب ہوگئیں اور ان کی بجائے کلکتہ مدراس
اور بمبئی میں ایک ایک ہائی کورٹ قائم ہوا اور کچھ عرصہ
بعد ایک ہائی کورٹ الہ آباد میں۔ البتہ پنجاب اور رنگون
میں چیف کورٹ قائم ہیں جس کے جج شاہی حکم سے نہیں
بلکہ منجانب گورنر جنرل باجلاس کونسل مقرر ہوتے ہیں۔ ۱۹۱۲ء
میں بہار و اڈیسہ کے واسطے بھی ایک جداگانہ ہائی کورٹ
منظور ہوا اور ۱۹۱۶ء میں قائم بھی ہوگیا۔ دوسرے غیر آئینی
صوبوں میں جوڈیشل کمشنر ہائی کورٹ کا قائم مقام سمجھا جاتا
ہے چنانچہ سندھ اور اودھ میں ابتک ایک ایک جوڈیشل
کمشنر موجود ہے۔ ہائی کورٹ کے جج بادشاہ کی طرف سے
مقرر ہوتے ہیں ان کی تنخواہوں اور وظیفوں کے متعلق قواعد
و ضوابط موجود ہیں۔ وزیر ہند باجلاس کونسل ان پر نظر ثانی
کرسکتا ہے لیکن سابق مقرر شدہ ججوں کی حیثیت پر کسی

عدالت عا

باب۔۸ ما بعد ترمیم کا اثر نہیں پڑ سکتا۔ہندوستانی سول سروس کے رکن جنکو دس سال کی قدامت حاصل ہو اور جو بحیثیت ضلع کے جج ہونے کے تین سال کا عدالتی تجربہ رکھتے ہوں، انگلستان اور آئرلینڈ کے بیرسٹر، اسکاٹلنڈ کی فیکلٹی آف اڈووکٹس کے ممبر، جنکو پانچ سال کی قدامت حاصل ہو یا جنکو ہندوستان میں بحیثیت ماتحت جج کچھ تجربہ حاصل ہوچکا ہو یا جنھوں نے کم از کم دس سال تک ہائی کورٹ میں بیرسٹری کی ہو یہ سب ہائی کورٹ کے جج بننے کے قابل شمار ہوتے ہیں چیف جسٹس یا میرمجلس بیرسٹر ہوتا ہے جس میں سب ضروری اوصاف ہونے شرط ہیں۔لیکن منصرمانہ طور پر موجودہ کارگزار ججوں میں سے کوئی بھی مقرر ہو سکتا ہے۔ یہ بھی ضرور ہے کہ کم از کم یک ثلث جج تو ہندوستانی سول سروس کے رکن ہوں اور کم از کم ایک ثلث ایسے بیرسٹر یا اڈووکیٹ ہوں جنہیں مندرجہ بالا اوصاف موجود ہوں۔

عدالت عالیہ کے اختیارات

پریزیڈنسی شہروں میں ان حدود کے اندر اندر جنکو وقتاً فوقتاً مقامی حکومت معین کرتی رہتی ہے عدالتہائے عالیہ کو دیوانی اور فوجداری کے مقدمات میں ابتدائی سماعت کے اختیارات بھی حاصل ہیں البتہ الہ آباد کی عدالت عالیہ کو صرف ان فوجداری مقدمات کی ابتدائی سماعت کا اختیار حاصل ہے، جن میں یوروپین لوگ ماخوذ ہوں۔ صوبہ کے اندر اندر جس قدر ماتحت عدالتیں ہوں خواہ دیوانی خواہ فوجداری سب کے

مرافعہ الہی عدالتہائے عالیہ میں دائر ہوتا ہے علاوہ ازیں وصیتوں اور دیوالئے سے جس قدر امور متعلق ہوں ان میں اور عیسائیوں کے طلاق کے معاملات میں کل اختیار عدالت عالیہ کے سپرد ہیں۔ عدالت عالیہ کو نہ تو مالگذاری کے معاملات میں کوئی ابتدائی اختیار حاصل ہے اور نہ تحصیل مالگذاری کے باب میں جبتک کہ تحصیل قواعد جاریہ کے مطابق عمل میں آئے گورنر جنرل، گورنر اور انتظامی کونسل کے ممبر تمام افعال میں جو سرکاری خدمات کے انجام دینے میں ان سے سرزد ہوں عدالت عالیہ کے اختیارات سے مستثنیٰ ہیں اور نہ وہ گرفتار یا قید ہو سکتے ہیں۔ عدالت العالیہ کے میر مجلس اور اراکین کو بھی معافی حاصل ہے میر مجلس کو اختیار ہے کہ جو مقدمات عدالت العالیہ میں دائر ہوں انکی سماعت مختلف ججوں کے سپرد کرے۔ باب-۸

عدالت العالیہ کو اول تو یہ اختیار حاصل ہے کہ تمام ادنیٰ عدالتوں پر نگرانی رکھے اور دوسرے یہ کہ بمنظوری مجلس انتظامی ایسے قواعد بنائے کہ جن پر عمل کرنے سے ان عدالتوں کو کام میں سہولت ہو۔ ماتحت عدالتوں میں جس قدر مقدمات دائر ہوتے ہیں ان کے اظہار قلمبند کرلئے جاتے ہیں اور عدالت العالیہ جب چاہے ان کو طلب کرکے عدالتوں کی کارروائی پر نظر ثانی کرسکتی ہے۔ اس کو یہ بھی اختیار ہے کہ عدالت ماتحت سے مسل

اختیارات نگرانی و سماعت مرافعہ۔

باب ۸ طلب کرلے یا جواب طلب کرے یا کوئی مقدمہ ایک عدالت سے کسی دوسری ہم رتبہ یا بالاتر عدالت میں منتقل کردے عدالت عالیہ کے حکم سے ماتحت جج معطل تو ہو سکتا ہے مگر آخری سزا مقامی حکومت کے ہاتھ میں ہے اور عدالت عالیہ کا فرض ہے کہ جو الزام ماتحت جج پر لگائے جائیں ان کی اطلاع مقامی حکومت کو کردے۔ عدالت عالیہ ابتدائی سماعت کے مقدمات میں جو فیصلہ کرے اس کا مرافعہ عدالت عالیہ کے دو یا زیادہ رکنوں کے روبرو پیش ہوتا ہے بعض عدالتوں میں یہ بھی ممکن ہے کہ ہائی کورٹ یا چیف کورٹ یا جوڈیشل کمشنر کے فیصلہ کا مرافعہ پریوی کونسل کی عدالتی کمیٹی میں دائر ہو گویا وہ ہندوستان اور نوآبادیوں کے مقدمات کے واسطے شاہی عدالت مرافعہ کا حکم رکھتی ہے۔

قانون فوجداری — قانون فوجداری کا عمل مختلف صوبوں میں کسی قدر مختلف ضرور ہے لیکن خاص خاص باتیں سب جگہ یکساں ہیں۔ اکثر صوبوں میں فوجداری عدالتوں کے سات درجے ہیں۔

(۱) ہائیکورٹ یا عدالت عالیہ پریزیڈنسی شہروں کے فوجداری مقدمات اور نیز دیگر عدالتوں کے مرافعوں کیواسطے۔

(۲) عدالت سشن۔

(۳) عدالت ناظم فوجداری درجہ اول۔

(۴) پریزیڈنسی شہروں میں پریزیڈنسی ناظم فوجداری کی

عدالت اور دوسرے شہروں میں بلدی ناظم فوجداری کی عدالت۔ باب - ۸

(۵) عدالت ناظم فوجداری درجہ دوم۔

(۶) عدالت ناظم فوجداری درجہ سوم۔

(۷) اعزازی ناظم فوجداری درجہ اول و دوم و سوم کی عدالتیں۔

ان عدالتوں کے باہمی تعلقات، ان کا اندرونی نظام اور ہر ایک کا طریق عمل، یہ سب کچھ ضابطہ فوجداری کے تحت میں ہے۔ ہر ایک ضلع میں ایک عدالت سشن ہے اس میں ایک سشن جج رہتا ہے۔ کہیں کہیں اس کی مدد کے واسطے زاید سشن جج یا مددگار سشن جج مقرر کر دیا جاتا ہے ان ججو نکا بیشتر کام وہی ہے جو ولایت میں عدالت اسائز کے جج کا ہوتا ہے۔ جس قدر مقدمات ان کے سپرد ہوتے ہیں وہ انکی سماعت کرتے ہیں۔ اور انتہائی قسم کی سزا تجویز کرسکتے ہیں البتہ ان کے فیصلوں کا مرافعہ ہو سکتا ہے اور سزائے موت میں عدالت عالیہ کی منظوری لازمی ہے۔ عدالت سشن کے بعد نظمائے فوجداری کی عدالتیں ہیں جن کے چند درجے ہیں۔ پریزیڈنسی مجسٹریٹ کو جنکی عدالتین پریزیڈنسی شہروں میں قائم ہیں اور نیز دیگر مقامات کے ناظم فوجداری درجہ اول جنکو دو سال کی قید اور ہزار روپیہ جرمانہ تک اختیار حاصل ہے اور غیر آئینی صوبوں میں ان کے اختیارات اس سے بھی زیادہ ہیں ناظم درجہ دوم کے اختیارات چھ مہینے کی سزا اور دوسو

روپیہ جرمانہ تک محدود ہیں ۔ ناظم درجہ سوم کے اختیار ہیں ایک مہینے کی قید اور پچاس روپیہ جرمانہ سے زیادہ کچھ نہیں بالعموم کلکٹر اسسٹنٹ کلکٹر اور ڈپٹی کلکٹر اول درجہ کے ناظم فوجداری ہوتے ہیں ۔ تحصیلداروں کو اور بمبئی میں معاملتداروں کو درجہ دوم کے اختیار حاصل ہوتے ہیں اور صدر قانون گو درجہ سوم کے ناظم فوجداری بن جاتے ہیں ۔ سب ناظم فوجداری مقامی حکومت کے حکم سے مقرر ہوتے ہیں اور حاکم ضلع کے تحت میں رہتے ہیں خواہ وہ کلکٹر کہلائے یا ڈپٹی کمشنر ۔ بڑے بڑے شہروں میں آنریری مجسٹریٹوں یا اعزازی ناظموں سے بہت کام نکلتا ہے کمتر اہمیت کے مقدمات ان کے سپرد ہو جانے سے دوسری عدالتوں میں کام کا ہجوم بہت کم ہو جاتا ہے ۔ ہندوستان کے بعض حصوں میں پٹیلوں کو بھی خفیف سے فوجداری اختیارات حاصل ہیں اور چھوٹے چھوٹے جرائم کی وہ خود ہی سزا دے سکتے ہیں ۔

کم تعزیر کے مقدمے

انگلستان کے مقابل ہندوستان میں مرافعہ کے زیادہ موقعے حاصل ہیں ۔ ناظم فوجداری درجہ دوم و سوم کے فیصلوں کا مرافعہ حاکم ضلع یا کسی ناظم درجہ اول کے ہاں دائر ہوتا ہے ۔ ناظم درجہ اول کے فیصلونکا مرافعہ سشن جج کے روبرو پیش ہوتا ہے اور خود عدالت عالیہ سشن جج کے فیصلوں کا مرافعہ سماعت کرتی ہے اگر یہ شبہہ ہو کہ کسی عدالت ماتحت میں کوئی بے ضابطگی عمل میں آئی تو عدالت العالیہ کو اختیار ہے کہ مسل طلب

مرافعہ اور اس کی کارروائی

کرکے تحقیقات کرے اور ضرورت ہو تو عدالت ماتحت کا فیصلہ بدل دے۔ صرف گورنر جنرل اور متعلقہ مقامی حکومت کو عفو کا منصب حاصل ہے۔ ہندوستان میں فوجداری مقدمات کی سماعت کبھی کبھی جوری کے روبرو ہوتی ہے لیکن یہاں جوری کا طریق انگلستان کے طریق سے کسی قدر مختلف ہے۔ ہائیکورٹ میں جوری کی تعداد نو رہتی ہے اور دوسری عدالتوں میں حسب تجویز مقامی حکومت ان کی تعداد نو کے اندر اندر طاق رہتی ہے۔ انگلستان کی طرح ہندوستان میں جوری کا متفق الرائے ہونا ضروری نہیں۔ جوری کے طریق کے متعلق بہت سی شکائتیں سننے میں آتی رہتی ہیں اور اس میں شک نہیں کہ بہت سے ملکوں میں معتبر جوری ملنے دشوار ہیں۔ ہندوستان میں بھی دشواری پیش آتی ہے چنانچہ اسی وجہ سے بہت سے اضلاع میں جوری مقرر ہی نہیں ہوتے ان کی جگہ ایسسر کام کرتے ہیں جن کی رائے سے جج کو مدد ملتی ہے مگر وہ اسکو پابند نہیں کرسکتے۔ مزید براں اگر جوری کی رائے سراسر غلط معلوم ہو تو سشن جج کو اختیار ہے کہ انکی رائے نظرثانی کے واسطے ہائی کورٹ میں پیش کردے۔ یہ جو قاعدہ ہے کہ کل فوجداری مقدمات کی سماعت ہائیکورٹ میں جوری کے روبرو ہو، ایک صورت اس سے مستثنیٰ ہے۔ جو لوگ سلطنت کے خلاف کوئی جرم کریں انکے مقدمات کی سماعت کے واسطے ۱۹۰۸ء کے قانون ترمیم تعزیرات ہند میں ایک

باب۔۸ خاص ضابطہ مقرر کیا گیا ہے۔ تین جج ملکر ایسے مقدمات کا فیصلہ کرسکتے ہیں، لیکن سب سے پہلے گورنر جنرل یا مقامی حکومت سے منظوری حاصل کرنی ضرور ہے۔ ہندوستان میں ناگہانی اموات کی تحقیق حسب الحکم ناظم فوجداری پولس انجام دیتی ہے۔ لیکن کلکتہ اور بمبئی میں اس کام کے واسطے ایک ایک کورونر اور اس کی مدد کے واسطے جوری بھی مقرر ہے۔

عدالتہائے دیوانی

فوجداری عدالتوں کی طرح دیوانی عدالتوں کی ترتیب بھی مختلف صوبوں میں کسی قدر مختلف ہے اور ان کے ناموں میں بھی کچھ فرق ہے سرسری طور پر دیوانی عدالتوں کے درجے حسب ذیل سمجھنے چاہئیں۔

(۱) ہائیکورٹ یا عدالت العالیہ۔

(۲) عدالت ضلع۔

(۳) عدالت خفیفہ۔

(۴) عدالت ماتحت جج درجہ اول۔

(۵) عدالت ماتحت جج درجہ دوم

پریزیڈنسی شہروں کی حدود کے اندر کل دیوانی مقدمات بالعموم عدالت العالیہ میں دائر ہوتے ہیں لیکن اس خیال سے کہ مقدمات جلد فیصل ہوں اور مصارف بھی کم پڑیں عدالتہائے خفیفہ قائم کر دی گئی ہیں۔ بہ پابندی چند شرائط ان عدالتوں کو دو ہزار روپیہ تک کے مقدمات کی سماعت کا اختیار حاصل ہے۔ اور بعض حالتوں میں اگر فریقین رضامند ہوں تو اس

سے زیادہ رقم کے مقدمات بھی سماعت کر سکتی ہیں - ان کی مثال انگلستان کی کاونٹی عدالتوں کی سی ہے - یہ ہر دو قسم کی عدالتیں بہت کار آمد ثابت ہوئیں، مقدمات کے فیصلوں کی تعداد بڑھ گئی اور مصارف بہت گھٹ گئے عدالت خفیفہ کے فیصلوں کا مرافعہ نہیں ہے - البتہ بعض صورتوں میں جج چاہے تو عدالت بالا کو رجوع کرے - اضلاع میں بھی ایسی عدالتیں قائم ہیں مگر ان کے اختیارات سماعت بڑے شہروں کی عدالتوں سے کم ہیں -

جج ضلع

جیسا کہ بیان ہوچکا ہے جج ضلع اور سشن جج اول توفوجداری جج ہیں - لیکن اس کے علاوہ ضلع کی ماتحت دیوانی عدالتوں کے انتظام کے بھی وہی ذمہ دار ہیں اور ان عدالتوں میں کام تقسیم کرنا بھی انہی کے سپرد ہے - قاعدہ یہ ہے کہ ادنیٰ ترین عدالت مجاز مقدمہ سماعت کرتی ہے - ماتحت ججوں کے بھی چند درجے معین ہیں - اور سب اپنے اپنے درجہ کی معینہ رقم تک مقدمات سماعت کرتے ہیں - بعض صوبوں میں دیہاتی منصف مقرر ہیں جو چھوٹے چھوٹے مقدمات فیصل کرتے ہیں اور بہ رضامندی فریقین زیادہ اہم معاملات بھی ان کے ہاں پیش ہو سکتے ہیں - ماتحت ججوں کے فیصلوں کا مرافعہ جج ضلع کی عدالت میں دائر ہوتا ہے اور بعض صورتوں میں جبکہ رقم کثیر ہو براہ راست عدالت العالیہ میں بھی دائر ہوسکتا ہے - اسی طرح جج ضلع کے ابتدائی فیصلوں کا مرافعہ عدالت العالیہ میں ہوتا ہے اور قانونی

باب۔۸ نکات کے معاملہ میں اس کے فیصلہ مرافعہ کا مرافعہ بھی وہاں دائر ہوسکتا ہے۔

پورپین رعایااور عدالتی

بہت سے عدالتی عہدے خود ہندوستانیوں کے ہاتھ میں ہیں جیسا کہ اوپر بیان ہوچکا ہے ہندوستانی ہائیکورٹ کے جج بھی مقرر ہو سکتے اور ہوتے ہیں۔جج ضلع اور سشن جج کے عہدوں پر تو بالعموم ہندوستان سول سروس کے رکن تعینات ہوتے ہیں لیکن ان کے ماتحت عدالتی عہدوں پر بیشتر ہندوستانی ہی مقرر ہوتے ہیں۔ ہندوستان کی عدالتوں میں برطانوی یورپین رعایا کی جو حیثیت ہے اس کا مختصر بیان ضروری معلوم ہوتا ہے۔ دیوانی مقدمات میں تو یورپین اور غیر یورپین میں کوئی امتیاز نہیں رکھا گیا۔پچھلے دنوں تک تو یہ قاعدہ رہا کہ یورپین لوگ فوجداری مقدمات میں صرف عدالت العالیہ کے روبرو ماخوذ ہوسکتے ہیں۔ اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ ہندوستانیوں کو ان پر فوجداری چلانے میں صدہا میل دور ہائیکورٹ جانا پڑتا تھا اور بہت زیر بار ہوتے تھے۔ گویا یہ طریق خلاف انصاف تھا۔ ۱۸۷۲ء میں یہ قاعدہ کسی قدر نرم کردیا گیا۔ سشن جج اور اعلیٰ درجہ کے ناظم فوجداری کو بھی اختیار مل گئے کہ جن فوجداری مقدمات میں یورپین لوگ ماخوذ ہوں انکی سماعت کریں اور حدود معینہ کے اندر سزا تجویز کریں۔ ۱۸۸۳ء میں وہی واقعہ پیش آیا جو البرٹ مباحثہ کے نام سے مشہور ہے۔ حکومت ہند نے یہ تجویز کی کہ یورپین لوگوں کے باب میں ادنیٰ عدالتوں کے اختیارات وسیع کردئے جائیں لیکن

بعض حلقوں میں اس تجویز کی سخت مخالفت ہوئی۔ بالآخر ایک باب۔۸
سمجھوتہ ہو گیا۔ کوئی ہندوستانی ناظم فوجداری جس کو جج ضلع
کا رتبہ حاصل ہو یا ہندوستانی سشن جج ایسے فوجداری مقامات
کی سماعت کر سکتا ہے جن میں یوریپین ماخوذ ہو۔ لیکن ملزم
کو یہ حق حاصل ہے کہ وہ جوری کے روبرو تحقیقات کا مطالبہ
کرے، جن میں سے نصف کا یوریپین یا امریکن ہونا ضرور ہے۔

گورنر جنرل کی کونسل کے قانونی ممبر اور اسکی فرایض کا ذکر عہدہ دارا
اس سے قبل بھی آچکا ہے۔ مقامی حکومتوں کے ہاں بھی مشیر قانونی قانون
مقرر ہیں۔ جن کا کام یہ ہے کہ بل یا مسودہ قانون مجلس وضع
قوانین میں پیش ہوں ان کو لکھ کر تیار کرے، قانونی معاملات
میں سرکار کو مشورہ دے، اور خود وہی یا اس کا مددگار
مجلس وضع قوانین کا معتمد بھی شمار ہوتا ہے۔ بعض صوبوں
میں اڈووکٹ جنرل رہتے ہیں یہ مجلس وضع قوانین کے رکن بھی
ہوتے ہیں اور سرکار کو مقدمات کی پیروی میں مشورہ بھی دیتے
ہیں۔ ادنےٰ عدالتوں میں بھی اسی طریق پر کام چلتا ہے۔
عدالت ضلع میں سرکاری وکیل سرکاری عہدہ داروں کی مدد
کے واسطے مقرر ہے اور ان کی طرف سے عدالتوں میں
مقدمات کی پیروی کرتا ہے۔ پریزیڈنسی شہروں میں شیرف
رہتا ہے۔ سرکار اس کو ایک سال کے واسطے مقرر کرتی ہے
اور وہ شہر کا کوئی معزز باشندہ ہوتا ہے۔ اس کا خاص عدالتی
کام تو یہ ہے کہ جوری مقرر کرے۔ لیکن اپنی حیثیت

باب-۸ عامہ کے لحاظ سے اس کو اہم معاملات پر بحث کرنے کے واسطے جلسے بھی منعقد کرنے پڑتے ہیں۔

نواں باب

پولیس اور محبس

پیشتر کے باب میں جو مالی کیفیت درج ہے۔ اُس سے واضح ہوتا ہے کہ ہر سال پولیس اور محبسوں کے واسطے ایک بڑی رقم کی منظوری دی جاتی ہے۔ اور اس رقم میں برابر اضافہ ہو رہا ہے۔ اس صدی کے پہلے سال تقریباً تین لاکھ پونڈ یعنی ساڑھے چار کروڑ روپیہ اس مد میں خرچ ہوا۔ لیکن ۱۹۱۲ء میں خرچ کی نوبت پچیس لاکھ پونڈ یعنی سوا آٹھ کرور روپیہ تک پہنچ گئی۔ ہندوستان جیسے ملک میں جہاں آبادی اس درجہ منتشر ہے امن و امان اور قانون برقرار رکھنا ایک اہم اور بیش خرچ کام ہے اور کفایت و اعلیٰ کارکردگی کو یکجا کرنا اور بھی زیادہ دشوار ہے۔ گذشتہ صدی کے شروع میں لارڈ ہسٹنگس پنڈاروں کے ساتھ جنگجوئی میں مصروف تھا یہ جرائم پیشہ

ہندوستان

میں پولس کی

دشواریاں

باب۔۹

لوگ تھے اور کوئی ایک لاکھ فوج جمع کی گئی تب ان کی اچھی طرح سرکوبی ہوسکی۔ کچھ عرصہ بعد ایک فرقہ ٹھگوں کا نکلا۔ یہ لوگ بڑی رازداری کے ساتھ آپس میں مل جلکر بیخبر مسافروں کو لوٹ لیتے تھے۔ ان کی ٹولیاں تمام ملک میں پھیل گئیں۔ لارڈ ولیم بنٹنک اور سر ولیم سلیمن جیسے مستعد حکام کی کوششوں کا نتیجہ ہے کہ ان خوفناک جرائم کا سدباب ہوا۔ لیکن اب بھی بہت کچھ کرنا باقی ہے۔ ہندوستان میں چوری کرنا کیا مشکل ہے اول تو یہاں سرد ممالک کی طرح لوگ شب کو دروازے بند نہیں رکھتے۔ دوسرے لوگ قیمتی زیور پہنے پھرتے ہیں اور ابتک ڈاکے پڑتے ہیں۔

ہندوستان کی پولیس کی تنظیم

کمپنی کے عہد میں تو پولیس کا سرکاری محکمہ ترتیب دینے کی بہت کم کوشش کی گئی۔ ۱۸۶۰ء میں البتہ ایک تحقیقاتی کمیشن منعقد ہوا جس نے پولیس کی جماعت مرتب کرنے کی تجویز پیش کی۔ اس میں شک نہیں کہ گذشتہ چند سال کے اندر پولیس کی تنظیم دیانت اور کارکردگی میں بہت کچھ ترقی ہوئی ہے۔ ۱۹۰۲ء میں پھر ایک تحقیقاتی کمیشن مقرر ہوا جس نے ایک نہایت اہم رپورٹ مرتب کرکے ایسی ترقیاں تجویز کیں جن کی تعمیل سے پولیس کا سالانہ خرچ بقدر دس لاکھ پونڈ یا ڈیڑھ کرور روپیہ بڑھ جائیگا۔ پولیس کا انتظام مقامی حکومتوں کے ہاتھ میں ہے۔ ہر ایک صوبہ کی پولیس جدا ہے۔ بلکہ بمبئی میں تو ہر ایک ضلع کی اپنی پولیس ہے۔

باب ۸ ہر صوبہ میں محکمۂ پولیس کا افسر اعلیٰ انسپکٹر جنرل مقرر ہے۔اور مختلف ضلعوں میں مدد کے واسطے اس کے نائب رہتے ہیں۔ ضلع ضلع میں پولیس سپرنٹنڈنٹ یا مہتمم کوتوالی تعینات ہے اور اس کی مدد کے واسطے بھی مددگار اور نائب مہتمم مقرر ہیں جمعیت پولیس کا اعلیٰ شعبہ جس کو شاہی خدمت سمجھنا چاہئے اُس کے واسطے عہدہ دار امتحان مقابلہ کے ذریعہ سے ولایت میں بھرتی ہوتے ہیں۔ نائب مہتمم بالعموم مقامی لوگوں میں سے مقرر ہوتے ہیں۔ اور ترقی پاتے پاتے شاہی خدمت تک پہنچ سکتے ہیں صوبہ بمبئی میں بمقام ناسک ایک مرکزی پولیس ٹریننگ اسکول ہے جہاں پولیس کے نئے عہدہ دار خواہ مقامی لوگ ہوں یا ولایت کے بھرتی شدہ ہوں قانون اور زبان کی تعلیم پاتے ہیں اور ڈرل بھی سیکھتے ہیں۔ پریزیڈنسی شہروں اور نیز رنگون میں پولیس کی جماعت جداگانہ ایک کمشنر کے ماتحت ہے جو کہ اکثر ہندوستانی سروس کا ممبر ہوتا ہے۔ ریل کے مال و اسباب کی حفاظت کے واسطے ایک ریلوے افسر کی ماتحتی میں پولیس جدا مقرر ہے۔ معمولی پولیس کے علاوہ ایک جماعت امدادی پولیس کی موجود رہتی ہے۔ اسی جماعت میں رہکر رنگروٹ کام سیکھتے ہیں یہی جماعت بدرقہ کا کام دیتی ہے اور جہاں کہیں ضرورت ہو کمک کے واسطے جانے کو تیار رہتی ہے ایک محکمہ خفیہ پولیس کا بھی ہے جو کبھی ٹھگی اور ڈکیتی کا محکمہ کہلاتا تھا۔ اس کا کام یہ ہے کہ جو لوگ ملک کے مختلف حصوں میں جرائم

باب۔۸ کریں اور مقامی پولیس کے بس میں نہ آویں ان کی خبر رسانی کرکے حتی الامکان انکو سزا دلاویں۔

دیہاتی پولیس انگلستان اور ہندوستان میں قدیم دستور تو یہ تھا کہ خود دیہاتی برادریاں امن و امان قائم رکھنے اور جرائم کا استیصال کرنیکی ذمہ دار تھیں۔ مرہٹوں کے عہد میں دکن میں جو کام دیہاتی پولیس کے سپرد تھا اس کو ایلفنسٹن صاحب یوں بیان کرتے ہیں۔ اپنے اپنے گاؤں میں پولیس کا انتظام پٹیل کے ذمہ رہتا تھا۔ اور ضرورت کے وقت گاؤں کے باشندے بھی مدد کو تیار ہو جاتے تھے۔ پولیس کے معاملات میں اس کا بڑا مددگار گاؤں کا چوکیدار تھا۔ اگرچہ گاؤں میں ایک چوکیدار ہوتا ہے مگر اس کے گھرکنبہ کے لوگ باری باری سے چوکیداری کرتے رہتے ہیں۔ چوکیدار کا کام یہ ہے کہ رات کو دیکھ بھال رکھے، ہر آنے جانے والے کی خبر رکھے، خصوصاً اجنبی لوگوں کو نظر میں رکھے اور مشتبہ لوگوں کی پٹیل کو اطلاع دے۔ چوکیدار کا یہ بھی فرض ہے کہ گاؤں میں سب لوگوں کے چال چلن سے واقف رہے اور گاؤں کی حدود میں چوری ہو تو چور کا پتہ لگائے"۔ گو یہ انتظام جو ایلفنسٹن صاحب نے بیان کیا بہت قابل اطمینان نہیں معلوم ہوتا، تاہم ایسا نہیں تھا کہ بدامنی اور بدنظمی پھیلی ہو۔ بلکہ انہوں نے امن و امان کے لحاظ سے دکن کی حالت کو مقابلتہً بنگال سے بہتر پایا۔ انکا خیال ہے کہ امن و امان کا ایک خاص باعث یہ بھی تھا کہ

حکومت کے اختیارات یکجا مجتمع تھے۔ تحقیقات سرسری اور
سزا سخت اور فوری ہوتی تھی۔

باب-۹

برطانوی دور کی دیہاتی پولیس

ہندوستان میں برطانوی حکومت کی پالیسی سدا سے یہ رہی
ہے کہ حتی الامکان اپنے طریق حکمرانی لوگوں کے عادات اور رواج
کے مطابق رکھے۔ چنانچہ ایلفنسٹن صاحب نے یہی کوشش کی
کہ دیہاتی پولیس کا جو طریق ان کے زمانہ تک رائج تھا وہ
ویسا ہی برقرار رہے، البتہ اُس پر نگرانی بڑھا دی۔ ۱۸۶ء
کی کمیشن نے بھی یہی مشورہ دیا کہ قدیم دیہاتی پولس اسی حالت
پر قائم رہے۔ مدراس میں گاؤں کا مقدم امن و امان برقرار
رکھنے کا ذمہ دار ہے۔ احاطہ بمبئی کے بڑے بڑے گاؤں میں
معمولی پٹیلوں کے علاوہ پولیس کے پٹیل بھی رہتے ہیں جنکو
خفیف سے فوجداری اختیارات حاصل ہیں۔ ہندوستان کے
بعض دوسرے حصوں مثلاً سندھ میں زمیندار لوگوں کا یہ
کام ہے کہ سرکار کو قیام امن و امان میں مدد دیں۔ چوکیدار بھی
رہتے ہیں۔ اُن کا فرض جرائم کی اطلاع دینا ہے۔ لیکن اور کام
بھی ان کے سپرد ہیں۔ حتیٰ کہ مجرموں کی گرفتاری، پولیس کی
امداد، بدچلن اور مشتبہ لوگوں کی نگرانی اور مقامی حالات کی
اطلاع دہی بھی ان کے ذمہ ہے۔ اس کو یا تو کچھ زمین مل جاتی
ہے جس کا لگان معاف ہوتا ہے، یا سرکار سے کچھ رقم ملتی
رہتی ہے۔

پولیس کا طریق خواہ کیسا ہی اعلیٰ کیوں نہ ہو جب تک خود

باب ۹

لوگ اس کی مدد اور تائید نہ کریں وہ حقیقی طور پر کامیاب نہیں ہو سکتا۔ پولیس کو قابل اور کار گذار بنانے کی ازحد کوشش ہو رہی ہے۔ پرانے زمانہ میں تو انگلستان ہو یا ہندوستان سب لوگ خود ہی امن و امان قائم رکھنے کے ذمہ وار تھے ہر ایک فرد سلطنت کا فرض تھا کہ نہ صرف خود جرائم سے بچے بلکہ مجرموں کو سزا دلانے میں بھی مدد کرے۔ ہر فرد حقیقی مفہوم میں اپنے بھائی کا نگہبان بنا رہتا تھا۔ قدیم طریق جو سرتاپا دیہاتی برادریوں کی معاونت پر مبنی تھا اب بے موقع ہونیکی وجہ سے باقی نہ رہا۔ لیکن موجودہ طریق بھی اسیوقت کامیاب ہو سکتا ہے جبکہ وہ لوگ جن کے واسطے پولیس رکھی جاتی ہے کاہلانہ مخالفت کے بجائے مستعدانہ اعانت کے واسطے تیار رہیں۔

طریق سزا

ہر کسی ملک میں سزا دینا اور محبس قائم رکھنا ایک دشوار معاملہ ہے۔ پچھلے دنوں تک انگلستان میں تعزیری قانون بہت سخت تھا۔ جو جرائم اب محض خفیف شمار ہوتے ہیں اس زمانہ میں انکی پاداش میں سزائے موت تجویز ہوتی تھی۔ نتیجہ یہ تھا کہ چور جس کے ہاں معمولی چوری کرتے اس کو مار بھی ڈالتے تھے تاکہ کچھ پتہ نہ چلے اور اگر پتہ چل بھی گیا تو کچھ مضائقہ نہیں کیونکہ چوری اور قتل کی سزا وہی ایک تھی، یعنی موت۔ سنگین جرم اس قدر بڑھ گئے کہ خوف معلوم ہونے لگا معلوم ہوتا ہے کہ مسلمانوں کے دور حکومت میں یہاں سزا کے طور پر سولی، اعضا کا کاٹنا اور تازیانہ کا برابر رواج تھا۔

اور جب انگریزوں کا قبضہ ہوا تب بھی کچھ عرصہ تک اعضا کا باب-۹ کاٹنا جاری رہا۔ گذشتہ چند سال کے اندر سزا کے معاملہ میں ہندوستان اور انگلستان میں بہت کچھ اصلاح عمل میں آئی ہے۔ تعزیرات ہند میں ہر جرم کی سزا کی حد مقرر کر دی ہے اور زیادہ سنگین جرموں کی تحقیقات اعلیٰ عدالتوں میں ہوتی ہے۔ جرم کی شدت قرار دینے کے طریق بھی تہذیب جدید کی ترقی کے ساتھ ساتھ بہت کچھ بدل گئے ہیں۔ قدیم زمانہ میں تو جرم کا معیار ضرر کی مقدار پر مبنی تھا اور سزا بھی اسی لحاظ سے مختلف ہوتی تھی۔ آجکل انصاف کا اصول یہ قرار پایا ہے کہ مجرم کی جو نیت تھی اُس کا پتہ لگایا جائے۔ اگر کوئی غریب آدمی عمداً قتل کر دیا جائے تو یہ جرم اس سے کہیں زیادہ سخت سزا کا مستوجب ہے کہ کوئی کسی دولتمند کو بغرض حفاظت خود اختیاری یا شدید اشتعال میں جان سے مار دے۔

انگلستان اور ہندوستان میں دونوں جگہ کسی زمانہ میں قدیم زمانے محبسوں کی حالت نہایت خراب تھی۔ نہایت ہی تنگ اور سے قیدی۔ گندی کوٹھڑیوں میں قیدی بھرے رہتے تھے۔ پرانے پرانے جرائم پیشہ اور نو مجرم ساتھ ساتھ رکھے جاتے تھے۔ صحبت کا اثر تو مشہور ہے اور وہ بھی ایسی صحبت بد، یہ نو گرفتار بھی پکے مجرموں کی باتیں سیکھ سیکھ کر جب محبس سے نکلتے تھے تو اُن کی اصلاح کی کوئی امید باقی نہیں رہتی تھی۔ محبس کیا تھے موت کے گھر تھے۔ بہت سے تو وہاں سے

باب-۹ زندہ نکلتے ہی نہ تھے۔

محبسوں کی اصلاح — اٹھارویں صدی کے آخری زمانہ تھا جبکہ محبسوں کی حالت پر ناراضی کا اظہار شروع ہوا۔ جان ہاورڈ نے یہ کام اپنے ہاتھ میں لیا اور چند ہی سال میں انگلستان کے کل محبسوں کو دیکھ ڈالا۔ اس کی کوششوں کا نتیجہ یہ ہوا کہ بہت کچھ اصلاحیں ہوگئیں اور آج جو محبس ہیں ان کی حالت سو برس پہلے کے محبسوں سے بالکل جدا ہے۔ اب یہی نہیں کہ محبس سزاخانہ ہے، گو سزا بھی اس لحاظ سے ضروری ہے کہ دوسرے لوگ جرم سے بچیں بلکہ وہ ایسی جگہ ہے جہاں مجرم کو تربیت دی جاتی ہے اور کام سکھایا جاتا ہے تاکہ رہائی کے بعد وہ اپنی اوقات بسر کرسکے۔ اس پر طرح پر اس کا چال چلن بھی درست ہو جاتا ہے۔ اسی طرز پر ہندوستانی محبسوں میں بھی اصلاح ہوئی ہے سر جان اسٹریچی جو موجودہ طریق کے بہت پرجوش موئید ہیں فرماتے ہیں کہ ہر ایک ضلع میں محبس موجود ہے۔ اور جہاں جہاں سہولت نظر آئی مرکزی محبس بھی قائم ہوگئے ہیں۔ اگرچہ محبسوں کا انتظام بالکل انگلستان کے طریق پر نہیں، تاہم یورپ میں بہت کم ایسے ملک ہوں گے جہاں محبسوں کی اتنی خوبی سے دیکھ بھال ہوتی ہو۔ ہندوستان کے بڑے بڑے محبسوں کی صفائی اور خوش انتظامی مثال دینے کے قابل نظر آتی ہے۔

محبسوں کی تنظیم — ہر صوبہ میں محبسوں کا ایک انسپکٹر جنرل رہتا ہے جو کہ بالعموم ہندوستانی طبی خدمت کا رکن ہوتا ہے۔ مرکزی محبسوں کے

مہتمم بھی اکثر اسی خدمت سے تعلق رکھتے ہیں۔ محبس ضلع کا معائنہ باب ۔۹
حاکم ضلع اور سول سرجن کرتا رہتا ہے ۔ ایک خاص خدمت
اور بھی ہے جس کے چند درجے مقرر ہیں۔ جیلر اسی خدمت کے
رکن ہوتے ہیں ۔ اور بعض حالتوں میں چند قیدی باقی قیدیوں
کی نگرانی کرنے پر مامور ہو جاتے ہیں ۔ مرکزی محابس
اور ضلع کے محبسوں کے علاوہ جزائر انڈمان میں بمقام پورٹ بلیر
جرائم پیشہ آبادی ہے جہاں وہ لوگ بھیجے جاتے ہیں جن کو
عبور دریائے شور کی سزا ملتی ہے ۔ اگر وہاں پہنچکر چال چلن
اور رویہ اچھا رہا تو مجرم کو اجازت مل جاتی ہے کہ کسی قطعہ
اراضی پر آباد ہو جائے اور اپنے بال بچوں کو بھی بلالے۔ بہت سے
سزا یافتوں کو کوئی نہ کوئی کام مل جاتا ہے ۔ کل بستی ایک
مہتمم کی نگرانی میں رہتی ہے جو کہ حکومت ہند کا ماتحت ہوتا
ہے ۔ ہندوستان میں بھی مرکزی محبس ان لوگوں کے واسطے
مخصوص ہیں جن کو بہت زیادہ مدت کے واسطے قید ہوئی ہو
اور ضلع کے مقامی محبس میں خفیف جرم کے سزایافتہ رہتے ہیں۔

موجودہ طریق کے چند خصوصیات بیان کئے جاتے ہیں جنسے ہندوستانی
اصلاح اور ترقی کی نوعیت واضح ہو سکے گی ۔ اول تو تربیت کا محبسوں کی
بہت لحاظ رہتا ہے ۔ روزانہ کام کے وقت کا اوسط نو گھنٹہ اصلاح۔
پڑتا ہے ۔ کبھی تعمیر کے بڑے بڑے کاموں میں محبس سے باہر بھی
قیدی کام کرتے ہیں ۔ لیکن بالعموم وہ محبس کے احاطہ کے اندر
رہتے ہیں ۔ محبس کا معمولی کام تو وہ کرتے ہی ہیں ۔ لیکن ان سے

باب ۹ اور کام بھی لیا جاتا ہے۔ مثلاً خیمہ دوزی، چھپائی اور قالین بافی اس ترکیب سے ایک تو محبس کے اخراجات گھٹ جاتے ہیں اور بڑی بات یہ ہے کہ قیدی صنعت و حرفت سیکھ جاتے ہیں جو رہائی کے بعد ان کے ذریعہ معاش بن سکتی ہے مختلف قسم کے قیدی الگ الگ رہتے ہیں مثلاً مستورات، بیمار، نو مجرم اور جرائم پیشہ لوگ۔

یرادہ کا اصلاحی مدرسہ

نو عمر مجرم اصلاحی مدرسہ میں داخل کردئے جاتے ہیں۔ احاطۂ بمبئی میں پونہ کے قریب بمقام یرودہ ایک ایسا مدرسہ قائم ہے۔ معمولی مدرسوں کے مقابل یہاں کی تربیت لامحالہ زیادہ سخت ہے اور نوشت وخواند کی تعلیم کے علاوہ صنعتی کام بھی سکھائے جاتے ہیں۔ مثلاً بڑھئی کا کام، لوہار کا کام، نقاشی پالش کا کام اور جلد سازی۔ کوشش نہ صرف یہ ہوتی ہے کہ لڑکوں کی زندگی کا ایک نیا دور شروع ہو بلکہ مدرسہ چھوڑنے کے بعد ان کی خیر خبر بھی رکھتے ہیں۔ محبسوں کی صفائی کے انتظام میں بھی بہت کچھ ترقی ہوگئی ہے جس کا نتیجہ یہ ہے کہ شرح اموات گھٹ گئی اور مزدوری پیشہ جماعتوں کے مقابل کچھ ہی زیادہ ہو تو ہو۔

دسواں باب

مالیات

۱۸۵۸ء کے قانون میں یہ قرار پاگیا کہ ہندوستانی محاصل جو صرف ہندوستان
ہوں، خواہ ہندوستان میں یا اس کے باہر، تو کل مصارف پر کے مالیہ کی
وزیر ہند باجلاس کونسل کی نگرانی رہے۔ اور جبتک کونسل میں نگرانی۔
کثرت رائے سے منظور نہ ہو جائے محاصل میں سے نہ کچھ عطا
ہو سکتا ہے اور نہ مصارف کے واسطے کسی رقم کا تعین ممکن
ہے۔ اس زمانے کے بعد سے گورنر جنرل باجلاس کونسل اور نیز
صوبہ دار حکومتوں کے اختیارات مصارف کے بارے میں بہت
کچھ بڑھ گئے ہیں۔ تاہم وزیر ہند کو اب بھی مالی نگرانی کے
اچھے خاصے اختیارات حاصل ہیں۔ سخت سخت قواعد بنادئے ہیں
تاکہ حکومت ہند نئے مصارف سے باز رہے اور نیز ملازموں کی
تعداد بھی ایک حد سے زیادہ نہ بڑھا سکے۔ برطانوی پارلیمنٹ کا

باب۔۹ اگر ہندوستان کے محاصل سے کچھ سروکار اور تعلق ہے تو بس اس قدر کہ اس کی منظوری بغیر نہ تو ہندوستانی حدود کے باہر فوجی کارروائیوں میں کچھ روپیہ صرف ہو سکتا ہے اور نہ ہندوستان کے قرض عامہ میں کوئی اضافہ ممکن ہے۔ پارلیمنٹ میں ہر سال ہندوستان کی ایک مالی کیفیت پیش ضرور ہوتی ہے لیکن صرف اس امر پر رائے لی جاتی ہے کہ حسابات درست ہیں۔ برطانیہ عظمیٰ تو براہ راست سلطنت ہند کے قیام میں کچھ صرف کرتی نہیں بلکہ وزیر ہند کی تنخواہ اور اس کے دفتر کے مصارف بھی ہندوستان ہی کے خزانہ سے ادا ہوتے ہیں جو کچھ انگریزی فوج ہندوستان میں رہتی ہے اور نیز کل ہندوستانی فوج کے اخراجات کا بار ہندوستان پر ہے۔ لیکن جب کوئی وقت آ پڑتا ہے تو یہ کل فوج انگلستان کی مدد کرتی ہے۔ چنانچہ موجودہ جنگ میں بھی یہی واقع ہو رہا ہے البتہ دوسری صورتوں سے ہندوستان کو انگلستان کے تعلقات سے بہت فائدہ پہنچ رہا ہے۔ اول انگلستان کا بیڑا اس کی محافظت کرتا ہے، جس کے معاوضہ میں ہندوستان ایک لاکھ پونڈ یا پندرہ لاکھ روپیہ سالانہ ادا کرتا رہتا ہے۔ دوسرے ہندوستان کو لندن کے صرّافہ یا زر کے بازار میں کسی قدر کم شرح سود سے بقدر ضرورت قرض مل جاتا ہے۔

قدہ مالیہ کے مسائل۔ کسی ملک کے مالی انتظام میں امور ذیل خاص طور سے غور طلب ہیں۔ اول یہ کہ جہاں تک ممکن ہو محصول نہایت کفایت آمیز اور کاروباری طریق پر تحصیل کیا جائے۔ بعض ممالک میں

مصارف تحصیل اس قدر بڑھ جاتے ہیں کہ خزانہ میں داخل ہوتے وقت محاصل کا بہت تھوڑا حصہ باقی رہ جاتا ہے۔کبھی یہ ہوتا ہے کہ یا تو حکومت کی کمزوری کی وجہ سے یا اس وجہ سے کہ کچھ لوگ محصول سے مستثنیٰ ہوتے ہیں پورا پورا محصول ہاتھ نہیں لگتا لگتا۔کبھی محصول کا ٹھیکہ بھی دیدیا جاتا ہے۔یعنی حق تحصیل کسی کے ہاتھ فروخت کر دیتے ہیں اور قیمت سے جس قدر زیادہ رقم بطور محصول وصول ہو وہ اس ٹھیکہ دار کا حصہ شمار ہوتا یہ طریق خاصکر بہت خلافِ انصاف ہے اول تو رقم بہت ضائع ہوتی ہے۔دوسرے غربا پر سختی ہونے کا اندیشہ لگا رہتا ہے۔ دوسری خوبی یہ ہے کہ محصول مصارف سلطنت کے واسطے کفایت کریں اور قوم کے سب فرقوں پر علے قدر مراتب محصول کا بار پڑے۔جو زیادہ ادا کرا سکے ان پر زیادہ اور غربا پر کم۔تیسری بات یہ ہے کہ مصارف میں کوئی بیجا فضول خرچی نہ ہونے پاسے۔

باب۔۱۰

دیکھنا یہ چاہئیے کہ مذکورہ بالا لحاظوں سے ہندوستان میں تحصیل محصول کی حالت کہاں تک قابل اطمینان ہے اور حال میں جو تبدیلیاں عمل میں آئیں ان سے مالی انتظام میں کیا ترقی ہوئی۔کمپنی کے زمانہ میں تو کوئی ایسا محکمۂ مال نہ تھا جو محاصل اور مصارف کا انتظام کرتا۔جب حکومت شاہ برطانیہ کو تفویض ہوئی تو مسٹر جمس ولسن سب سے پہلے ممبر مال بنکر ہندوستان آئے، جن امور کا انکو تصفیہ کرنا تھا

ہندوستان میں محصول کا انتظام

باب ۱۰ وہ نہایت دشوار تھے۔ ایک تو ۱۸۵۷ء کی شورش کی وجہ سے قرض عامہ بہت بڑھ گیا دوسرے حکومت کے ہر محکمہ میں مصارف بھی بڑھ گئے تھے۔ تاکہ امن و اماں قائم ہو اور آئندہ سلطنت کا انتظام پختہ رہے کچھ نئے محصول بھی عائد کئے گئے لیکن یہ عمدہ انتظام کا طفیل تھا کہ مالی حالت جلد اصلاح پذیر ہو گئی۔

صوبہ دار حکومتیں اور انکا مالیہ

ہندوستان کے مالی انتظام میں اب دوسرا دور شروع ہوا۔ یہ ضروری ہے کہ جو لوگ روپیہ صرف کریں وہ اس کی تحصیل کے بھی تھوڑے بہت ذمہ دار ہوں ہندوستان میں یہ بات نہ تھی۔ اول اول کل مالی انتظام اور نگرانی حکومت ہند کے ہاتھ تھی ایسی حالت میں صوبہ دار حکومتیں کیوں کفایت شعاری بڑتنے لگیں۔ چنانچہ اس امر کے متعلق سرجان اسٹریچی کہتے ہیں کہ نتیجہ یہ تھا کہ اول تو کوئی حقیقی مالی نگرانی نہ تھی دوسرے اکثر شاہی حکومت اور صوبہ دار حکومتوں میں کشمکش رہتی تھی شاہی حکومت نہ صرف مالی بلکہ انتظام کے تفصیلی معاملات تک میں دخل دیتی تھی حالانکہ مقامی حکام ہی ان کی انجام دہی کے مجاز تھے۔ ان کے برادر سر رچارڈ اسٹریچی بھی اس بارے میں فرماتے ہیں کہ محاصل عامہ کی تقسیم کیا تھی گویا چھینا جھپٹی تھی کہ جو زیادہ دست دراز ہوا اُس نے زیادہ ہتھیا لیا۔ اس معاملہ میں کچھ معقول لحاظ ہی نہ تھا۔ چونکہ مقامی کفایت شعاری سے کوئی مقامی فائدہ حاصل نہیں ہوتا تھا اسراف اور اتلاف روکنے

کا بھی کسی کو خیال نہ تھا اور چونکہ مقامی آمدنی کے اضافہ سے
کوئی مقامی ترقی ہونے کی امید نہ تھی محاصل بڑھانے کا بھی
بہت ہی کم شوق تھا۔ بالآخر ۱۸۶۷ء میں لارڈ میو کو خیال ہوا
کہ تھوڑی مالی ذمہ داری مقامی حکومتوں کے سپرد ہونی ضرور
ہے۔ اول تو یہ ہوا کہ ہر ایک صوبہ کو مقررہ رقم ملنے لگی
اور زیادتی مصارف کی صورت میں یا تو انتظام اچھا کرنا پڑتا
تھا یا کچھ مقامی محصول قائم ہو جاتا تھا۔ کوئی دس سال بعد
حسب مشورہ سر جان اسٹریچی لارڈ لٹن نے یہ انتظام کیا کہ
مقررہ رقم کے بجائے صوبوں کو محاصل کا ایک مقررہ حصہ ملنے لگا۔
اس طریق سے مقامی حکومتوں کو یہ شوق پیدا ہوا کہ نہ صرف
مصارف میں کفایت شعاری سے کام لیں بلکہ تحصیل کا شایستہ انتظام
کریں اور محاصل بڑھائیں۔ اس طریق کے شروع شروع میں
صوبوں کے حصوں پر نظر ثانی ہوتی رہتی لیکن اس صدی
کے چند ابتدائی سالوں میں حصوں کا کسیقدر مستقل تعین ہوگیا جیسا
کہ آگے چلکر واضح ہوگا محاصل کی مدیں شاہی حکومت اور صوبہ وار
حکومتوں میں باہم تقسیم کردی گئی ہیں۔ کچھ مدیں شاہی کہلاتی
ہیں کچھ صوبہ وار کچھ اور مشترکہ، یعنی جن میں دونوں قسم کی حکومتیں
شریک رہتی ہیں۔ ہندوستان کے محاصل کی مدیں سرسری طور
پر یوں سمجھنی چاہئیں کہ نمک، افیون، کروڑگیری یعنے محصول
درآمد و برآمد اور دیسی ریاستوں کے خراج، محاصل کی یہ مدیں
تو شاہی ہیں۔ مالگذاری، اسٹامپ، چنگی یا محصول ملکی پیداوار

باب ۱۰ اور انکم ٹیکس محصول آمدنی شاہی اور مقامی حکومتوں سے باہم مشترک ہے اور رجسٹری کی کل آمدنی مقامی حکومتوں کا حصہ ہے۔ تخمینہ یہ ہے کہ مقامی حکومتوں کو کل محاصل کا ایک ثلث مل جاتا ہے اسی طریق سے مصارف بھی مشترک ہیں۔ مطالبات وطن یعنی وہ رقم جو حکومت ہند ہر سال انگلستان کو ادا کرتی ہے۔ قرض عامہ کا سود، محافظ فوجوں کا رکھ رکھاؤ، مرکزی حکومت کے اخراجات اور خارجی معاملات کا انتظام، یہ سب شاہی حکومت کے ذمہ ہے۔ بعض محکمے ایسے ہیں کہ جن کا تعلق کسی خاص صوبے کے بجائے تمام ملک سے ہے۔ مثلاً ڈاک، تار، ٹکسال، ریل، اسی وجہ سے یہ بھی شاہی شمار ہوتے ہیں۔ آبپاشی کا حساب مشترک رہتا ہے۔ البتہ ایسے محکموں کے مصارف مقامی حکومتوں کے زیر نگرانی ہیں جیسے کہ تعلیمات، پولس، صحت عامہ اور صفائی، اس میں شک نہیں کہ صوبہ دار حکومتوں کے اختیارات بھی بہت کچھ ہیں اور ذمہ داریاں بھی لیکن پھر بھی وہ شاہی حکومت کی قائم مقام ہی شمار ہوتی ہیں اور جو کچھ بھی مالی یا دوسرے قسم کے کام انجام دیتی ہیں، ان کے واسطے شاہی حکومت کی رضامندی ضرور ہے اور ان پر اس کی نگرانی بھی رہتی ہے۔ صوبہ دار حکومتوں کو قرض لینے کا بالکل اختیار نہیں اور ان کا سالانہ بجٹ یا موازنہ اول منظوری کے واسطے حکومت ہند میں پیش ہوتا ہے۔ محکمہ محاسبی کے عہدہ دار کل حسابات کی جانچ پڑتال کرتے ہیں اور حکومت ہند کو محاسبہ دیتے ہیں۔

ہر ایک صوبہ میں ایک صدر محاسب مقرر ہے، اس کا کام یہ باب-۱۰
ہے کہ جن حکام کے ہاتھ سے روپیہ خرچ ہوتا ہے اگر وہ اپنے
اختیار سے زیادہ خرچ کرڈالیں تو اس کی اطلاع دے اور اگر حاکم مجاز
اس کی منظوری نہ دے تو وہ ایسے خرچ کو رکوادے۔ ایک صدر
ناظر حسابات ہے جو صوبوں کے صدر محاسبوں کے کام کی
نگرانی رکھتا ہے نیز مالی کیفیت اور محاصل کا حساب تیار کرتا
ہے جو ہر سال پارلیمنٹ میں پیش کیا جاتا ہے۔ انہدام کمیشن
تحدید مرکزیت کی سفارش کے بموجب صوبہ وار حکومتوں کے
مالی اختیارات بڑھا دئے گئے ہیں۔ مقامی حکومتوں کے سالانہ
موازنوں کی مالی تجاویز قرار دینے میں اب صوبوں کی مجالس وضع قوانین کو
بھی تھوڑا سا دخل حاصل ہے۔ منتخب کمیٹیاں نئی تجاویز کے
متعلق مشورے کرسکتی ہے اور مجلس کے عام ممبر چاہیں تحریکیں
پیش کریں چاہیں سرکار کی پالیسی پر مجموعی حیثیت سے یا
تفصیل وار نکتہ چینی کریں۔ صوبوں کے حسابات بھی حکومت
ہند کے حسابات میں شامل ہو جاتے ہیں۔ البتہ بلدیات
اور مجالس اضلاع کے حسابات جداگانہ رہتے ہیں جیسا کہ اوپر
بیان ہوچکا ہے تعلیم، صفائی، اور تعمیرات کا بہت سا کام
یہی جماعتیں انجام دیتی ہیں۔

ہندوستان میں محاصل کے مختلف ذرائع ہیں جیسا کہ اوپر ہندوستان
بیان ہوچکا ہے ان میں سے کچھ تو شاہی حکومت تحصیل کرتی کے محاصل
ہے اور کچھ مقامی حکومتیں۔ بلحاظ اقسام ان کی ترتیب حسب

باب ۱۰

ذیل سمجھنی چاہئے ۔ مالگذاری ، محاصل جو بذریعۂ ٹکس یا محصول فراہم ہوں ، اور تیسرے وہ جو دیگر ذرائع سے وصول ہوں مندرجہ ذیل اعداد و شمار وہ ہیں جو سنہ ۱۹۱۲-۱۳ء میں دیوان عام میں پیش ہوئے ۔ یہی وجہ ہے کہ حسابات روپیہ کے بجائے انگریزی سکوں کے حوالہ سے درج ہیں۔ یہاں خالص آمدنی اور خالص خرچ دکھایا گیا ہے ۔ البتہ مصارف تحصیل شامل ہیں ۔ ذیل کی تفصیل سے واضح ہوگا کہ محاصل کا ۳۴ فیصدی تو زمین سے وصول ہوتا ہے ، ۲۲ فیصدی کار و باری صیغوں سے ۔ مثلاً ڈاکخانہ ، تار ، ریلیں ہیں ، اور باقی ۳۴ فیصدی کا ذریعہ محصول ہے ۔ محصول کا تخمینہ فی کس ۹ر سالانہ پڑتا ہے اور مالگذاری بھی شامل کرلی جائے تو بڑھ کر ۱۳ر ہو جاتا ہے ۔

خالص آمدنی سنہ ۱۹۱۲-۱۳ عیسوی

	پونڈ
مالگذاری	۲۰۵۱۹۲۴۷

محاصل جو بذریعہ محصول وصول ہوئے

	پونڈ
نمک	۳۰۷۷۱۱۸
اسٹامپ	۵۰۰۹۷۷۴
چنگی یا محصول برملکی پیداوار	۸۱۹۹۳۴۹

ابواب یا رقم سوا	۵۵۱۰۷۱	باب-۱۰
کروڑگیری یا محصول درآمد وبرآمد	۷۰۴۹۲۵۴	
انکم ٹکس یا محصول آمدنی	۱۷۳۱۱۶۷	
رجسٹری	۴۸۰۹۸۴	
میزان	۲۶۰۹۸۷۱۷	

محاصل جو دیگر ذرائع سے وصول ہوئے

جنگلات	۲۱۴۶۶۶۷
دیسی ریاستوں کا خراج	۴۱۹۳۶۷
افیون	۴۵۱۵۶۸۵
ریل	۴۸۰۳۳۵۴
آبپاشی	۱۱۰۹۲۸۹
ڈاکخانہ	۲۸۵۸۶۹
تار	۶۸۱۷۸
ٹکسال	۳۴۵۰۱۶
میزان	۱۳۶۴۳۴۲۵
مبادلہ	۱۰۰۸۷۹
میزان کُل	۶۰۳۶۲۲۶۸

مالگذاری ایسی اہم اور پیچیدہ مد ہے کہ اس پر اگلے باب میں جداگانہ غور ہوگا۔

اب اُن محاصل کو لیجئے جو بذریعۂ ٹکس یا محصول وصول ہوتے ہیں۔

باب ۱۰- (۱) محصول نمک - مالیات کے متعلمین کے واسطے محصول نمک کی سرگزشت بہت دلچسپی کا باعث ہے صرف یہی ایک محصول ہے۔ جس کو غریب سے غریب لوگ بھی ادا کرتے ہیں - یورپ کے بعض ممالک مثلاً فرانس اور جرمن میں بھی نمک پر محصول لیا جاتا ہے - ہندوستان میں محصول نمک کی دو مدیں ہیں - ایک تو وہ جو نمک کی درآمد سے وصول ہوتا ہے - دوسرے وہ جو خاص ہندوستان کے نمک پر لیا جاتا ہے - خواہ نمک اجازت یافتہ کارخانوں میں تیار ہوا ہو خواہ سرکاری اجارہ میں۔تیس سال قبل مختلف صوبوں میں محصول کی شرح مختلف تھی - نتیجہ یہ ہوا کہ جو نمک ایک صوبہ سے دوسرے صوبہ میں جاتا تھا اس پر محصول درآمد لیا جانے لگا اول تو اس انتظام میں خرچ بہت زیادہ پڑتا تھا دوسرے ہر قسم کی تجارت میں رکاوٹ پیدا ہوتی تھی ۱۸۸۲ء میں سرکار نے یہ نہایت عقلمندی کی کہ تمام صوبوں میں شرح محصول مساوی کردی۔شرح میں وقتاً فوقتاً تبدیلیاں ہوتی رہی ہیں - ۱۸۸۸ء میں شرح محصول دو روپیہ من سے ڈھائی روپیہ من کردی گئی - لیکن ۱۹۰۳ء میں وہ پھر دو روپیہ ہوگئی اور ۱۹۰۷ء میں گھٹ کر صرف ایک روپیہ من رہگئی - محصول کی تخفیف بہت علاقلانہ بات تھی - محصول کی مقدار گھٹی تو سہی لیکن نہ اس قدر جتنا کہ اندیشہ تھا - وجہ یہ ہے کہ ارزاں ہونے پر نمک کا خرچ بھی بڑھ گیا - اس محصول کی مقدار میں جو کمی بیشی ہوتی رہتی ہے وہ اس لحاظ سے خاص

طور پر قابل دلچسپی ہے کہ اس سے کی عام مرفہ الحالی اور افلاس کا پتہ چل جاتا ہے۔ جب سستا سماں ہوتا ہے تو نمک بھی بہت زیادہ فروخت ہوتا ہے قحط سالی میں نمک کا خرچ بہت تھوڑا رہ جاتا ہے۔ ۱۹۱۶ء میں جنگ کی مجبوریوں کی وجہ سے محصول نمک سوا روپیہ من کردیا گیا۔ احاطہ بمبئی میں محکمۂ نمک ایک خاص کمشنر کے تحت میں ہے جس کو کمشنر سالٹ اور اکسائز وغیرہ کہتے ہیں۔ اس کی مدد کے واسطے ایک کلکٹر، کچھ اسسٹنٹ کلکٹر اور چند چھوٹے عہدہ دار مقرر ہیں۔

(ب) اسٹامپ۔ اس محصول کے دو ذریعے ہیں۔ دیگر ممالک کی طرح ہندوستان میں بھی کار و باری دستاویزات پر اسٹامپ یا ٹکٹ لگتا ہے۔ علاوہ ازیں ٹکٹوں کے ذریعۂ سے عدالتی کارروائیوں پر بھی محصول وصول کیا جاتا ہے۔ یہ محصول گویا ہے عدالتوں کے اخراجات کا ایک حصہ ہے جو ان لوگوں سے وصول کیا جاتا ہے جو عدالتوں سے خدمت لیں۔

(ج) چنگی یا محصول، ملکی پیداوار۔ اس کی خاص مد وہ محصول ہے جو ملک میں مسکرات کی پیداوار اور فروخت پر وصول کیا جاتا ہے اور جس کو اصطلاحاً آبکاری کہتے ہیں۔ شروع شروع میں تو ٹھیکہ کا طریق رائج تھا گویا مسکرات تیار کرنے اور فروخت کرنے کا اجارہ لوگوں کے ہاتھ فروخت کیا جاتا تھا۔ چند سال سے اس انتظام میں کچھ ترمیم ہوگئی ہے۔ آبکاری کی نگرانی آجکل بیشتر مقامی حکومتوں کے سپرد ہے۔

باب ۱۰ اور ہر ایک صوبہ کا طریق جدا ہے۔ مسکرات کی درآمد پر جو محصول لیا جاتا ہے وہ کسٹم یا کروڑگیری شمار ہوتا ہے۔ لیکن ہوٹلوں طعام خانوں، اور تفریح گاہوں کو مسکرات فروشی کے جو اجازت نامے فروخت کئے جاتے ہیں ان کی آمدنی اکسائز یعنی چنگی میں شامل ہے۔

(د) کروڑگیری یا محصول درآمد۔ اس محصول کی سرگزشت بھی بہت دلچسپ ہے اور وقتاً فوقتاً اس پر بہت کچھ رائے زنی ہوا کی سرکار کو صرف تحصیل محصول ہی کا تو خیال نہیں ہوتا بلکہ یہ بھی لحاظ رکھنا پڑتا ہے کہ محصول لگانے یا نہ لگانے سے ملک کی تجارت پر کیا اثر پڑتا ہے۔

اس کتاب اتنی تو گنجائش نہیں کہ طریق تا مین تجارت کی خوبیوں اور نقائص سے بحث کی جائے البتہ یہ جتا دینا ضروری ہے کہ انگلستان اور ہندوستان میں دونوں جگہ اس معاملہ میں بہت اختلاف رائے پھیلا ہوا ہے۔ ۱۸۶۰ء میں محصول درآمد دس فیصدی تھا بلکہ بعض چیزوں پر اس سے بھی زیادہ بعد کو محصول میں تخفیف ہوئی حتیٰ کہ ۱۸۷۵ء میں وہ صرف پانچ فیصدی رہگیا۔ اس کے بعد انگلستان کی حکومت نے یہ تجویز پیش کی کہ محصول درآمد بالکل اڑادیا جائے، لیکن ہندوستان میں اس کی سخت ممانعت ہوئی۔ اس زمانے کے وائسرائے لارڈ ناتھ برک نے استعفاء دیدیا مگر محصول اٹھانا گوارا نہ کیا، لارڈ لٹن ان کے جانشین بنے جدید وائسرائے نے اپنے وزیر مال سرجان اسٹریچی کی مدد سے

محصول پارچہ میں تخفیف کرنے کی پالسی شروع کردی ۔اگرچہ اس معاملہ میں اس کو اپنی کونسل کی کثرت رائے منسوخ کرنی پڑی بالآخر محصول درآمد بالکل اڑ گیا ۔ البتہ نمک اور شراب پر قائم رہا تاکہ خود ہندوستان میں جو ان چیزوں پر محصول لیا جاتا تھا اس کا توازن ہو جائے ۱۸۹۴ء میں خزانہ خالی ہو گیا تو پھر محصول بڑھانے کی ضرورت پڑی مجبوراً ۵ فیصدی محصول درآمد قائم کردیا لیکن روئی کا پارچہ اب بھی مستثنےٰ رہا ۔ کچھ تبدیلیاں اور ہوئیں تو روئی کے پارچہ پر ۳ ۱/۲ فیصدی محصول درآمد قائم کردیا ۔لیکن ساتھ ہی ہندوستانی کارخانے کے بنے ہوئے کپڑے پر بھی اسی قدر محصول لگا دیا ۔ امید تو تھی کہ اس طریق سے ملک میں دستی پارچہ بافی کی صنعت کو ترقی ہوگی مگر ایسا نہ ہوا ۔ ۱۹۱۲ء تک یہ محصول درآمد جاری تھا یعنی ۳ ۱/۲ فیصدی پارچہ پر اور ۵ فیصدی دوسرے سامان پر ۔ بعض چیزیں مستثنےٰ بھی ہیں ۔ مگر مٹی کے تیل ، چاندی ، تمباکو ، اور منشی مشروبات پر محصول درآمد بہت بڑھ گیا ۔ ۱۹۱۶ء میں جنگ کی وجہ سے محصول درآمد ۷ ۱/۲ فیصدی ہو گیا اور بعض چیزیں جو مستثنےٰ ہیں اُن پر بھی ۲ ۱/۲ فیصدی محصول لگ گیا ۔ اور بعض چیزوں کا محصول خاص طور پر بڑھ گیا ۔ مثلاً شکر کا ۔ اس کام کی انجام دہی کے واسطے ایک محکمۂ کروڑگیری قائم ہے ، جس کے اعلیٰ حکام انگلستان یا ہندوستان میں مقرر کئے جاتے ہیں اور ان کی مدد کے واسطے ماتحت عملہ بھی مقرر ہے ۔ ۱۸۶۰ء میں ۳ فیصدی محصول

باب ۱۰ برآمد تقریباً عام تھا۔ لیکن یہ سب محصول معاف ہوگیا۔ صرف
چانول پر تین آنہ من باقی ہے چائے پر بھی تھوڑا سا محصول برآمد
لیا جاتا ہے لیکن اس کی آمدنی خاص کر کے ہندوستانی چائے
کی کاشت کو ترقی دینے میں صرف کی جاتی ہے کلکتہ سے
محکمۂ آرائش بلدہ کی منفعت کی غرض سے جوٹ (سن) پر بھی
محصول برآمد لگا دیا گیا ہے۔
(لا) انکم ٹکس یا محصول آمدنی اول اول ۱۸۶۰ء میں قائم ہوا۔
اس کے بعد وہ اُٹھ گیا اور پھر دوبارہ قائم ہوا اور ابتک
جاری ہے۔ جو آمدنی کہ زراعت یا زمینداری سے حاصل ہوتی
ہے یا جس کی مقدار ہزار روپیہ سالانہ سے کم ہے وہ محصول
سے بری ہے۔ مزید براں محصول کے مدارج اس طریق سے
قرار دئے گئے ہیں کہ دولتمند اعلیٰ شرح ادا کرتے ہیں۔
متوسط الحال کم اور غربا کو معاف ہے۔ ہزار سے دو ہزار کی
آمدنی تک شرح محصول ۴ پائی فی روپیہ اور دو ہزار یا اس
سے زائد آمدنی پر ۵ پائی فی روپیہ۔ جن سپاہیوں کی آمدنی
پانسو روپیہ ماہوار سے کم ہے ان کو محصول معاف ہے نیز خیراتی
اور مذہبی اوقاف پر کوئی محصول نہیں۔ انکم ٹکس سے بہت کچھ
ناراضی پھیل چکی ہے۔ لیکن اس کے واجبی ہونے میں کیا کلام
ہوسکتا ہے۔ اس کا بار زیادہ تر دولتمندوں پر پڑتا ہے اور
بہت سے ایسے لوگوں پر جو اس کے بغیر شاید ہی اپنا حصہ رسد
محصول ادا کرتے۔ صرف یہی ایک بلا واسطہ محصول ہے جو

ہندوستان میں رائج ہے۔ جو لوگ محصول کو محصول سمجھکر ادا کرتے ہیں ان کو قدرتاً یہ خیال ہو جاتا ہے کہ سرکار کفایت شعاری سے کام لے اور سرکاری روپیہ فضولخرچیوں میں نہ اڑائے ۱۹۱۷ء میں جنگ کی وجہ سے بڑی بڑی آمدنیوں پر شرح محصول بڑھا دی گئی۔ چنانچہ شرح کے اعلیٰ مدارج یوں قرار پائے۔ پانچ ہزار سے لیکر دس ہزار سالانہ آمدنی تک شرح محصول ۶ پائی فی روپیہ، دس ہزار سے پچیس ہزار تک ۹ پائی اور اس سے زیادہ آمدنی ایک آنہ فی روپیہ۔

(۹) رجسٹری۔ یہ مد بہت قلیل ہے جائداد غیر منقولہ کے تمام بیعناموں اور رہن ناموں کا رجسٹری ہونا ضروری ہے البتہ اگر مالیت ۱۰۰ سے کم ہو تو حسب مقدار کچھ فیس اسٹامپ لے لی جاتی ہے۔ رجسٹری ضروری نہیں۔

ب۔ دوسرے ان محاصل کو لیجئے جو ٹیکس کے بجائے دیگر ذرائع سے حاصل ہوتے ہیں یہ۔

(۱) افیون۔ برطانوی ہندوستان میں پوست کی کاشت اور افیون کی تیاری، تملیک، درآمد و برآمد، نقل اور تجارت کے متعلق سرکار نے قواعد بنا دئے ہیں جن کی خلاف ورزی سخت سزا کی مستوجب ہے۔ یعنی ایک سال تک قید ہزار روپیہ تک جرمانہ یا دونوں۔ بعض دیسی ریاستوں میں بھی افیون پیدا ہوتی ہے جس کو مالوہ افیون کہتے ہیں۔ اور اس پر بہت گراں بار محصول ادا کرنا پڑتا ہے۔ سابق میں بہت زیادہ افیون چین کو

باب ۱۰ جاتی تھی اور حکومت ہند کو اس کی تجارت سے ایک معقول آمدنی حاصل ہوتی تھی۔ ۱۹۰۷ء میں حکومت چین نے یہ دیکھکر کہ افیون کے کثرتِ استعمال سے ملک سخت نقصان پہنچ رہا ہے، حکومت ہند سے استدعاء کی کہ افیون ترک کرانے میں اس کا ہاتھ بٹائے تجویز یہ ہوئی کہ حکومت چین اپنی سلطنت میں پوست کی کاشت روکدے اور ہندوستانی افیون کی درآمد بھی بند ہو جائے۔ پس یہ قرار پایا کہ ہندوستانی افیون کی برآمد بقدر دسویں حصہ کے ہر سال گھٹتی جائے حتیٰ کہ ۱۹۱۷ء میں اس کا بالکل خاتمہ ہوجائے بعد کے غور و مشورہ کا نتیجہ یہی نکلا کہ چین سے افیون کی تجارت بند ہو گئی۔

(ب) جنگلات۔ چند سال سے حکومت نے جنگلات کی دیکھ بھال اپنا خاص فرض قرار دے لیا ہے۔ عمدہ نگرانی کا نتیجہ یہی نہیں کہ لکڑی کی فروخت سے سالانہ آمدنی حاصل ہوتی ہے بلکہ جنگلات کی سرسبزی سے بارش میں اضافہ ہوتا ہے محکمۂ جنگلات کا کام آئندہ کسی باب میں جداگانہ بیان ہوگا۔

(ج) ڈاک اور تار۔ ان محکموں کی حالت اس قدر اچھی ہے کہ کچھ چند سال سے سرکار کو ان مدوں میں بھی منافع مل رہا ہے حالانکہ سرکار کا منشا یہ ہے کہ حتی الوسع کمتر شرح محصول پر منجانب عوام ڈاک اور تار کا انتظام رکھے نہ یہ کہ ان کے ذریعۂ سے کوئی آمدنی وصول کرے، دنیا کے کسی ملک میں ڈاک کا محصول اس قدر کم نہیں جتنا کہ ہندوستان میں ہے۔ حال

میں ان محکموں کا کام بہت بڑھ گیا ہے۔ ۱۸۵۶ء میں خطوط، پارسلوں اور اخباروں کی سالانہ مقدار تیس کروڑ اسی لاکھ تھی لیکن ۱۹۱۲ء میں اس کی نوبت ایک ارب اور ڈیڑھ کروڑ تک پہنچی۔ منافع بیشتر انہیں محکموں کی ترقی اور اصلاح میں صرف ہوتا ہے۔

باب ۱۰

(د) ریل اور نہریں۔ ریلوں اور نہروں کی نگرانی اور انتظام کے متعلق حکومت ہند کی جو پالسی ہے، اس سے آئندہ بحث کی جائیگی۔ ہندوستان میں بیشتر ریلیں سرکاری مِلک ہیں اس صدی کے شروع تک تو سرکار کو ریلوں سے منافع کے بجائے نقصان اُٹھانا پڑا لیکن اس کے بعد سے ایک ریل کے سوا باقی اور ریلوں کی آمدنی مصارف سے بڑھی رہی۔ حالانکہ مصارف میں ریل چلانے کے کل اخراجات، قرضہ کا سود، اور باقی دیگر مصارف شامل ہیں حال میں تو منافع بہت ہی بڑھ گیا۔

(ہ) دیسی ریاستوں کا خراج۔ یہ بھی ایک چھوٹی سی مد ہے دیسی ریاستوں نے جو سرکار کو فوج بہم پہنچانے کا ذمہ لیا تھا اس کے بجائے رقم ادا کر دیتی ہیں تاکہ ان کے خرچ سے سرکار خود فوج کا انتظام کرلے۔

بغرض سہولت مصارف کا حساب ہم حسب ذیل ترتیب دیتے ہیں۔ مصارف

خالص مصارف ۱۳-۱۹۱۲ء

	پونڈ
سود قرضہ	۳۳۹۸۲۷

فوجی خدمت	۱۹۵۶۵۴۶۶
سوالات اخراجات	۳۱۸۳۸۲۹۱
امداد قحط و بیمہ	۱۰۰۰۰۰۰
صوبہ دار تصفیہ حسابات	۴۵۱۴۰۵۰
ما حصل زاید	۳۱۰۷۶۳۴
میزان	۶۰۳۶۲۲۶۸

(ا) قرضہ۔ ہندوستان کے معاملات کا انتظام کمپنی کے ہاتھوں سے نکلکر تاج برطانیہ کے تفویض میں آیا تو حکومت ہند نے کمپنی کا قرضہ بھی جس کی مقدار ایک کروڑ سات ارب تھی اپنے ذمہ لے لیا اور چند در چند وجوہات سے قرضہ میں اضافہ ہوتا رہا حتی کہ ۱۹۱۱ء میں اس کی مقدار بڑھ کر چار ارب پانچ کروڑ روپیہ ہوگئی۔ اس اضافہ کا خاص باعث یہ ہے کہ ریلیں اور نہریں نکالنے کے واسطے کچھ قرض لیا گیا۔ اگرچہ سرکار نے کاموں کے واسطے گذشتہ چند سالوں میں بہت قرض لیا ہے۔ ساتھ ہی ساتھ وہ معمولی اور غیر پیدا آور قرضہ کا بہت بڑا حصہ ادا کرتی رہی ہے۔ جو روپیہ کہ معمولی قرضہ کی ادائی میں کام آسکتا تھا وہ تعمیرات میں لگتا رہا اور ایسی رقمیں معمولی قرضہ سے منہا ہو ہو کر تعمیرات کے قرضہ میں شامل ہوتی رہیں۔ نتیجہ یہ کہ اب معمولی قرضہ کی مقدار ہندوستان کے مجموعی قرضہ کے ساتویں حصہ سے زیادہ

نہیں موجودہ قرضہ کے سات حصوں میں سے چھ حصے قرضہ پیدا آور کاموں میں لگا ہوا ہے جن کی آمدنی سود واجب الادا سے بڑھی رہتی ہے، شرح سود بیشتر ۳ ½ فیصدی ہے۔ یہ بہت قابل اطمینان حالت ہے کیونکہ اور بہت سے ملکوں مثلاً جاپان، روس، ٹرکی، اور چین کو اس سے کہیں زیادہ سود پر قرض ملتا ہے۔ البتہ جب سے لڑائی شروع ہوئی ہے سرکار چار بلکہ ساڑھے چار فیصدی کی شرح سود سے قرض لے رہی ہے یہاں یہ معلومات خالی از دلچسپی نہ ہوگی کہ قبل جنگ مختلف ممالک کے قرضہ عامہ کی مقدار اور اس کا فی کس اوسط تخمیناً حسب ذیل تھا۔

ملک	کل قرض	اوسط فی کس		
		پونڈ	شلنگ	پنس
سلطنت متحدہ	۷۶۴۶۳۶۰۰ پونڈ	۱۶	۱۵	۴
ہندوستان	۲۷۰۰۶۳۴۵	۱	۵	۰
فرانس	۱۰۷۰۴۳۷۰۰	۲۷	۵	۱
اٹلی	۵۲۲۸۳۷۷۰۰	۱۵	۵	۱
روس	۹۳۴۲۴۹۶۰۰	۵	۱۸	۱۱
کناڈا	۹۶۷۴۷۴۰۰	۱۳	۹	۴

(ب) فوجی اخراجات۔ ہندوستان میں یہ بات بہت اطمینان بخش تھی کہ فوجی اخراجات میں تخفیف کی کوشش ہو رہی تھی۔ محاصل کے مقابل اخراجات گھٹ رہے تھے اور کل اخراجات

باب ۱۰ محاصل میں سے نکل آتے تھے۔ دوسرے ملکوں کی طرح اس کے واسطے قرضہ نہیں لینا پڑتا تھا۔ کل محاصل میں سے تقریباً ۳۲ فیصدی ۱۹۱۴ء میں افواج اور دیگر امور مدافعت پر صرف ہوئے اور یہ کوئی چھوٹی رقم نہیں ہے۔ سلطنت متحدہ اور دیگر ممالک میں سالانہ آمدنی کا کہیں زیادہ حصہ فوجی مد میں شریک ہوتا تھا۔ سب کو امید لگی ہوئی تھی کہ جنگی بیڑوں کے روز افزوں اخراجات جلد گھٹ جائیں گے لیکن ۱۹۱۴ء میں جو جنگ چھڑی تو کل امیدوں پر پانی پھر گیا اور فوجی اغراض کے واسطے بیشمار نیا قرضہ لینا پڑا۔

(ج) سوالات اخراجات کے چار شعبے ہیں۔ ۱۹۱۴ء کے مصارف کی تفصیل حسب ذیل ہے۔

	پونڈ
تحصیل مالگذاری	۶۵۱۴۱۵۷
سول سروس:-	
عام حکومت	۱۹۴۴۰۸۲
قانونی عدالتیں	۲۶۳۸۲۵۱
محبس	۶۰۳۶۲۶
پولس	۴۵۲۲۴۷
بندرگاہ اور جہازوں کی رہنمائی	۲۴۳۳۶
تعلیمات	۲۳۸۴۰۰۶
امور مذہبی	۱۲۶۰۰۳

طبابت	۱۲۲۴۷۱۳
سیاسی محکمہ	۱۰۰۵۹۲۳
سائنس کا محکمہ اور دوسرے چھوٹے محکمۂ جات	۸۶۰۵۲۱
میزان	۱۵۳۵۳۹۰۸
تعمیرات	۵۷۰۸۳۲۲
متفرقات	۴۲۶۱۹۰۴
میزان کُل	۳۱۸۳۸۲۹۱

تحصیل مالگزاری کی مد میں جو خرچ درج ہے وہ مغالطہ آمیز ہے کیونکہ اس میں ان عہدہ داروں کی تنخواہ بھی شامل ہے جو علاوہ تحصیل کے اور مختلف کام بھی بہ کثرت انجام دیتے ہیں۔ سول محکمہ کے اخراجات بھی حال ہی میں بہت بڑھ گئے ہیں۔ وجہ یہ ہے کہ تعلیمات، صفائی اور تعمیرات میں بہت کچھ خرچ ہو رہا ہے۔ نیز یہ یاد رکھنا ضرور ہے کہ بلدیات اور مقامی مجالس کی آمدنی بھی جو کہ شاہی موازنہ میں شریک نہیں ہوتی بہت کچھ انہیں کاموں میں صرف ہوتی ہے۔ متفرقات کی مد میں وہ تمام اخراجات شامل ہیں جن کو غیر حاصل خیز مصارف سے تعبیر کرتے ہیں۔ مثلاً طباعت، کاغذ، اور تحریر کا سامان، کنارہ کش ملازموں کے وظیفہ اور نیز وظائف وہ جو کہ سیاسی اغراض سے لوگوں کو دئے جاتے ہیں۔

(د) امداد قحط ۱۸۷۷ء میں حکومت ہند اس نتیجہ پر پہنچی

باب ۱۰ — کہ قحط کے زمانہ میں جو زائد مصارف کا بار پڑتا ہے اور ساتھ ہی محاصل میں تخفیف ہو جاتی ہے اس کے واسطے بیمہ کی کوئی شکل نکالنا ضروری ہے۔ پس یہ قرار پایا کہ حتی الوسع ہر سال محاصل میں سے اس غرض کے لئے دس لاکھ پونڈ پس انداز ہوتے رہیں۔ یہ رقم یا تو قرض کی ادائی میں کام آتی ہے یا تعمیرات میں لگتی ہے، جن کے واسطے بصورت دیگر قرض لینے کی ضرورت پڑتی۔ جب سے یہ طریق نکلا ہے اس مد میں تقریباً چار کروڑ پونڈ ہندوستان کے محاصل میں سے یا تو تخفیف مصائب قحط میں یا تعمیرات میں یا قرض کی ادائی میں صرف ہو چکے ہیں۔ اس طرح پر قحط اور مصیبت کے واسطے بندوبست رہتا ہے۔

مطالبات وطن یعنی انگلستان کے مطالبات — محاصل کا کچھ حصہ انگلستان میں بھی صرف ہوتا ہے ان اخراجات کو مطالبات وطن سے تعبیر کرتے ہیں۔ ۱۲-۱۹۱۱ء ان کی تفصیل حسب ذیل تھی۔

	پونڈ
سود قرض (معمولی ریلوے اور آبپاشی)	۱۰۹۹۸۲۰۶
خرید سامان	۱۳۶۶۲۷۱
فوجی اخراجات (وظیفہ اور رخصتی وغیرہ)	۴۱۶۱۹۱۲
سول اخراجات (وظیفہ اور دفتر وزیر ہند کا خرچ)	۲۷۳۶۵۷۴
متفرق اخراجات (خط و کتابت اور سیاسی وغیرہ)	۳۹۳۲۹
میزان	۱۹۳۰۲۲۹۲

باب ۔۱۰ مندرجہ بالا مطالبات کی ادائی کا طریق سنئے ہندوستان کی برآمد یہاں کی درآمد سے بہت بڑھی رہتی ہے اس زاید مقدار کی قیمت دوسرے ملک ہندوستان کو ادا کرتے ہیں اور وہ اس طرح پر کہ حکومت ہند کے نام وزیر ہند کی ہنڈی خرید لیتے ہیں ۔ یہ ہنڈیاں یہاں کے سرکاری خزانہ میں سکاری جاتی ہیں ۔اول تو ہندستان کی طرف سے مندرجہ بالا مطالبات انگلستان کو ادا ہوجاتے ہیں اور یورپ کے تاجروں پر زاید برآمد کی بابتہ ہندوستان کا جس قدر دین ہوتا ہے وہ بھی ہندوستان کو وصول ہوجاتا ہے کبھی کبھی توازن موافق میں ہندوستان کا لین مطالبات وطن سے بھی بڑھ جاتا ہے ۔ تب وزیر ہند مطالبات کی مقدار سے بھی زیادہ ہنڈیاں چلاتا ہے اور زاید ہنڈیوں کی قیمت یا ذخیرہ زر میں داخل ہو جاتی ہے یا آئندہ مطالبات کی ادائی کے واسطے جمع رہتی ہے ۔ اور دونوں صورتوں میں فائدہ ہندوستان ہی کا ہے ۔

ذخیرہ معیار ہندوستان کا زر تو نقرئی ہے اسی شکل میں اس کے محاصل تحصیل ہوتے ہیں اور اس کو انگلستان میں اپنا دین طلاء بشکل زر طلا ادا کرنا پڑتا ہے ۔ اس فرق کی بدولت ہندوستان سابق میں بہت کچھ نقصان اُٹھا چکا ہے ۔ پہلے رجحان یہ تھا کہ روپیہ کی قدر میں تخفیف ہوتی رہی ۔ کسی زمانہ میں اس کی قدر مبادلہ دو شلنگ تھی

باب ۱۰ لیکن گھٹتے گھٹتے ۱۸۹۳ء میں صرف سوا شلنگ رہگئی اور
اور پھر بھی مزید تخفیف کا اندیشہ لگا ہوا تھا۔ معاملہ کی صورت
یہ تھی کہ بقدر ایک کروڑ اسی لاکھ پونڈ مطالبات وطن ادا
کرنے کے واسطے بحساب دو شلنگ فی روپیہ صرف اٹھارہ
کروڑ روپیہ کافی تھا، لیکن بحساب سوا شلنگ ۲۸ کروڑ روپیہ
تک نوبت پہنچ گئی گویا روپیہ کی قدر گھٹنے سے ہندوستان
کو دس کروڑ سالانہ کا نقصان اُٹھانا پڑتا تھا۔ ہندوستان
کا مالیہ کیا عام اور کیا شخصی نہایت ابتر حالت میں تھا۔
پس یہ قرار پایا کہ ہندوستان میں بھی طلائی زر کا معیار
جاری کیا جائے اور روپیہ کی قدر ایک شلنگ چار پنس
بطور خود مقرر کر دی جائے۔ اب سرکاری ٹکسال میں
بس اس قدر روپیہ ڈھالتے ہیں جتنا سرکار استعمال عامہ
کے لئے ضروری سمجھتی ہے نقرئی سکوں کی تیاری میں بہت
منافع ملتا ہے۔ کیونکہ روپیہ کی قدر فلزاتی اس کی قدر وضعی
کے برابر نہیں منافع انگلستان میں طلائی تمسکات میں لگا
دیا جاتا ہے جنکو بطور ذخیرۂ معیار طلا رکھتے جاتے ہیں۔ یہ
ذخیرہ آڑے وقت خوب کام آتا ہے۔ تجارتی انحطاط کے
زمانہ میں ہندوستان کی برآمد گھٹ جائے تو ہندوستان کو
اپنا دین یا تو طلا یا نقرہ کی شکل میں ادا کرنا ہوگا اور
ہندوستان سے باہر موجودہ زر نقرہ کی قدر اس کی قانونی قدر
یعنی ایک شلنگ چار پنس سے کم رہے گی۔ ایسی حالت میں

ذخیرۂ معیار طلا خوب کام آتا ہے۔ اس ذخیرہ کی مقدار دو
کروڑ پونڈ تک پہنچ گئی ہے اور اب یہ خیال کیا جاتا ہے
کہ ہندوستان کے مالیہ کی بنا بہت مستحکم ہوگئی ہے اور کوئی
خوف و خطر نہیں رہا۔

حال میں جو زرکمیشن مقرر ہوئی تھی اس کی سفارش
ہے کہ ذخیرۂ معیار طلا کا ایک حصہ بشکل طلا رہنا چاہئے۔
لیکن جنگ چھڑ جانے کی وجہ سے اس تجویز پر عملدرآمد نہ
ہوسکا جب عمل ہونے لگے گا تو بلحاظ مبادلات خارجہ ہندوستان
کی حالت میں بہت استحکام پیدا ہو جائیگا۔

گیارھواں باب

مالگذاری

مالگذاری کی سرگذشت

قدیم زمانہ سے ہندوستان میں یہہ دستور چلا آتا ہے کہ محاصل کا بڑا حصہ زمین سے وصول کیا جاتا ہے منو جی کے شاستر سے معلوم ہوتا ہے کہ زمین کی پیداوار کا ایک تہائی حصہ سلطنت کا حق شمار ہوتا تھا مثلاً کل پیداوار کا ایک تہائی یا چوتھائی حصہ۔ پہلے مالگذاری میں صرف غلہ وصول کیا جاتا تھا۔ اس طریق میں یہ تو بڑی خوبی تھی کہ فصل کی حالت کے مطابق سرکار اور کاشتکار کو اپنا اپنا حصہ مل جاتا تھا لیکن ساتھ ہی کئی دقتیں بھی لگی ہوئی تھیں مثلاً غلہ فراہم کرنا، اس کے واسطے بڑا عملہ رکھنا، اور پھر بھی خورد و برد ہوجانا شاہانِ مغلیہ کے عہد میں لگان کا طریق باقاعدہ بن گیا۔ اکبر اور اس کے ہندو وزیر راجہ ٹوڈرمل نے ایک ایسی زبردست حکومت قائم کرنے کی کوشش کی کہ ملک کے تمام حصوں میں اس کے اختیارات نافذ ہوں اور اس غرض سے

باب گیارھواں

ایک موثر مالی انتظام کی بنا ڈالی۔ کیونکہ تمام حکومتوں کو اسی کی سب سے زیادہ ضرورت رہتی ہے اول تو لگان میں پیداوار کے بجائے نقد رقم وصول ہونے لگی۔ دوسرے بندوبست کی رو سے یہ قرار پایا کہ اتنی مدت تک اس قدر معین رقم بطور لگان کے ہر سال ادا کرنی ہوگی۔ چنانچہ گزشتہ دس سال کے نرخوں کا حساب لگاکر حکومت کا واجبی حق اوسط پیداوار کا ایک ثلث قرار دیا گیا۔ جب مسلمانوں کی سلطنت کو زوال ہوا تو مالگذاری کی حالت بھی ابتر ہوی تحصیل کے ٹھیکہ دینے کا بڑا طریق عام طور پر رائج ہوگیا۔ مالگذاری کے ٹھیکہ دار یا تو ہندو سرگروہ ہوتے تھے جن کی دلجوئی مسلمان حکمرانوں کو مقصود تھی یا ایسے لوگ جو اپنے رتبہ یا سابق خدمات کی وجہہ سے سلطنت پر کوئی نہ کوئی حق رکھتے تھے بنگال میں تو وہ زمیندار کہلاتے تھے اور اودھ و گجرات میں ان کو تعلقہ دار کہتے تھے جوں جوں زمانہ گزرتا گیا زمیندار خود رائے ہوتے گئے۔ جس قدر کاشتکاروں سے لگان طلب کیا اور جس قدر ہوسکا وصول کر لیا رہی مالگذاری سو جتنی سرکار سے طے ہوئی تھی خزانے میں داخل کردی باقی رقم خود رکھ لی۔

انفنسٹن صاحب کا بیان

پیشوا کے مقبوضات احاطہ بمبئی میں ضم ہونے سے قبل مرہٹے جس قدر مالگذاری تحصیل کرتے تھے انفنسٹن صاحب نے اس کا حال اپنی سرکاری تحریرات میں صاف بیان کیا ہے۔ اس زمانہ

باب گیارھواں

ہیں مالگذاری کے بڑے عہدہ وار معاملتدار ہوتے تھے جن کے تحت میں ایک ایک ضلع رہتا تھا کچھ لوگ جو طرفدار کہلاتے تھے اُن کی ماتحتی میں تھوڑے تھوڑے دیہات کا انتظام کرتے تھے اور کہیں کہیں ان سے بھی اعلیٰ عہدہ وار مامور ہوتے تھے جن کو درکدار رکھتے تھے یہ معاملتداروں کے کام کی نگرانی رکھتے تھے اور اُن کی بد اعمالیاں روکتے تھے۔ مالگذاری کے ادنیٰ عہدہ وار دیہات کے پٹیلوں سے معاملہ رکھتے تھے اور وہ بطور خود رعیت سے مالگذاری مقرر کر لیتے تھے زمانہ گزرتا گیا اور بیجا مطالبات کا اضافہ ہوا کیا۔ معاملتدار کا عہدہ نیلام ہونے لگا۔ جو سب سے زیادہ بولی بولتا اس کو مل جاتا اور وہ پھر بطور خود شرح مالگذاری بڑھاکر ضلع کسی ذیلی کو ٹھیکہ پر اُٹھا دیتا پس تحصیل مالگذاری میں جو لوگ بھی شریک تھے معاملتدار سے لیکر پٹیل تک سب نے ایک جتھا بنا لیا تھا کہ جہانتک ہوسکے بدنصیب رعیت سے زیادہ مالگذاری وصول کی جائے اور کوئی ان کی مزاحمت کرنے والا نہ تھا۔

طریق مالگذاری کے اختلاف

جوں جوں صوبے برطانوی حکومت میں آتے گئے تحصیل مالگذاری کا طریق ہر صوبے کی خاص ضروریات کے لحاظ سے جُدا جُدا مقرر ہوتا رہا یہی وجہ ہے کہ برطانوی ہندوستان میں جابجا تحصیل لگان کے مختلف طریق رائج ہیں جن کے سمجھنے میں خواہ مخواہ دقت اور پیچیدگی محسوس ہوتی ہے مزید براں سرکار کا صرف یہی کام نہیں کہ بندوبست کیا اور مالگذاری تحصیل کر لی بلکہ اور انتظام بھی اس کے سپرد ہے۔ مثلاً جن جن لوگوں کا اراضی سے

باب گیارھواں

تعلق ہے خواہ مالگذاری ان سے قرار نہ پائی ہو سب کے حقوق
باقاعدہ رجسٹر میں درج کئے جاتے ہیں پس بندوبست و مالگذاری
کے تحت میں سرکار کو بہت دشوار کام انجام دینے پڑتے ہیں
شروع شروع میں بیشک بہت غلطیاں سرزد ہوئیں اور کبھی کبھی
واجبی سے زیادہ مالگذاری وصول کی گئی۔ دکن میں یہ حالت خاص
طور پر پیش آئی اور اصلی خرابی کا خاص باعث یہی ہوا کہ مسلسل طور
پر فصلیں تباہ ہوتی رہیں انگریز حکام نے جن میں سے بہتوں کا
نام بھی فراموش ہوگیا بتدریج ایک ایسا طریق نکال لیا کہ جو مکمل
نہ سہی لیکن پہلے طریقوں سے بہتر ہے۔

محکمہ کا انتظام

جس قدر معاملات زمین سے متعلق ہیں وہ سب حکومت ہند
کے محکمۂ مالگذاری و زراعت کے سپرد ہیں۔ یہ محکمہ جداگانہ طور
پر ۱۸۷۱ء میں جاری ہوا اس محکمہ کا افسر اعلیٰ گورنر جنرل کی
انتظامی مجلس میں شریک رہتا ہے مالگذاری کا انتظام بیشتر مقامی
حکومتوں کے ہاتھ میں ہے اور مختلف صوبوں میں مختلف ہے
مدراس میں چونکہ قسمت وار کمشنر نہیں رہتے اس لئے ایک مالگذاری
بورڈ مقرر ہے جس میں چار ممبر شریک ہیں۔ ان میں سے دو تو
مالگذاری کے معاملات طے کرتے ہیں تیسرا بندوبست اور اختیارات
کے سیاہوں کی دیکھ بھال رکھتا ہے اور چوتھا مالگذاری کے دوسرے
شعبوں کی نگرانی کرتا ہے مثلاً محصول نمک چنگی و آبکاری بعض
دیگر صوبوں میں جہاں قسمت وار کمشنر موجود ہیں۔ مجلس مالگذاری
کے صرف دو ممبر ہوتے ہیں۔ صوبہ متوسط اور برما میں بورڈ کا

باب گیارھواں

کل کام ایک ایک کمشنر مال انجام دیتا ہے بمبئی کا طریق اس سے بھی مختلف ہے وہاں صرف قسمت دار کمشنر ہیں نہ کوئی بورڈ ہے اور نہ کمشنر مال ۔ انتظام مالگذاری اضلاع میں منقسم ہے آئینی صوبوں میں ہر ضلع کا اعلیٰ حاکم کلکٹر کہلاتا ہے اور غیر آئینی صوبوں میں ڈپٹی کمشنر بھی مالگذاری کا خاص حاکم شمار ہوتا ہے اور بتوسط کمشنر مقامی حکومت کا کام انجام دیتا ہے۔ اس کی ماتحتی میں اسسٹنٹ اور ڈپٹی کلکٹر رہتے ہیں۔ اکثر صوبوں میں ہر ضلع کئی حصوں میں منقسم ہوتا ہے۔ جن کو تحصیل یا تعلقہ کہتے ہیں ہر حصے کے اعلیٰ حاکم کو تحصیلدار کہتے ہیں۔ لیکن بمبئی میں وہ معالتدار اور سندھ میں مختار کار کہلاتا ہے۔ ان حاکموں کے دفتر میں محاسبوں اور انسپکٹروں کا عملہ رہتا ہے جن کا یہی کام ہے کہ دیہات کے سرکاری ملازموں کے نگران رہیں اور مالگذاری کے حسابات اور سیاہوں کو درست رکھیں۔ جیسا کہ آگے چل کر بیان ہوگا۔ گاؤں بھی کئی وضع کے ہیں لیکن ان سب میں ایک سرکاری مقدم رہتا ہے جو کسی نہ کسی صورت سے تحصیل مالگذاری کا ذمہ دار ہے۔ دیہاتی محاسب کو جو شمالی ہند میں پٹواری اور جنوبی ہند میں کلکرنی۔ تلاٹی یا کرنام کہلاتا ہے بہت اہم عہدہ دار سمجھنا چاہیے کیونکہ اسی پر مالگذاری کے تمام سابق اور حال کے انتظام کا دار و مدار ہے متعدد کام اس کے سپرد ہیں۔ گاؤں کے حسابات مرتب کرنا نقشے اور سیاہے تیار کرنا، مزروعہ فصلوں کے تختے بنانا، اور حدبندی کے نشانات برقرار رکھنا تاکہ کوئی

ان کر اڑا اور مٹا نہ سکے ہر سال جمعبندی تیار ہوتی ہے اور ہر گاؤں
کی واجب الادا مالگزاری کا حساب بنتا ہے۔

باب گیارھواں

حقیقت اراضی زمینداری اور رعیت داری

مالگزاری کے بندوبست اور تحصیل کا طریق بیان کرنے سے قبل
یہ واضح کردینا ضروری معلوم ہوتا ہے کہ ہندوستان میں حقیت
اراضی کی کیا کیا صورتیں موجود ہیں اس سے قبل بیان ہو چکا
ہے کہ اٹھارھویں صدی کے ختم پر مالگزاری کی تحصیل ٹھیکہ داروں
کے سپرد تھی۔ بعض مقامات مثلاً بنگال میں یہ لوگ زمین کے
مالک بن بیٹھے اور قانون بھی ان کو مالک تسلیم کرنے لگا دیگر
مقامات مثلاً بمبئی اور جنوبی ہندوستان میں بیشتر یہ لوگ باقی نہیں
رہے یا کچھ باقی ہیں بھی تو صرف چند فرائض ان کے ذمے رہ گئے
ہیں۔ سر جان اسٹریچی لکھتے ہیں کہ صوبہ بمبئی و مدراس میں بیشتر
اراضی خود کاشتکاروں کی ملک ہے اور سرکار ہر ایک سے جدا جدا
مالگزاری مقرر کرتی ہے اس طریق ملک کو رعیت واری کہتے ہیں
صاحب موصوف ۱۸۸۰ء کے قحط کمشنروں کی رپورٹ کا مندرجۂ ذیل
اقتباس پیش کرتے ہیں۔ جنوبی ہند میں طریقۂ مالگزاری نہایت سادہ
ہے اور رعیت کی ملک زمینداروں کی مداخلت سے محفوظ ہے
اس کو زمین پر مالکانہ حقوق حاصل ہیں البتہ سرکار کو مالگزاری
ادا کرنی پڑتی ہے جس کی مقدار تیس سال کے واسطے معین
کردی جاتی ہے۔ اس کو یہ بھی اختیار ہے کہ چاہے تو فصلی سال
کے آخر میں کل اراضی یا کسی خاص کھیت سے دست بردار ہو جائے
زمین کو وہ جس قدر اپنی کوشش سے ترقی دے۔ اس کی بنا پر

باب گیارھواں

بندوبست کے وقت مالگذاری میں کوئی اضافہ نہیں ہوسکتا وہ چاہے تو اپنی زمین فروخت کرے، لگان پر اُٹھادے۔ سرکار سے اجازت لینے کی ضرورت نہیں اور مالک کی وفات کے بعد قانون وراثت کے بموجب زمین اس کے وارثوں کو مل جاتی ہے شمالی ہندوستان میں ملک اراضی کا جو طریق رائج ہے وہ کسی قدر مختلف ہے اس کو زمینداری کہتے ہیں۔ وہاں پورے پورے دیہات کا یکجائی بندوبست ہوتا ہے۔ اور سرکار مالکانِ آراضی سے معاملہ کرتی ہے جن کو بالعموم زمیندار اور خاص اودھ میں تعلقدار کہتے ہیں یہ لوگ کاشتکاروں سے لگان وصول کرکے کچھ حصہ تو سرکار کو بطور مالگذاری دیتے ہیں اور باقی خود رکھ لیتے ہیں۔ بعض حصوں میں مثلاً صوبہ آگرہ کے مغرب اور پنجاب میں ایک ایک گاؤں میں بہت سے چھوٹے چھوٹے حصہ دار ہوتے ہیں اور وہ سب ایک دیہاتی جماعت بناکر رہتے ہیں ایسی حالت میں کل جماعت اور نیز لوگ فرداً فرداً مالگذاری کے ذمہ دار سمجھے جاتے ہیں اور بحیثیت مجموعی کل جماعت زمیندار شمار ہوتی ہے قحط کمشنر اپنی رپورٹ میں لکھتے ہیں کہ ایسی جماعت کا کوئی نہ کوئی منتخب شدہ یا موروثی سرگروہ ہوتا ہے اور کل جماعت پورے گاؤں کی مالگذاری ادا کرنے کی ذمہ دار ہوتی ہے کہیں کہیں ملک مشترک ہوتی ہے۔ آمدنی یک جا رہتی ہے اور حسب دستور جماعت میں تقسیم ہوجاتی ہے کہیں ہر ایک کی ملک جدا جُدا رہتی ہے ہر ایک اپنی اراضی کی مالگذاری ادا کرتا ہے اور

باب گیارھواں

منافع اپنی گرہ میں باندھتا ہے۔ مشترک واری عائد کرنے کا رواج روز بروز ترک ہوتا ہے اور عملی لحاظ سے شمالی ہندوستان کی چھوٹی چھوٹی ملکوں اور جنوب کی رعیت واری میں کوئی فرق نظر نہیں آتا۔

بیڈن پاول صاحب اور حقیت اراضی

بیڈن پاول صاحب جو کہ ہندوستانی طریق حقیت اراضی کے معاملات میں مستند مانے جاتے ہیں۔ ہر دو قسم کے دیہات کی نہایت صاف صاف اور مختصر تعریف یوں بیان کرتے ہیں۔ رعیت واری دیہات میں لوگ فرداً فرداً اپنے کنبے کی مدد سے زمینیں کاشت کرتے ہیں۔ سب کے کھیت جُدا جُدا ہوتے ہیں اور کاشتکار گاؤں کے کل رقبہ مشترک کے حصہ دار شمار نہیں ہوتے لیکن گاؤں کے ذی اقتدار مقدم اور دیگر عہدہ داروں کے اثر سے وہ سب باہم مل جلکر رہتے ہیں کچھ دستکار اور ادنٰی خدمتگار ہوتے ہیں جن کو حسب رواج کچھ حق الخدمت ملتا ہے کبھی کبھی اس سلسلے میں ان کو موروثی زمین بھی مل جاتی ہے۔ زمینداری گاؤں کی عام خصوصیت یہ ہوتی ہے کہ وہاں کوئی مرد یا خاندان باقی کاشتکاروں سے ممتاز شمار ہوتا ہے بلکہ وہی کل گاؤں کی زمین کا مالک مانا جاتا ہے۔

دوامی بندوبست

زمینداری اور رعیت واری ہر دو قسم کی اراضیات کا بندوبست مالگذاری غور کرنے کے قابل ہے زمینداری گاؤں کی اراضیات ایک فرد کے بجائے ایک جماعت کی ملک ہوسکتی ہے ایک اور فرق بھی قابلِ لحاظ ہے۔ بعض بندوبست دوامی اور بعض

باب گیارھواں

میعادی ہیں اول قسم کا بندوبست بنگال میں اور صوبۂ متحدہ اور مدراس کے بعض حصوں میں رائج ہے ۱۷۹۳ء میں لارڈ کارن والس نے بنگال میں دوامی بندوبست جاری کیا۔ زمیندار جو دراصل تحصیل مالگذاری کے ٹھیکہ دار تھے مالک زمین تسلیم کرلئے گئے اور جس قدر لگان وہ تحصیل کرتے تھے اس میں سے نوے فی صدی سرکاری مالگذاری قرار پایا چند اہل الرائے کا خیال ہے کہ دوامی بندوبست کے بہت عمدہ نتائج نکلے کیونکہ اضافہ مالگذاری کا خوف نہ ہونے کی وجہ سے زمینداروں نے پورے شوق اور کوشش سے اپنی اراضیات کو ترقی دی۔ ساتھ ہی اس طریق میں چند بڑے نقص بھی نظر آتے ہیں۔ بندوبست کے وقت کاشتکاروں کے حقوق اور مفاد محفوظ رکھنے کی کوشش کی گئی تھی چونکہ اس زمانے میں اراضیات کی پیمائش وغیرہ بہت دشوار تھی لہذا اس کا اہتمام نہ ہوسکا دولت و آبادی بڑھنے کی وجہ سے زمین کی مانگ میں بھی بہت اضافہ ہوگیا۔ جو لوگ اس کے خواستگار ہیں ان میں باہم برابر کشمکش رہتی ہے بنگال میں تو یہ نوبت ہے کہ بندوبست کے زمانے کے مقابلے میں آجکل لگان چالیس گنا بڑھ گیا ہے اس انقلاب کے بہت سے اسباب ہیں۔ کاشتکار کی محنت، ریلوں کا اجرا، آبادی کا اضافہ، سرکار کی امداد اور اکثر زمینداروں کی طرف سے کھیتوں کی اصلاح و ترقی، لیکن کل منافع زمیندار کی جیب میں چلا جاتا ہے۔ کاشتکار کو جب تک قانون لگان سے مدد نہ ملے کچھ فائدہ نہیں پہنچتا۔ اور سرکار کو بھی دوسرے صوبوں کے مقابل بنگال سے بہت کم

مالگذاری وصول ہوتی ہے۔ اودہ کے تعلقہ داروں کا حال اس سے بھی جداگانہ ہے ۱۸۵۶ء میں جب اودہ انگریزی علاقہ میں شامل ہوا تو ان لوگوں کے ساتھ کچھ انصاف نہیں برتا گیا اور اس بنا پر دوسرے ہی سال ان میں بغاوت پھیل گئی۔ لارڈ کیننگ کو امن قائم ہونے کے بعد سے یہ فکر لگی ہوئی تھی اور زمینداروں کے طبقے سرکار کے حامی اور طرفدار بن جائیں۔ چنانچہ اسی خیال سے تعلقہ داروں کو ان کی ریاستیں اور حقوق واپس دے دیئے گئے لیکن یہاں جو بندوبست ہوا وہ بنگال کے بندوبست سے مختلف تھا۔ مالگذاری میں وقتاً فوقتاً کمی بیشی ہوسکتی ہے۔ زمین کی باقاعدہ پیمائش ہوچکی ہے اور بڑی بات یہ ہے کہ زمین میں جن جن لوگوں کے حقوق ہیں اُن سب کی یادداشت موجود ہے۔

اب بندوبست کا دوسرا طریق دیکھنا چاہیئے وہ یہ کہ کسی ایک زمیندار کے بجائے بہت سے حصہ دار زمین کے مالک ہوتے ہیں اور سب مالگذاری ادا کرنے کے ذمہ دار سمجھے جاتے ہیں صوبہ آگرہ اور پنجاب میں ملک زمیں کا یہ طریق زیادہ رائج ہے۔ بنگال کے مقابل وہاں بہت زیادہ احتیاط برتی گئی اور اول اول ہر چند سال کے بعد بندوبست کی تجدید ہوتی تھی اس طرح سے طریق مالگذاری پر مزید غور کرنے کا موقع ملا اور بالآخر ثابت ہوا کہ زمین کی پیمائش نہایت ضروری ہے اور دوامی بندوبست بہت خلاف مصلحت ہے۔ چنانچہ اب یہ حال ہے کہ اکثر جگہ ہر تیس سال بعد بندوبست بدلتا ہے۔ جدید بندوبست سے

باب گیارھواں

قبل مالگذاری میں کوئی اضافہ نہیں ہوسکتا اور جب خود مالک اپنی زمین کو کسی قسم کی ترقی دے تو خاص اس کی بنا پر ہمیشہ یا عرصۂ دراز تک مالگذاری میں اضافہ نہیں کیا جاتا۔

رعیت واری طریق مدراس اور بمبئی کے احاطوں میں خاص طور پر رائج ہے۔ مدراس کے گورنر مقرر ہونے سے چندسال قبل خود ٹامس منرو صاحب نے وہاں کی مالگذاری کا بندوبست کیا وہاں طریق یہ ہے کہ مالگذاری ہرایک زمین کی تخمینی خالص پیداوار کی ایک مقررہ نسبت سے وصول ہوتی ہے مثلاً تہائی یا چوتھائی حصہ۔ رعیت واری علاقوں میں ہرایک کھیت کی باقاعدہ اور مکمل پیمائش لازمی ہے احاطۂ بمبئی میں البتہ ایک عجیب طریق رائج ہے بندوبست کے سلسلہ میں مسٹر گولڈ اسمتھ اور لفٹنٹ ونگیٹ نے ۱۸۳۵ء میں جو پیمائش شروع کی اس کی تکمیل کہیں ۱۹۱۰ء تک ہوسکی زمین کی قسمیں پیداوار کے حساب سے قرار نہیں پائیں بلکہ مٹی کی قسم اور اس کی تہہ کی موٹائی کے حساب سے زمین کی زرخیزی بنظر سہولت روپیہ کے اجزا کی اصطلاح میں بیان کی جاتی ہے۔ مثلاً اعلیٰ درجہ کی کھیت کی زرخیزی سولہ آنے شمار ہوتی رہے۔ پھر جوں جوں کھیتوں میں نقص بڑھیں مثلاً سطح ڈھلوان یا ناہموار ہو۔ چونہ یا نمی ضرورت سے زیادہ ہو یا مٹی خراب یا زمین کی تہہ پتلی ہو اُتنے ہی آنے بھی گھٹتے جاتے ہیں۔ بعض کھیتوں کی زرخیزی بارہ آنے قرار پاتی ہے اور بعض کی آٹھ اور بعض کی صرف چھ آنے۔

لارڈ کرزن کی اصطلاحات

لارڈ کرزن کے عہد میں حکومت ہند نے صوبہ واری حکومتوں کی مدد سے ہندوستان کے طریق مالگذاری کی مفصل اور مشرح تحقیقات کی۔ اعلیٰ حکام بندوبست کی میعاد بڑھانے کے تو موافق تھے لیکن دوامی بندوبست کے اسان اصول کے سخت خلاف تھے ان کی رائے میں بنگال کا سا دوامی بندوبست قحط کا ہرگز مانع نہ تھا اور سرکار کا یہ بھی فرض تھا کہ اس صوبے میں کاشتکاروں کو زمینداروں کی سخت گیری سے بچائے۔ شرح مالگذاری پر بھی غور کیا گیا اور ثابت ہوا کہ مفلسی اور قرضداری کا عام باعث مالگذاری کی زیادتی نہیں ہے۔ یہ بھی جتا دیا گیا کہ طریق مالگذاری کی سختی سے پابندی کرنی ضرور نہیں۔ لگان یا پیداوار کا وہی حصہ جس سے کہیں بہت منافع یا ماحصل زاید بچ رہتا ہے۔ دوسری جگہ وبال بن جاتا ہے۔ ہندوستان کے اکثر حصوں میں مالگذاری خالص لگان کا نصف رہتی ہے اور بحساب مجموعی پیداوار اس کا تخمینہ ۵۔ اور ۱۰ فیصدی کے درمیان نظر آتا ہے رعیت واری علاقوں میں مالگذاری مجموعی پیداوار کے دس فی صدی سے کچھ کم ہی رہتی ہے۔

مذکورۂ بالا تحقیقات کا صرف یہی نتیجہ نہیں نکلا کہ انگریزی حکومت کے طریق مالگذاری کا مفصل حال ضبط تحریر میں آگیا بلکہ اس کی بدولت بعض اصطلاحات بھی عمل میں آئیں۔ بندوبست کی کارروائی بہت سہل کردی گئی تاکہ لوگوں کو دقت محسوس نہو پہلے طریق مالگذاری سخت تھا اس میں بھی نرمی ہونے لگی ہے

باب گیارھواں

تجربے سے ثابت ہوا کہ اضافہ مالگذاری کا بار کبھی ادا کنندوں کو بہت گراں گزرتا ہے۔ پس جب زیادہ اضافہ کرنا مقصود ہوتا ہے تو بتدریج کیا جاتا ہے۔ یہ بھی معلوم ہوا کہ متوسط درجہ کی فصل کی پیداوار کے حساب سے مالگذاری مقرر ہوتی ہے اور جب فصل خراب ہوجاتی ہے تو مالگذاری ادا کرنی مشکل ہوتی ہے۔ اور یہ توقع عبث ہے کہ عمدہ فصلوں کے زمانے میں لوگ اس غرض سے کچھ پس انداز کر رکھیں گے کہ قحط سالی میں مالگذاری دیں۔ پس مالگذاری ملتوی اور معاف کرنے کے طریق نکالے گئے تاکہ بُرے وقت میں رعایا زیر بار نہ ہو۔ قحط یا مرض یا کسی اور وجہ سے اگر کوئی تباہ حال ہوجائے تو اس کی مالگذاری معاف یا اس میں مناسب تخفیف ہوسکتی ہے۔

ہندوستان کا موجودہ طریق مالگذاری سالہا سال کے تجربے اور تحقیقات کا نتیجہ ہے تعین رقم اور طریقِ تحصیل ہر دو لحاظ سے اس کی بڑی خصوصیت یہ ہے کہ وہ ہر مقام کے مناسب حال ہے صوبے صوبے کا طریق جدا ہے۔ مالگذاری کے معاملے میں سرکار کی جو پالیسی ہے اس کا احصل یہ ہے کہ سرکار اپنے عہدہ داروں کی ہدایت کے واسطے چند عام اور فیاضانہ اصول مقرر کردیتی ہے جن میں ہر صوبے کی قدیم روایات اور مقامی حالات کا خاص لحاظ ہے۔ اور نیز تاکید کردیتی ہے کہ اضافہ مالگذاری میں اعتدال کا اور تحصیل لگان میں نرمی و ہمدردی کا خیال رکھا جائے۔

باب بارھواں

تعلیم

تعلیم کے دور

انگریزی عہد میں ہندوستان میں جو تعلیم پھیلی اس کے چار دور حسب ذیل قرار پاسکتے ہیں۔

(۱) سنہ ۱۷۸۲ تا ۱۸۱۸ء ابتدائی دور۔

(۲) سنہ ۱۸۱۸ تا ۱۸۵۴ء اس دور میں تعلیم کی بنا پڑی اور نہایت اہم تعلیمی معاملات طے ہوئے۔

(۳) سنہ ۱۸۵۴ تا ۱۹۰۱ء تعلیم بہت سرعت سے پھیلی۔

(۴) سنہ ۱۹۰۱ء سے آجتک چھان بین اور ترمیمات ہورہی ہیں۔

انگلستان اور ہندوستان کی تاریخ میں بہت قریب کا تعلق ہے۔ اب دیکھنا یہ ہے کہ جو واقعات انگلستان میں ظہور پذیر ہوئے انہوں نے ہندوستان میں کیا عمل کیا اور اس کی پالسی پر کیا اثر ڈالا۔

۱۷۸۲-۱۸۱۸

جنگ کا زمانہ

دونوں ملکوں میں یہ زمانہ جنگ کی نذر ہوا انگلستان کو اول

باب بارھواں

تو آزادی امریکہ کی جنگ پیش آئی اس کے بعد وہ فرانس کے انقلاب اور نپولین کی جنگ میں مبتلا ہوگیا اصلاحات ملتوی رہیں اور وزیر اعظم پٹ کو امن، کفایت شعاری، اور اصلاح' ان تینوں منصوبوں سے دست بردار ہونا پڑا حالانکہ اس کو ان کا از حد خیال تھا چنانچہ کہتے ہیں کہ یہی منصوبے اس کی سیاسی زندگی کے شروع میں چراغِ ہدایت بنے رہے اور آخر عمر میں محض چھلاوہ ثابت ہوے یعنی با وجود مرکوز خاطر ہونے کے وہ ان کی تکمیل نہ کرسکا یہ وہی زمانہ ہے جبکہ ہندوستان میں وارن ہسٹنگس کی جنگیں ہورہی تھیں جنوبی ہندوستان میں کارن والس مہمات سر کر رہا تھا حتیٰ کہ مرہٹوں کی طاقت اور اتحاد کا خاتمہ ہوگیا۔ سرکار انگریزی کو اگر جنگ سے فرصت ملتی تھی تو وہ تمام تر کوشش اپنے اقتدار کے استحکام میں صرف کرتی تھی اصلاح اور ترقی کے اصولوں پر توجہ کرنیکی نوبت نہیں آتی تھی انگریزوں کی طرف سے وارن ہسٹنگس نے سب سے پہلے مسلمانوں کے لئے ۱۷۸۲ء میں ایک مدرسہ بمقام کلکتہ قائم کیا اور ۱۷۹۲ء میں سنسکرت کالج ہندوؤں کے لئے بنارس میں جاری ہوا تو سرکار نے اس کو بھی امداد دی سرکار کی غرض یہی تھی کہ مشرقی زبانوں کی تعلیم کو ترقی ہو کچھ چند سال بعد دو سبب ایسے پیدا ہوگئے کہ تعلیمی پالیسی میں خود تبدیلی ہونے لگی اور مشرقی علوم کے بجائے مغربی علوم کا شوق ہر طرف پھیل گیا۔ ایک تو عیسائی مشنری

باب بارھواں

ہندوستان پہنچے اور سب سے اول مدراس میں اسکول اور کالج
کھولنے شروع کئے۔ دوسرے جب یہ معلوم ہوا کہ انگریزی
زباندانی کار آمد اور مفید ہے تو خود ہندوستانیوں میں انگریزی
اور مغربی علوم کا شوق پیدا ہوگیا۔ اس تحریک کے بانی راجہ
رام موہن رائے تھے جو ہندوستان کے بہترین مصلحین تمدن
شمار ہوتے ہیں انہی کی کوشش کا نتیجہ تھا کہ کلکتہ میں ہندو
کالج قائم ہوا۔

۱۸۱۸ء-۱۸۵۴ء اصلاح زمانہ

۱۸۱۸ء سے ۱۸۵۴ء تک انگلستان میں امن اور اصلاح
کا دور رہا نپولین کے معرکوں کا خاتمہ ہوچکا تھا اور مادی ترقیات
کا ہر طرف ظہور تھا۔ ہندوستان کی تاریخ میں بھی یہ دور درخشاں
نظر آتا ہے بیٹنک۔ الفنسٹن۔ اور منرو صاحب کا زمانہ تھا بمبئی
میں الفنسٹن صاحب تعلیم کے بڑے حامی رہے۔ اور ان کے
رخصت ہوتے وقت لوگوں نے چندہ کرکے ان کی یادگار میں
وہ پروفیسریاں قائم کیں اول اول تو بمبئی کے دارالبلدہ ٹون ہال
میں لکچر ہوا کئے اور بالآخر ایک کالج قائم ہوگیا جو ابتک
الفنسٹن صاحب کے نام سے موسوم ہے۔

میکالے صاحب کی رپورٹ

۱۸۳۳ء میں لارڈ میکالے گورنر جنرل کی کونسل کے سب سے
پہلے قانونی ممبر مقرر ہوکر ہندوستان پہنچے۔ اس زمانے میں دو
خیال کے لوگ تھے اور ہر فریق اپنے خیال کا بڑا حامی تھا۔
سوال یہ تھا کہ آیا سرکار السنہ مشرقیہ کی تعلیم میں مدد دینے پر قناعت
کرے یا اس کو چاہیئے کہ یہاں مغربی علوم اور تہذیب کو رواج

باب گیارھواں

دے ہندوستان میں سرکار کو جو پیچیدہ معاملات پیش آئے اُس میں یہ مسئلہ بھی شامل تھا اور اہمیت میں کسی سے کم نہ تھا۔ اِس مسئلہ پر اُس وقت بہت سرگرمی سے بحث ہو رہی تھی۔ مگر مکالے صاحب نے تھوڑے ہی عرصے میں رائے قائم کرکے ایک رپورٹ پیش کی جو ابتک مشہور ہے انھوں نے مغربی علوم کی اس شدومد سے حمایت کی اور مشرقی زبانوں کا مضحکہ اُڑایا کہ اس معاملے کا فیصلہ ہی کردیا۔ مشرقی زبانوں کے متعلق وہ لکھتے ہیں کہ طلبہ کو ان کے مطالعہ سے اول تو وہی باتیں معلوم ہوں گی جو اب سے دو ہزار سال پہلے معلوم تھیں۔ دوسرے وہ نمایشی اور بے معنی موشگافیاں اُن کے مطالعے میں آئیں گی جو لوگوں نے خیال دوڑا دوڑا کر پیدا کرلی ہیں اور جن کی تعلیم پہلے سے ہندوستان کے ہر حصے میں جاری ہے سنسکرت کی تعلیم کا نتیجہ اس سے بڑھکر کچھ نہیں نکل سکتا کہ ملک میں تاریکی پھیلی رہے۔ اگر سرکار کا منشا یہ ہے کہ ہندوستان کے لوگ ترقی کریں تو طریق تعلیم زیادہ وسیع ہونا چاہیئے کہ اس میں ریاضیات، فلسفہ، کیمیا، طبعیات، اور دیگر مفید علوم بھی داخل ہوں۔ مکالے صاحب فرماتے ہیں کہ آیا یہ جائز ہوگا کہ عوام کے خرچ سے وہ پُرانے طبی اصول پڑھائے جائیں جن سے ایک انگریز سالوتری کو بھی عار ہوگا یا وہ علم ہیات جس کے مسائل سُن کر انگلستان کے کسی اسکول کی لڑکیاں تک قہقہہ لگائیں یا وہ تاریخ جس میں تیس تیس فٹ کے بلند قامت راجاؤں کا ذکر ہو۔ یا تیس تیس ہزار سال کے

باب بارھواں

عہد حکومت کا بیان ہو۔ یا وہ جغرافیہ جس میں آب حیات اور دودھ کے سمندروں کا حال درج ہو۔

رپورٹ کی تنقید۔

اس میں شک نہیں کہ میکالے صاحب جس نتیجے پر پہنچے وہ بالکل درست ہے کچھ تو سیاسی مجبوریاں آپڑیں کچھ ذرائع آمدورفت کی ترقی نے مشرق و مغرب کو ملا دیا۔ اور سب پر طرہ یہ کہ خود ہندوستانیوں کو مغربی خیالات کا شوق پیدا ہوگیا۔ غرض کہ بہت سے اسباب نے مندرجۂ بالا رائے کی تائید کی اور کسی دوسری تعلیمی پالسی کا نفاذ ناممکن ہوگیا۔ مکالے صاحب لکھتے ہیں کہ ہندوستانی لوگ جس تعلیم کے بھوکے ہیں وہ تعلیم تو ہم نے ان سے بچا رکھی ہے اور جس تعلیم سے ان کا دل بھر گیا ہے وہ زبردستی ان کے دماغ میں ٹھونسی جاتی ہے لیکن اصل رائے کے علاوہ مکالے صاحب نے اپنی تقریروں اور تحریروں میں مشرقی علوم اور مصنفوں کا جو مضحکہ اڑایا ہے اور لے دے کی ہے وہ نہ صرف بیجا بلکہ انصاف پسندی کے منافی ہے الفنسٹن صاحب کی زیادہ ہمدردی تھی اگر اس پر عمل ہوتا تو بہتر تھا۔ الفنسٹن صاحب لکھتے ہیں کہ میں کبھی یہ گوارا نہ کرتا کہ ہندوؤں کے ادب کا خالص جزو تعلیم سے خارج کردیا جائے تعلیم کا یہ بالکل الٹا طریقہ ہے کہ کسی قوم کا اپنا ادب تو کس مپرسی کی حالت میں ہو اور دیگر علوم سے ان کے دماغ مالا مال کیے جائیں اور میرا قطعی خیال یہ ہے کہ آئندہ ہندوستانی لوگ تعلیم میں اس وقت ترقی کریں گے جبکہ جدید معلومات میں

باب بارھواں

ان کے قدیم علوم کی چاشنی داخل ہوگی اور ان کے خاص اور اصلی خیالات و حیات جدید تعلیم میں سرایت کر جائیں گے۔

بالآخر معاملہ متنازعہ کا فیصلہ ہوگیا۔ جدید تعلیم کے مدرسے کھلنے لگے اور اس کا جو کچھ نتیجہ ہوا ظاہر ہے اسکولوں اور کالجوں میں بسرعت اضافہ ہوا۔ اور اسباب بھی کچھ ایسے جمع ہوگئے کہ میکالے صاحب ہی کی رائے کے موافق تعلیم پھیلنے لگی ۱۸۴۴ء میں لارڈ ہارڈنگ نے قواعد جاری کئے کہ سرکاری ملازمت میں وہی لوگ داخل کئے جائیں جو انگریزی تعلیم پا چکے ہیں دوسرے تمام سرکاری کار و بار کی زبان بھی انگریزی قرار پائی۔ اس وجہ سے ہندوستان میں انگریزی تعلیم کو اور بھی جلد ترقی ہوئی۔

۱۸۵۴ء کا مراسلہ

۱۸۵۴ء میں مجلس نگراں کے صدر سر چارلس وڈ نے لارڈ ڈلہوزی گورنر جنرل کو ایک مراسلہ لکھا جو ابتک مشہور ہے اور جس کی بنا پر ایک اور اہم فیصلہ قرار پایا۔ تعلیم کے دوسرے دور کا اسی مراسلہ پر خاتمہ ہوتا ہے۔ ابتک تعلیم اعلیٰ طبقوں تک محدود رہی امید یہ تھی کہ سربرآوردہ لوگ اپنے طور پر عوام میں تعلیم پھیلائیں گے۔ اسی طریق کو فیض علم سے تعبیر کرتے ہیں یعنی یہ کہ علم اعلیٰ طبقوں سے جاری ہوکر ادنیٰ طبقوں میں پھیلے اس مراسلہ میں عوام کی تعلیم سے بحث کی گئی تھی اور صاف لکھا تھا کہ تعلیم کے معاملہ میں سرکار پر کروڑہا جفاکش ہندوستانی رعایا کی ذمہ داری عائد ہوتی ہے خود سرکار کی خواہش ہے کہ عوام کی جہالت سے بڑھ کر ملک کے حق میں کوئی وبال

باب بارھواں

نہیں اس غرض سے تعلیمات کا ایک محکمہ قائم کیا گیا اور عہدہ داروں کا ایک عملہ مقرر ہوا تاکہ ابتدائی اور ثانوی تعلیم کو ترقی دی جائے۔ ایسی زبانوں کے بارہ میں میکالے صاحب کی جو پالسی تھی اس کی خرابیوں کی بھی اس مراسلہ میں اصلاح تجویز کردی گئی۔ کیونکہ قرار یہ پایا کہ انگریزی تعلیم کے ساتھ مقامی زبان پر بھی خاص توجہ رہنی ضرور ہے اور جس قدر معمولی تعلیم اس زبان کے ذریعے سے ہوسکتی ہے دی جائے۔ یہی مراسلہ آگے چل کر ہندوستان کی یونیورسٹیوں کا سنگ بنیاد بن گیا۔

۱۸۵۴ء-۱۹۰۱ء

اس زمانے میں تعلیم بسرعت پھیلی اول اول تو ۵۷ء کی بغاوت اور دیگر ناموافق حالات کی وجہ سے کام بہت کم ہوا۔ ۱۸۶۰ء میں تینوں یونیورسٹیوں میں میٹریکیولیشن کے کل ۱۲۳۷ امیدوار تھے جدید تعلیم کی اس کامیابی پر ازحد خوشی منائی گئی چنانچہ سرہنری مین لکھتے ہیں کہ کوئی ذرا اس بات کو آنکھوں سے دیکھے تو یقین آئے اور سمجھ میں نہیں آتا کہ کونسی بات زیادہ حیرت انگیز اور عجیب مانی جائے۔ آیا طلبہ کی جماعت جن کی تعداد اب سینکڑوں ہے تو چند سال بعد سینکڑوں کے بجائے ہزاروں کے حساب سے شمار ہوگی یا طلبہ کا ذوق و شوق جو وہ تعلیم میں دکھا رہے ہیں۔ میرا تو یہ خیال ہے کہ قرون وسطیٰ سے لیکر آجتک کسی یورپ کی یونیورسٹی کو یہ بات نصیب نہیں ہوئی۔ اور کلکتہ سے لیکر لاہور تک ہندوستانیوں کے اعلیٰ طبقے شاید ہی انگریزی حکومت کی کسی بات میں اس قدر

باب بارھواں

اظہار شوق کرتے ہوں جس قدر کہ یونیورسٹی کے امتحانات میں سرہنری مین کے مندرجہ بالا اقوال سے مترشح ہوتا ہے کہ اس زمانے میں انگریزوں کو جدید تعلیم کی ہر دلعزیزی پر کس قدر فخر اور ناز تھا۔

بدقسمتی سے اسی دور میں طریق تعلیم میں کچھ خرابیاں پیدا ہوگئیں جو کچھ ترقی ہوئی وہ طلبہ کی تعداد میں ہوئی نہ کہ تعلیم کی عمدگی میں۔ ۱۸۸۹ء ہی میں لارڈ لینسڈون نے متنبہ کردیا کہ جو لوگ جدید تعلیم حاصل کررہے ہیں ان کے ذرائع معاش ملازمت اور پیشوں میں محدود ہیں اور یہ بڑی خرابی ہے کہ بہت سے گریجوئیٹ ناقابل ملازمت نظر آتے ہیں۔ تحقیق ہوا کہ بہت سے طالب علم محض حافظہ کی کل بن گئے ہیں مطلب کو بغیر سوچے سمجھے رٹ لیتے اور اس طریق سے ہندوستانی یونیورسٹیوں سے سند حاصل کرلیتے ہیں۔ ۱۸۸۲ء میں لارڈ رپن نے ایک تحقیقاتی کمیشن مقرر کیا جس کے صدر سرولیم ہنٹر قرار پائے اس کمیٹی نے بہت سے تعلیمی مرکزوں کا معاینہ کیا بہت سے گواہوں پر جرح کی اور کافی تحقیقات کے بعد ایک نہایت اہم رپورٹ مرتب کرکے پیش کی۔ سب سے ضروری مشورہ یہ تھا کہ حتی الامکان سرکار اعلیٰ تعلیم کا انتظام براہ راست اپنے ہاتھ میں نہ رکھے بلکہ مجالس بلادی اور مقامی جماعتوں کے سپرد کردے۔ کمیشن کے مشورے سے جو تبدیلی عمل میں آئی وہ غالباً بے موقع تھی۔ اس پر طرّہ یہ کہ اسکولوں اور کالجوں کے منتظمو

کو یہ بھی اجازت مل گئی کہ وہ چاہیں تو فیس میں تخفیف کردیں باب
ان سہولتوں کا نتیجہ یہ ہوا کہ طلبہ کی تعداد میں بہت اضافہ بارھواں
ہوگیا مگر تعلیم کا معیار بہت گر گیا یہانتک کہ اس کی شکایت
عام ہوگئی۔

چوتھا دور جبکہ اصلاح اور ترمیمات عمل میں آئیں سنہ ۱۹۰۱ع لارڈ کرزن
شروع ہوتا ہے لارڈ کرزن وائسرے تھے اور انہوں نے تمامتر اور تعلیم
کوشش تعلیمی اصلاحات پر صرف کی۔ ایک تعلیمی مشیر مقرر کیا گیا
جو ڈائرکٹر جنرل یا صدر ناظم تعلیمات کہلاتا ہے اور اب کمشنر تعلیمات
کہتے ہیں ایک تحقیقاتی کمیشن نے ہندوستان میں دورہ کیا اور ہندوستانی
یونیورسٹیوں کی حالت اور ان کی ضروریات کے متعلق ایک نہایت
قابل قدر رپورٹ تیار کی جس کا نتیجہ یہ نکلا کہ سنہ ۱۹۰۴ع میں
یونیورسٹی کا قانون پاس ہوگیا۔ سنہ ۱۹۱۱ع میں تعلیمی ضروریات اس قدر
بڑھ گئیں کہ گورنر جنرل کی کونسل میں ایک ممبر تعلیم کا اضافہ کیا گیا

ہندوستان کی یونیورسٹیاں سرکاری منشور کی رو سے قائم یونیورسٹیاں
ہوئی ہیں اس بنا پر اگر اُن کے دستور میں کسی اصلاح کی ضرورت
پیش آئے تو اول قانون میں ترمیم کرنا ضروری ہے۔

کلکتہ یونیورسٹی میں تو خود گورنر جنرل چانسلر ہوتا ہے اور باقی
یونیورسٹیوں میں صوبہ کے اعلیٰ حاکم یعنی گورنر یا لفٹنٹ گورنر چانسلر
ہوتے ہیں یونیورسٹی کی انتظامی جماعت سنڈیکٹ کہلاتی ہے۔اس کا
صدر وائس چانسلر ہوتا ہے جس کو سرکار نامزد کرتی ہے۔ ناظم
تعلیمات تو سرکاری ممبر شمار ہوتا ہے مگر سنڈیکٹ کے باقی ممبر علما

باب بارھواں

کی مختلف جماعتوں کی طرف سے منتخب ہوتے ہیں۔ رجسٹرار کو سینٹ مقرر کرتی ہے اس کا نام یہ ہے کہ سینٹ اور سنڈیکیٹ کے اجلاس کی روئداد مرتب کرے اور یونیورسٹی کا کل کام بھی اسی کے ذمہ ہے علاوہ ازیں ایسی مجالس قائم ہیں جو کتب نصاب تجویز کرتی ہیں اور درس کی بھی عام نگرانی رکھتی ہیں یونیورسٹی کی مجلس وضع قوانین سینٹ کہلاتی ہے اس کے بیشتر ممبر تو سرکار نامزد کرتی ہے۔ اور کچھ گریجوئیٹوں اور علما کی جماعتوں کی طرف سے بھی منتخب ہوتے ہیں۔ سینٹ چاہے یونیورسٹی کے متعلق کوئی تحریک پاس کردے لیکن چانسلر کو تحریکوں کی منسوخی کا اختیار حاصل ہے اس صدی کے شروع میں یونیورسٹی کی تنظیم میں چند نقص پیدا ہوگئے۔ سینٹ اس قدر بڑھ گئی تھی کہ اس کا سنبھالنا دشوار تھا مثلاً بمبئی یونیورسٹی کی سینٹ میں ممبروں کی تعداد تین سو دس تک پہنچ چکی تھی نتیجہ یہ ہوا کہ یونیورسٹیاں حال کی تعلیمی جدتوں کا ساتھ نہ دے سکیں اور طرح طرح کی ضروری اصلاحوں میں بھی تاخیر ہونے لگی ۱۹۰۴ء کے قانون یونیورسٹی کی بنا پر کچھ تبدیلیاں عمل میں آئی ہیں ہر یونیورسٹی میں سینٹ کے ممبروں کی زیادہ سے زیادہ تعداد سو مقرر ہوگئی ہے اور یہ بھی بندوبست ہوگیا کہ جو لوگ تعلیم کے کام میں مشغول ہیں اُن کی خاص تعداد سنڈیکیٹ کی ممبری کے لئے منتخب ہوا کرے۔ البتہ بنارس اور میسور کی جدید یونیورسٹیوں کے دستور کسی قدر مختلف ہیں۔

یونیورسٹی کے قانون میں ایسے کالجوں کا بھی لحاظ رکھا گیا ہے

باب بارھواں

جو یونیورسٹی کے ساتھ ملحق ہیں اور جن میں سے اکثر کسی قدر ناقص حالت میں تھے۔ ابتک یونیورسٹی ایک ممتحن جماعت تھی جس نے ہر امتحان کا ایک معیار مقرر کردیا تھا اور بس۔ لیکن یونیورسٹی کی طرف سے ملحقہ کالجوں کا معاینہ ہونے لگا تو یونیورسٹی کو ان کالجوں کی اصلاح کرنے کا موقع بھی مل گیا۔ اب قرائن ایسے نظر آتے ہیں کہ آگے چل کر یونیورسٹی دوسرے کام اور فرائض بھی اپنے ذمہ لے لے گی۔ لارڈ ہارڈنگ کا قول ہے کہ محض ممتحن یونیورسٹی سے ترقی پذیر ہندوستان کا کام نہیں چل سکتا۔ چنانچہ ڈھاکے میں ایک درسی یونیورسٹی قائم کرنے کا اہتمام ہورہا ہے جس سے ایک خاص تجربہ ہو جائے گا اور وہ آئندہ تعلیم گاہوں کے واسطے نمونے کا کام دے گی۔

نصاب درس اور امتحانات

مختلف یونیورسٹیوں کے نصاب درس میں فروعی اختلافات تو ضرور ہیں لیکن اصول سب کے یکساں ہیں علوم اور سائنس میں وہی چار سال کا نصاب ہے۔ درمیان میں امتحان ہوتا ہے جس کو انٹرمیڈیٹ یا ایف، اے، کا امتحان کہتے ہیں چار سال کے آخر میں بی اے کا امتحان ہوتا ہے یہی قاعدہ سائنس میں رائج ہے۔ اس کے امتحان ایف، ایس، سی، اور بی، ایس، سی، کہلاتے ہیں۔ آنرز یعنی امتیازی امتحان کے قواعد مختلف ہیں۔ کلکتہ میں امتیازی اور معمولی امتحانوں کے نصاب جدا جدا ہیں۔ بمبئی میں امتیازی امتحان کے اگلے ہی سال امتیازی نصاب پڑھنا پڑتا ہے۔ بی، اے کی سند حاصل کرنے کے بعد ایک یا دو

باب بارھواں

سال بعد ایم۔ اے، کا امتحان دینا پڑتا ہے۔ مدراس میں امتیازی امتحان بھی قریب قریب ایم، اے کا ہمپلہ شمار ہوتا ہے۔ بی، ایل، یا ایل، ایل، بی کی سند صرف گریجوئیٹوں کو مل سکتی ہے۔ اور بھی قسم قسم کے نصاب ہیں۔ مثلاً زراعت، طب، انجینیری، ان کے متعلق قاعدہ یہ ہے کہ امیدوار اول، سال دو سال کسی علمی کالج میں شریک رہ کے اس کے بعد حرفتی کالج میں داخل ہو۔

صنعتی تعلیم

تھوڑے ہی دنوں کی بات ہے کہ صنعتی تعلیم گاہیں بڑے بڑے پیمانوں پر جاری ہوئی ہیں اکثر جگہ صنعتی مدارس ہیں مگر وہاں کی تعلیم نا کافی ہے۔ اس میں بعض مدراس کو سرکار سنبھالے ہوئے ہے بعض کو بلدیات یا مقامی مجالس امداد دیتی ہیں اور بعض چندے سے چلتے ہیں جو خانگی مدارس کہلاتے ہیں۔ صنعتی تعلیم گاہوں میں غالباً وکٹوریا ٹکنیکل انسٹی ٹیوٹ سب سے پیش پیش ہے۔ جو ملکہ وکٹوریا کی جوبلی کی یادگار میں قائم ہوا تھا اس میں طلبہ کو سائنس کی باتیں سمجھائی جاتی ہیں تاکہ وہ کسی صنعت میں کام کرسکیں۔ مسٹر ٹاٹا آنجہانی کی فیاضی سے ایک انسٹی ٹیوٹ آف سائنس بنگلور میں قائم ہوا اس میں بی، اے کے بعد درس اور تحقیق کا موقع ملتا ہے۔ سرکار کی طرف سے مدارس صنعت و حرفت پریزیڈنسی شہروں اور لاہور میں جاری ہیں طلبہ کو نہ صرف نقاشی، سنگ تراشی، اور معماری کے کام سکھائے جاتے ہیں بلکہ دوسرے فنون اور پیشوں کی بھی تعلیم ہوتی ہے۔ مثلاً کوزہ گری، آہن گری، چوبی کندہ کاری، مینا ری، اور طلائی

باب بارھواں

و نقرئی کام، انجینری کے کالج بھی موجود ہیں ان سب میں ٹامس کالج رڑکی سب سے زیادہ قدیم ہے جو اپنے بانی کے نام سے مشہور ہے۔ شمالی مغربی صوبے کے لفٹنٹ گورنر نے اس کو ۱۸۴۷ء میں قائم کیا تھا۔ ایسے ہی کالج اور بھی ہیں مثلاً بنگال میں سبپور کالج، پونا میں کالج آف سائنس، انجینیری کالج مدراس میں طلبہ کو یا تو نج کے کارخانوں میں تربیت دی جاتی ہے یا محکمۂ تعمیرات میں ایک محکمہ کار آموزی کا، اور ایک کلاس دستکاروں کی بھی موجود ہے جہاں بیشتر عملی قسم کی تعلیم ہوتی ہے شمالی ہندوستان میں بمقام دیرہ دون جنگلات کا مدرسہ قائم ہے کچھ دنوں سے زراعتی کالجوں میں عالمانہ طریق کاشت کی تعلیم میں بہت ترقی نظر آتی ہے اور صوبۂ بہار و اڑیسہ میں بمقام پوسہ ایک عظیم الشان کالج موجود ہے جہاں خاص طور پر زراعت کے متعلق طرح طرح کی تحقیقات رہتی ہے تجارتی تعلیم کی طرف بھی توجہ ہورہی ہے چنانچہ اسکول فائنل کے امتحان میں بھی کھاتہ خلاصہ نویسی، اورخط و کتابت جیسے کار و باری مضمون بھی نصاب میں داخل ہیں تو باقاعدہ تجارت کی سند بھی ہے، طبّی اسکول اور کالج بھی قائم ہیں جن میں بہت سے طلبہ شریک ہوتے ہیں یہ تعلیم گاہیں مختلف یونیورسٹیوں کے ماتحت طبی علوم کی تعلیم دیتی ہیں اور بڑے بڑے شفاخانوں میں خود طبی کالج کے پروفیسر طلبہ کو جرّاحی کا کام سکھاتے ہیں۔

باب بارھواں
اخلاقی تعلیم
دروارالطلبہ

سرکار انگریزی کی یہ پالسی ہے کہ مذہبی معاملات میں دخل نہ دے سرکاری اسکول اور کالجوں میں کسی قسم کی مذہبی تعلیم نہیں دیجاتی البتہ امدادی کالجوں میں مذہبی تعلیم کی کوئی ممانعت نہیں صرف یہی شرط ہے کہ غیر مذہبی تعلیم عمدہ طور پر ہو۔ سر ویلنٹائن جرول کا خیال ہے کہ ایک قسم کی ناقص تعلیم بے احتیاطی سے پھیل رہی ہے جو نہ تو ذہانت پر مبنی ہے اور نہ جس میں کوئی اخلاقی اور مذہبی خوبی ہے یہ بہت اہم اور غور طلب رائے ہے اور دوسرے اہل الرائے بھی اس کی تصدیق کرتے ہیں یہ نہ سمجھنا چاہیئے کہ اس معاملے میں سرکار بالکل بے پروا ہے بلکہ طلبہ کی اخلاقی تعلیم اور اصلاح مذاق کے واسطے بہت کچھ اہتمام ہوتا رہا ہے بہت سے عیسائی کالج موجود ہیں جہاں مذہبی تعلیم ہوتی ہے۔ سر سید احمد خاں مرحوم نے علیگڈھ میں ایک کالج قائم کیا جہاں مسلمانوں کو دینی تعلیم بھی دی جاتی ہے۔ ہندوؤں کی بنارس یونیورسٹی موجود ہے جس کا سنگ بنیاد سنہ ۱۹۱۶ء میں لارڈ ہارڈنگ نے نصب کیا دارالاقامون میں بھی طرح طرح کی اصلاحات ہوئیں طبی نگران کاروں و دیگر منتظمین کا خیال ہے کہ خاصکر کلکتہ اور عام طور پر دوسرے مقامات کے دارالاقامون میں طلبہ کی ایسی زندگی بسر ہوتی ہے کہ اُن طلبہ کی صحت اور اخلاق پر اس کا بڑا اثر پڑتا ہے۔ کلکتہ میں یونیورسٹی کی طرف سے معائنہ ہوتا رہتا ہے اور ہندوستان بھر میں غیر سرکاری انجمنوں کی نیز سرکار کی طرف سے عمدہ عمدہ

دارالاقامے قائم ہوتے جاتے ہیں۔

اسکول کا اہتمام اور نگرانی خاص طور پر سرکار کے ذمے ہے سر انڈریو فریزر نے مدراس کے معاملے میں سرکار کی پالسی مختصراً یوں بیان فرمائی ہے۔ ۱۸۸۳ء کی تعلیمی کمیشن نے یہ مشورہ دیا تھا کہ ثانوی اور اعلیٰ تعلیم بتدریج لوگوں کی ذاتی کوشش اور الوالعزمی پر چھوڑ دی جائے اور گورنمنٹ کو اس معاملے میں مسابقت کے بجائے کنارہ کشی کرنی مناسب ہے۔ اب بالعموم اس مشورے کے مطابق عمل درآمد ہو رہا ہے لیکن اِس پالسی کے ساتھ سرکار اِس اصول کی پابندی بھی ضروری سمجھتی ہے کہ تعلیم کے شعبہ میں وہ کچھ تعلیم گاہیں اپنی طرف سے قائم رکھے تاکہ خانگی تعلیم گاہوں کے واسطے نمونے کا کام دیں اور ان کے ذریعے سے تعلیم میں اعلیٰ معیار قائم رہے ذاتی انتظام سے دستکش ہونے کے بعد بھی سرکار کے لئے ضرور ہے کہ خاص نگرانی کے ذریعے سے عام تعلیم گاہوں پر اپنا قابو رکھے' سر انڈریو فریزر کے مندرجۂ بالا قول کی اس سے تصدیق ہوتی ہے کہ بہت تھوڑی تعلیم گاہیں سرکاری ہیں ورنہ بیشتر یا تو بلدیوں یا مقامی مجلسوں یا عام لوگوں یا عیسائی انجمنوں کے ہاتھ میں ہیں البتہ ان کو سرکاری امداد مل سکتی اور ملتی ہے پہلے تو امداد اچھے نتائج کی بنا پر دی جاتی تھی لیکن یہ طریق نہ تو انگلستان میں اچھا ثابت ہوا اور نہ ہندوستان میں موجودہ پالسی یہ ہے کہ اسکول کی عام حالت کے لحاظ سے مدد دی جاتی ہے اور اس کا

باب بارھواں

خاص خیال رہتا ہے کہ مدرسوں کی تنخواہوں عمارتوں اور متفرق ضروری سامان میں کس قدر رقم خرچ ہوتی ہے۔

ثانوی تعلیم

ثانوی مدارس کی دو قسمیں ہیں انگریزی دیسی، اور خالص دیسی، پہلی قسم کے مدارس میں چھوٹے درجوں میں تو انگریزی بطور ایک مضمون کے پڑھائی جاتی ہے اور بڑے درجوں میں وہی ذریعۂ تعلیم بن جاتی ہے دوسری قسم کے مدارس میں انگریزی کی تعلیم ہوتی ہی نہیں ثانوی مدارس کی ایک اور لحاظ سے بھی دو قسمیں ہیں۔ مڈل اسکول، اور ہائی اسکول، جن کو مدرسہ وسطانیہ اور فوقانیہ بھی کہتے ہیں۔ مڈل میں بچوں کو ثانوی نصاب کے ابتدائی مدارج کی تعلیم ہوتی ہے اور ہائی اسکول میں طلبہ میٹریکیولیشن اور اسکول فائنل امتحان کے لئے تیار ہوتے ہیں چونکہ بمبئی اور مدراس کے احاطوں میں دیسی زبانوں کے ہائی اسکول موجود نہیں دیسی مڈل اسکول بھی پرائمری اسکول یا تحتانیہ مدارس میں شمار ہوتے ہیں۔ اگرچہ ان میں اعلیٰ درجہ تک دیسی زبان کی تعلیم ہوتی ہے اور وہاں سے طلبہ ورنیکلر فائنل امتحان پاس کرکے نکلتے ہیں۔ اندازہ یہ ہے کہ پہلے بچہ پانچ چھ سال تحتانیہ مدرسہ میں پڑھے گا اس کے بعد یا کسی وسطانیہ اور فوقانیہ مدرسہ میں اس کی رسائی ہوگی ہوشیار لڑکے نو سولہ سال کی عمر میں میٹریکیولیشن پاس کرلیتے ہیں لیکن بالعموم اس درجہ تک پہنچنے کے واسطے دو ایک سال اور درکار ہوتے ہیں۔ میٹریکیولیشن کے امیدواروں کی تعداد ازحد

بڑھ گئی ہے اور بہت سے ماہرین تعلیم کا خیال ہے کہ اس امتحان کا نصاب تعلیم ہرگز ان طلبہ کے مناسب حال نہیں جو بعد کو کالج میں شریک نہوں اسی بنا پر بعض صوبوں میں اسکول فائنل امتحان جاری کردیا گیا ہے۔ جس میں زیادہ علمی عملی تعلیم دی جاتی ہے اور کار و باری زندگی میں شریک ہونے کی قابلیت جو لڑکے میں پیدا ہوگئی ہو اس کا خوب اندازہ ہوتا ہے بعض صوبوں میں مثلاً بمبئی میں سرکاری ملازمت کے واسطے بھی اسکول فائنل امتحان کی کامیابی ضروری سمجھی جاتی ہے

وظائف

وظائف کا ایک باقاعدہ طریق جاری ہے جس کے مطابق ذہین طلبہ ابتدائی مدرسے سے لیکر کالج تک وظیفہ پاسکتے ہیں حتیٰ کہ وہ گریجوئٹ ہوجائیں نیز سرکار اور یونیورسٹیوں اور عام انجمنوں کے پاس ایسی رقمیں موجود ہیں جن میں سے طلبہ کو ولایت کی تعلیم کے لئے وظیفہ دیا جاتا ہے دفتر ہند میں ایک محکمہ خاص اس کام کے لئے قائم ہے کہ ہندوستانی طلبہ کو ولایت میں ضروری معلومات اور مشورے سے مدد دے۔

مالیہ

سرکار کے تعلیمی مصارف میں برابر اضافہ ہورہا ہے۔ اس صدی شروع سال میں مصارف کی مقدار پانچ لاکھ چھتر ہزار پونڈ تھی جو ۱۴-۱۹۱۳ء میں بڑھ کر چوبیس لاکھ چھتیس ہزار نوسو پونڈ ہوگئی اور مزید اضافہ اب بھی ناگزیر ہے بلدیات اور مقامی مجالس تعلیم میں جو کچھ روپیہ صرف کرتی ہیں وہ اس رقم کے علاوہ ہے تعلیمی مالیہ کا طریق ہر صوبہ میں جدا جدا ہے بنگال میں تو عام طور پر خانگی مدارس قائم ہیں طلبہ کی فیس کے علاوہ ان کو سرکاری امداد بھی ملتی ہے بمبئی میں اور

بیشتر مدارس بلدیات یا مقامی مجالس کی طرف سے جاری ہیں مزید تفصیل ذیل درج ہے

۱۶۸-الف (ملاحظہ ہو ۱۶۸ الشان +)

	طلبہ کی مجموعی تعداد	صوبہ کے محاصل میں سے	لوکل فنڈ سے	بلدیات کے فنڈ سے	فیس طلبہ	چندہ اور عطیے	میزان کل
		پونڈ	پونڈ	پونڈ	پونڈ	پونڈ	
بنگال	۱۷۴۷۶۰۸	۴۳۳۲۸۹	۱۴۸۱۷۳	۱۱۳۲۳	۶۳۶۶۷۱	۲۴۲۳۱۸	۱۴۷۱۷۷۳
بہار و اوڑیسہ	۸۶۱۵۳۵	۲۲۴۷۳۷	۷۵۲۵۰	۶۱۰۴	۱۳۷۳۰۲	۱۳۷۳۷۹	۵۳۲۷۷۲
صوبہ متحدہ	۸۱۹۴۷۲	۳۱۱۵۹۳	۲۰۱۶۶۳	۳۲۹۹۳	۱۶۷۱۲۸	۱۴۱۹۶۳	۸۵۵۳۴۰
پنجاب	۴۵۲۸۸۹	۱۹۲۹۱۳	۱۴۸۱۸۷	۳۳۶۱۳	۱۵۳۵۹۶	۱۱۴۶۳۳	۶۴۲۹۴۲
سرحدی صوبہ	۴۴۴۴۵	۲۰۶۷۹	۱۴۰۴۷	۴۳۴۷	۵۴۴۶	۲۳۸۸۶	۶۸۳۷۵
برما	۵۰۴۹۲۸	۱۷۱۴۳۶	۳۷۸۳۴	۲۹۸۱۲	۱۲۳۲۳۱	۴۷۹۹۸	۴۱۰۳۱۱
صوبہ متوسط برار	۳۶۵۱۲۸	۹۲۱۲۵	۹۴۲۹۴	۲۳۵۵۰	۲۶۰۹۵	۳۹۲۴۰	۲۷۵۳۱۴
آسام	۲۱۵۱۴۱	۷۱۷۵۵	۴۱۶۹۲	۲۱۹۱	۲۳۳۲۲	۱۶۲۵۹	۱۵۵۲۱۹
اجمیر مارواڑ	۱۳۳۶۸	۱۶۰۵	۴۵۰	۱۱۴۵	۲۹۰۲	۳۹۳۸	۱۴۹۹۵
کوارگ	۸۰۳۹	۳۵۴۴	۱۱۳۲	۱۰۵	۹۵۴	۳۴۷	۶۰۸۲
مدراس	۱۴۶۹۹۴۵	۴۳۷۹۳۳	۱۵۹۵۷۸	۳۷۵۳۴	۳۰۷۰۸۶	۲۵۷۷۸۵	۱۱۹۹۱۶
بمبئی	۱۰۲۹۰۱۷	۴۷۰۲۸۱	۶۴۱۸۵	۶۹۵۶۰	۱۹۶۷۵۱	۲۶۲۷۷۰	۱۰۶۳۵۴۸
میزان ۱۳-۱۹۱۲ء	۷۵۳۱۵۱۵	۲۴۳۶۹۰۰	۹۸۶۴۴۰	۲۵۲۲۴۷	۱۷۸۰۴۸۴	۱۲۴۰۵۱۶	۶۶۹۶۵۸۷

باب بارھواں

تعلیم یوں تو صوبہ واری حکومتوں کے تحت ہیں ہے گورنر جنرل کی کونسل میں بھی ایک ممبر موجود ہے جو صوبوں کے تعلیمی محکموں پر عام نگرانی رکھتا ہے۔ ہر صوبے میں ایک ناظمِ تعلیمات رہتا ہے اور اس کی ماتحتی میں بہت سے پروفیسر، انسپکٹر، اور مدرس کام کرتے ہیں محکمۂ تعلیمات میں بھی عہدہ داروں کے تین طبقے ہیں۔ انڈین ایجوکیشن سروس یعنی شاہی تعلیمی خدمت پراونشیل سروس یعنی صوبہ واری خدمت اور سب آرڈنیٹ سروس یعنی ماتحت خدمت طبقہ اول کے عہدہ دار ولایت سے لئے جاتے ہیں باقی دو طبقوں کے ہندوستان سے جیسا کہ بیان ہوچکا ہے، ہر یونیورسٹی کا اپنا جدا جدا انتظام ہے۔ البتہ ناظمِ تعلیمات ہر جگہ سنڈیکیٹ، اور سنٹ کا سرکاری ممبر شمار ہوتا ہے۔ نیز بہت سے پروفیسر سنٹ اور سنڈیکٹ میں شریک رہتے ہیں۔ بغرض معاینہ ہر صوبے میں بہت سے حلقے قرار دیئے گئے ہیں۔ ہر حلقہ ایک انسپکٹر کی نگرانی میں رہتا ہے البتہ یوروپین کے واسطے ہر صوبے میں ایک ایک انسپکٹر مقرر ہے۔

مدارس

گورنمنٹ کو یہ بہت فکر لگی رہتی ہے کہ مدارس میں قابل اطمینان اور کار گزار معلم کام کریں مدرسوں کے مشاہرے بہت قلیل ہیں۔ اس بنا پر اندیشہ ہوتا ہے کہ جیسے معزز

باب بارھواں

اور ذہین لوگ اس صیغہ کے لئے درکار ہیں وہ اس میں شریک ہونا گوارا نہ کریں گے بعض صوبوں میں سرکار کی طرف سے ثانوی مدرسوں کے ٹرینِنگ کالج قائم ہیں جہاں ان کو تعلیم دینا سکھایا جاتا ہے۔

یوروپین اسکول

جن یوروپین لوگوں نے ہندوستان میں بود و باش اختیار کرلی ہے ان کے اور نیز یوروشین لوگوں کے لڑکوں اور لڑکیوں کی تعلیم میں بہت دقت پیش آرہی ہے۔ جب سے ہندوستان میں تعلیم کی حالت درست ہونی شروع ہوئی جن عہدوں کے واسطے انگریزی دانی کی شرط تھی ان کے لڑکوں کے واسطے مخصوص نہیں مزید براں وہ اپنی اعلیٰ طرزمعاشرت کی وجہ سے اپنے ہم لیاقت ہندوستانی کے مقابل زیادہ تنخواہ کے طالب ہوتے ہیں لارڈ کرزن کا مقولہ ہے کہ ہر وائسرائے نے اس مسئلہ پر غور کیا مگر باوجود ہمدردی کے کچھ نہ کرسکا تاہم اس بارے میں آجکل بہت کچھ سعی کی گئی ہے۔ ہر صوبہ میں یوروپین اسکولوں کے لئے ایک ایک انسپکٹر مقرر ہوا ہے جو اپنے تحت کے کُل مدارس میں سرکاری امداد تقسیم کرتا ہے اور تعلیم کو ترقی دینے کی کوشش کرتا رہتا۔ اکثر صوبوں میں یوروپین اسکول فائنل امتحان ہوتا ہے جو بعض حالتوں میں میٹرکیولیشن کا ہم پلہ مانا جاتا ہے بعض اسکولوں میں کیمبرج لوکل امتحان کی تیاری ہوتی ہے لیکن قسم قسم کے امتحانات بھی ایک بڑی خرابی کا باعث تصور ہوتے ہیں یوروپین لوگوں

کے واسطے تعلیم کو ہندوستان میں ترقی دینے کی غرض سے ایک صاحب نے ۱۹۱۱ء میں بہت بڑا عطیہ دیا تھا اور اس سلسلے میں ہندوستان اور ولایت میں عوام سے بھی چندہ اور امداد کی استدعا کی گئی تھی۔

باب بارھواں

لڑکیوں کی تعلیم

ابتک تو سرکار نے تعلیم نسواں میں زیادہ مدد دی نہیں حالانکہ ۱۸۸۲ء کی کمیشن نے سفارش کی تھی کہ تعلیم سرکار کی خاص توجہ اور فیاضی کی مستحق ہے۔ لیکن جو لوگ اس میدان میں اصلاح کا بیڑہ اُٹھائیں ان کو طرح طرح کی دشواریوں کا سامنا ہوگا۔ اول تو استانیاں کم ملتی ہیں۔ دوسرے سر جان اسٹریچی کا قول ہے کہ ہندوستان میں جو مختصر جماعت مغربی خیالات کے زیر اثر ہے ان کو بھی یہ بات عجیب معلوم ہوتی ہے کہ لڑکیاں مدرسوں میں لڑکوں کی طرح تعلیم پائیں تاہم چند سال سے تعلیم نسواں کچھ کچھ پھیل رہی ہے۔ لڑکیوں کے ابتدائی اور ثانوی مدرسے جاری ہیں اور کہیں کہیں لڑکیاں لڑکوں کے پہلو بہ پہلو یونیورسٹی کی سند کے لئے تعلیم پا رہی ہیں۔ آیا لڑکے اور لڑکیوں کا ساتھ ساتھ پڑھنا جیسا کہ یورپ وغیرہ میں رواج ہے۔ ہندوستان کے مناسب حال ہے یا نہیں یہ بحث یہاں غیر ضروری ہے لیکن عام رجحان اسی طرف ہے کہ لڑکیوں کے لئے جداگانہ کالج قائم ہوں چنانچہ مدراس میں ایسے دو کالج پہلے سے موجود ہیں اور کالج کلکتہ میں بمبئی میں بھی الکزنڈرا نیٹو گرلز انگلش انسٹی ٹیوشن

باب بارھواں

ایک مشہور مدرسہ ہے جو بہ یادگار کتخدائی ملک معظم ایڈورڈ ہفتم سنہ ۱۸۶۳ء میں قائم ہوا۔ لیڈی ہارڈنگ آنجہانی کی یادگار میں ایک زنانہ طبیہ کالج دہلی میں قائم ہو رہا ہے۔ جس کے لئے لوگوں نے دل کھولکر چندہ دیا ہے۔

تیرھواں باب

طبّی امداد اور صفائی

اصلاح کی دشواریاں

سرکار کے جس قدر محکمے ہیں۔ ان میں طبّی امداد اور صفائی کا محکمہ غالباً سب سے زیادہ اہم ہے۔ اور ساتھ ہی اس کا کام بھی وقت طلب ہے یورپ کے مقابل ہندوستان کی طرز ماند و بود حفظ صحت کے لئے زیادہ موافق نہیں ہے اس کے سوا بیماریوں کے مقابلے کی طاقت بھی لوگوں کے جسم میں بہت کم ہے۔ کم عمری کی شادیوں کا مشرق میں بہت رواج ہے اور اس کا مضر اثر والدین کے علاوہ اولاد پر بھی پڑتا ہے صحت کے لئے موافق اور مقوی غذا بھی ضروری ہے۔ ہندوستان میں کھانا پکانے کے قدیم طریق ابتک رائج ہیں۔ کھانا دیر ہضم ہوتا ہے جس کی وجہ سے صحت کو نقصان پہنچتا ہے۔ افلاس اور تنگدستی کی وجہ سے بہت سے لوگوں کو نہ پیٹ بھر کھانا ملتا ہے۔ نہ پہنے کو کافی لباس اور نہ رہنے کے قابل مکان۔ بچوں کی شرح اموات

باب تیرھواں

اس قدر بڑھی ہوئی ہے کہ تشویش ہوتی ہے۔ اس خرابی کے بہت سے اسباب ہیں۔ کم عمری کی شادی۔ ماؤں کی جہالت۔ غذا کی قلت گرد و نواح کی گندگی۔ اور ماؤں کا وضع حمل کے زمانے تک جسمانی محنت میں لگا رہنا۔ انتظام صفائی ہندوستان کے بڑے بڑے شہروں میں ابتدائی حالت میں ہے اور دیہات و اضلاع میں تو ان کا پتہ بھی نہیں۔ دیہات کے اکثر مکانات میں ہوا کافی نہیں پہنچ سکتی اور ان میں لوگ گنجائش سے زیادہ بھرے رہتے ہیں اور دیہات کے اندر اور آس پاس گندگی پھیلی رہتی ہے۔ کہیں مویشی کھڑے ہیں۔ کہیں گھاس پھوس پڑا سڑ رہا ہے۔ اور کہیں گڑھوں میں رکا ہوا پانی ہوا کو خراب کر رہا ہے گاؤں کے ایک ہی تالاب کا پانی نہانے دھونے کھانے پکانے اور پینے کے کام آتا ہے۔ پھر وہ کس طرح صاف رہ سکتا ہے۔ ایک طرف تو جسموں میں قوت دافعہ کم اور دوسری طرف طرز ماند اس قدر مخرب صحت۔ نتیجہ یہ ہے کہ ہندوستان میں شرح اموات بہت بڑھی ہوئی ہے۔ اور بیماری و خرابی صحت بہت عام ہے۔ تاہم اصلاح کی کوشش برابر ہو رہی ہے۔ موجودہ خرابی کا باعث یہ نہیں کہ سرکار یا اس کے طبی عہدہ دار کوشش میں کمی کرتے ہوں اس صدی کے شروع سال میں طبی محکمہ کے لئے ساڑھے چھ لاکھ پونڈ منظور ہوئے تھے۔ لیکن دو ہی سال بعد نو لاکھ تک نوبت پہنچ گئی بلدیے اور مقامی مجالس طبی امداد میں جس قدر رقم صرف

باب تیرھواں

کرتی ہیں وہ اس کے علاوہ رہی۔ جو لوگ شہروں میں رہتے ہیں وہ اس بات کی تصدیق کرسکتے ہیں کہ وہاں کس قدر اصلاح اور ترقی ہوئی علاوہ ازیں صدیوں کی روایات اور ادنیٰ طبقوں کے توہمات و جہالت کے خلاف اصلاح کے خیال سے جو کوشش جاری ہے اس کے نتیجے کو بھی ہم ناکامی سے تعبیر نہیں کرسکتے اس میں کچھ نہ کچھ کامیابی ضرور ہو رہی ہے۔

طبی خدمات

زیادہ اہم طبی خدمات پر جو لوگ مقرر ہوتے ہیں وہ انڈین میڈیکل سروس یا شاہی طبی خدمت کے رکن شمار ہوتے ہیں۔ یہ لوگ ولایت میں امتحان مقابلہ کے ذریعے سے بھرتی کئے جاتے ہیں۔ کچھ ہندوستانی بھی اس مقابلے میں کامیابی حاصل کرچکے ہیں۔ شروع شروع میں اس خدمت کی تین شاخیں تھیں جو بنگال، مدراس اور بمبئی کی افواج سے جدا جدا تعلق رکھتی تھیں لیکن سنہ ۱۸۹۶ء میں یہ تفریق مٹ کر سب خدمات ایک ہوگئیں سب سے اول سنہ ۱۷۶۴ء میں ایسٹ انڈیا کمپنی نے اپنے ملازموں اور قومی رسالوں کے علاج معالجے کی غرض سے بنگال میں طبی خدمت کا طریق نکالا۔ اگرچہ طبی عہدہ دار بھی کمیشن یافتہ ہوتے ہیں۔ لیکن جیسا کہ آگے چل کر واضح ہوگا۔ فوجی کام کے بجائے یہ لوگ اکثر سول خدمت انجام دیتے ہیں۔ ان کی فوجی خدمات ہندوستانی فوج تک محدود رہتی ہیں۔ کیونکہ انگریزی رسالے ہندوستان میں رہتے ہیں رائل آرمی میڈیکل کور یعنی

باب تیرھواں

شاہی فوجی طبی جماعت کے عہدہ دار ان کی طبی ضروریات کے نگران رہتے ہیں۔ اس کے علاوہ فوجی اور سول سب آرڈنیٹ سروس یعنی ماتحت خدمات ہیں جن میں ہندوستان کے وہ لوگ بھرتی کئے جاتے ہیں جو یہاں کے طبّی کالجوں میں تعلیم پاکر ضروری امتحانات پاس کرچکے ہوں ماتحت خدمت کے اعلیٰ عہدہ دار بڑے بڑے شفاخانوں میں اسسٹنٹ سرجن کا کام کرتے ہیں یا چھوٹے شفاخانے ان کے سپرد کردیئے جاتے ہیں۔ اور بعض حالتوں میں وہ انڈین میڈیکل سروس شاہی طبی خدمت کے عہدوں پر بھی ترقی پاجاتے ہیں۔ طبّی محکمہ میں سب آرڈنٹ سروس سے وہی سروس مراد ہے جو دیگر محکموں میں پراونشیل یا صوبہ واری کہلاتی ہے۔

تنظیم

طبی انتظام صوبہ واری حکومتوں کے تحت میں ہے۔ اس محکمے کا اعلیٰ حاکم مدراس۔ بنگال اور بمبئی میں تو سرجن جنرل کہلاتا ہے اور انسپکٹر جنرل آف سول ہاسپٹلز باقی صوبوں میں۔ اکثر صوبوں کے صدر مقام میں کمشنر صفائی بھی رہتا ہے جو کل صوبہ میں صفائی کے معاملات کی دیکھ بھال رکھتا ہے ہر ضلع میں طبی صیغہ اور صفائی کا اہتمام ایک سول سرجن کے سپرد ہے جو مقامی حکام کو شفاخانوں اور دواخانوں کے انتظام مدد دیتا ہے۔ لیکن بمبئی میں کچھ نائب کمشنر صفائی بھی مقرر ہیں جن کا امور صحت عامہ سے واسطہ رہتا ہے۔ انڈین میڈیکل سروس کا ڈائرکٹر جنرل حکومت ہند کے ماتحت ہوتا ہے۔ اس کا کام یہ ہے

باب تیرھواں

کہ کل ہندوستان میں طبی کاموں کی نگرانی کرے۔ ایک کمشنر صفائی بھی اِس کام کے لئے مقرر ہے کہ حکومت ہند کو ان معاملات میں مشورہ دے۔

شفاخانے

ہندوستان کے بڑے بڑے شہروں میں بعض شفاخانے سو سال سے بھی زیادہ قدیم ہیں۔ لیکن عام طور پر شفاخانے اور دوا خانے گذشتہ چالیس سال کے اندر اندر قائم ہوئے سابق میں بہت کچھ دقتوں کا سامنا ہوا۔ طبی عہدہ داروں کی قلت تھی۔ ہندوستانی لوگ مغربی طریق علاج سے بالکل ناواقف تھے۔ اور اگرچہ نج کے طور پر لوگوں نے روپیہ دینے میں بہت فیاضی دکھائی تاہم سرمایہ کی ازحد کمی تھی۔ آجکل کے بیشتر شفاخانے سرکاری نگرانی میں ہیں۔ ان کو صوبہ واری۔ اضلاعی اور بلدی سرمایوں اور نیز نج کے چندوں سے مالی مدد ملتی ہے طبی امداد کی بہم رسانی میں کچھ روز سے مقامی حکام بھی روز افزوں توجہ کر رہے ہیں۔ چنانچہ تخمینہ یہ ہے کہ مقامی مجالس اور بلدئے یا طبی امداد اور صفائی کے مصارف میں بقدر ۳۴ فی صدی شریک ہیں۔ کچھ شفاخانے نج کے طور پر بھی قائم ہیں اور بعض کا ریلوے اور پولیس کے جیسے سرکاری محکموں سے تعلق ہے۔ احاطۂ بمبئی میں ۱۹۱۳ء میں ۳۴۷ شفاخانے موجود تھے جن میں سے ۲۷۹ تو مقامی اور بلدی سرمایوں سے چلتے تھے ۲۶ سرکار کی طرف سے جاری تھے۔ اور باقی نج کے طور پر قائم تھے۔ لیکن دوسرے صوبوں میں نج کے شفاخانوں کی تعداد

باب تیرھواں

اس قدر زیادہ نہیں تھی جتنی کہ بمبئی میں ہے۔ ہر مستقر ضلع میں ڈسٹرکٹ سرجن کی نگرانی میں ایک شفاخانہ قائم ہے جہاں زیادہ نازک علاج ہوتے ہیں پریزیڈنسی شہروں میں تو بہت ہی بڑے شفاخانے ہیں جن میں زیادہ تر انڈین میڈیکل سروس کے عہدہ دار کام کرتے ہیں۔ طبی کالجوں سے بھی بڑے بڑے شفاخانے ملحق جن کالج کے پروفیسر ہی علاج معالجہ کرتے ہیں گرانٹ میڈیکل کالج بمبئی میں پانچ سال درس پانے کے بعد بمبئی یونیورسٹی سے طبی سند مل سکتی ہے طلبہ جمشید جی بھائی کے شفاخانے میں کام سیکھتے ہیں جہاں احاطہ بھر کے سربرآوردہ سرجن بڑے بڑے دشوار اعمال جراحی انجام دیتے ہیں ۱۹۱۳ء میں جہاں احاطہ بمبئی کے شفاخانوں میں ۲۳۵۰۶۲۰ مریضوں کا علاج ہوا۔ لیکن ان میں بہت بڑی تعداد بیرونی مریضوں کی تعداد صرف ۵۹۸۶۸ تھی۔ جن میں سے ۵۲۲۱ فوت ہوئے گویا شرح اموات ۸.۷ رہی۔

زنانے شفاخانے

سرکار کو مستورات کے علاج کے معاملہ میں بہت دقت آرہی ہے۔ ہندوستان میں بالخصوص اعلیٰ طبقوں کی مستورات رسم پردے کی وجہ سے ان شفاخانوں میں نہیں جاتیں کیونکہ وہاں مرد معالج ہیں۔ نتیجہ یہ ہے کہ مستورات میں امراض کی کثرت ہے۔ ۱۸۸۵ء میں کاونٹیس ڈفرن نے ہندوستانی مستورات کو طبی امداد بہم پہنچانے کی غرض سے ایک نیشنل ایسوسیشن یعنی انجمن قائم کی اور اس کار خیر کو لیڈی کرزن اور

دوسرے ویسراؤں کی بیگمات برابر ترقی دیتی ہیں۔ یہ انجمن بخ کے چندوں سے چلتی ہے کبھی کبھی سرکار سے بھی مدد مل جاتی ہے۔ سرجان ایسٹرچی نے اس انجمن کے اغراض و مقاصد اور کام کو یوں بیان کیا ہے۔

اس انجمن کی ایک غرض تو یہ ہے کہ بڑے پیمانے پر ہندوستان میں عورتوں کو ایسی تعلیم و تربیت دینے کا اہتمام کرے کہ وہ ڈاکٹر ہاسپٹل اسسٹنٹ۔ نرس یعنی تیماردار اور دایہ اور قابلہ۔ کے کام اچھی طرح پر دینے کے قابل بن جائیں۔ دوسرے یہ کہ مستورات ہی کے زیر نگرانی مستورات اور بچوں کے علاج معالجہ کی غرض سے شفاخانے اور دواخانے قائم کئے جائیں۔ موجودہ شفاخانوں میں مستورات کے زیر اہتمام زنانہ وارڈ یا مریض خانے کھولے جائیں۔ اور وہاں کے علاج معالجہ کے واسطے مستورات ہی طبی افسر اور تیمار دار مقرر ہوں۔ اور شفاخانوں کے علاوہ بخ کے طبّی کام کے لئے تربیت یافتہ تیمار دار۔ دایہ۔ اور قابلہ بہم پہنچائی جائیں۔ غرضکہ ہر مناسب طریق سے مستورات کو طبّی امداد پہنچانا اس انجمن کا اصل مقصد ہے۔

صاحب موصوف کا بیان ہے کہ ۱۹ء میں تین سو زنانہ شفاخانہ اور دواخانے موجود تھے اور بیس لاکھ سے زائد مستورات اور بچوں کا علاج ہوا۔ ۲۸ لیڈی ڈاکٹر تو نہایت تعلیمیافتہ اور ماہر تھیں۔ علاوہ ازیں مستورات میں نوے

باب تیرھواں

اسسٹنٹ سرجن تھیں اور ایک بڑی جماعت بطور ہاسپٹل اسسٹنٹ کے کام کررہی تھی۔ اور ۵۰۷ مستورات ہندوستان کے مختلف طبی مدرسوں میں تعلیم بھی پا رہی تھیں۔

شفاخانوں میں جراحی کا کام بہت زیادہ رہتا ہے۔ اور اس شعبہ میں یہاں بہت نمایاں ترقی ہو رہی ہے۔ سرجنوں کو اپنے فن میں اعلیٰ درجے کی مہارت حاصل ہے۔ چنانچہ عمل جراحی میں ان کو جس قدر کامیابی ہوئی ہے اس سے ان کی قابلیت ظاہر ہے۔ ۱۹۳۱ء میں بمبئی میں ۹۷۰۹۰ عمل جراحی انجام پائے جن میں سے صرف ۵۲۳ مہلک ثابت ہوئے۔ گویا جن مریضوں پر جراحی کا عمل ہوا ان کی شرح اموات ۵۳ء فی صدی رہی۔

طاعون

۱۸۹۶ء سے ہندوستان میں طاعون شروع ہوا۔ اول اول تو احاطۂ بمبئی میں اس کا زور شور رہا لیکن بتدریج وہ ہندوستان کے حصہ حصہ میں پھیل گیا۔ شرح اموات کے متعلق مستند اعداد و شمار ملنے تو دشوار ہیں لیکن تخمینہ یہ ہے کہ اس صدی کے شروع سے ابتک ساٹھ لاکھ جانیں طاعون کی نذر ہوچکی ہیں۔ بلکہ غالباً اس سے بھی زیادہ بمبئی۔ صوبۂ متحدہ اور پنجاب میں اس کی خاص طور پر شدت رہی ہے باہر جانے والے جہازوں کی بہت دیکھ بھال ہوتی ہے تاکہ دوسرے ملکوں میں کہیں یہ وبا نہ پھیل جائے۔ اور اسی دیکھ بھال کی بدولت دوسرے ملک محفوظ بھی رہے ہیں۔ تحقیق ہوا ہے کہ طاعون کے جراثیم چوہوں میں

باب تیرھواں

پیدا ہوکر پھروں کے ذریعے جلد کی راہ سے انسان کے جسم میں داخل ہوتے ہیں۔ مکانات کی صفائی اور موش کشی کے ذریعے سے اب بہت امن ہوگیا ہے۔ طاعون کا ٹیکہ بھی بہت مفید ثابت ہوا ہے۔ چنانچہ اعداد و شمار اس قول کی صداقت پر شاہد ہیں۔ چند مثالیں کافی ہوں گی۔ بلگام میں تراسی لوگ تھے۔ فوجی اسپتالی ٹولی کے ملازم اور ان کی بیوی بچے جو کہ یورپین شفاخانے کے قریب رہتے ان میں سے تین کے سوا باقی سب کے ٹیکے لگ چکے تھے پلیگ کا دور ختم ہونے پر معلوم ہوا کہ ٹیکہ لگے ہوئے اسی میں سے ایک بھی اس مرض میں مبتلا نہیں ہوا۔ حالانکہ باقی تین میں سے دو اسی کی بھینٹ چڑھے۔ خاندیس کی پولس میں سے پندرہ سو آٹھ نے تو ٹیکے لگوائے مگر دو سو تین راضی نہیں ہوئے ٹیکے والوں کے مقابل بے ٹیکہ والوں میں سے وہ چند لوگ ضائع ہوئے۔ طاعون زدہ اضلاع میں خاص ٹیکہ لگانیوالے دورہ کرتے ہیں۔ اور عملی طور پر لوگوں کے ذہن نشین کرتے ہیں کہ موش کشی صفائی اور ٹیکہ اس وبا کے روکنے میں کس درجہ مفید ہے۔

چیچک

ہندوستان میں چیچک کی بھی بہت کثرت ہے۔ بالخصوص مدراس اور بنگال میں یہ بھی کسی بلائے عظیم ہے اس کے بعد کوئی مرض متعدی نہیں کسی زمانے میں انگلستان میں بھی اس کا دور دورہ تھا۔ لیکن ٹیکہ کا اثر دیکھئے کہ اب وہاں اس کا پتہ بھی نہیں۔ وہاں ہر شخص ٹیکہ لگواتا ہے۔ پورا پورا فائدہ تب ہوتا

باب ہے کہ ہر چھٹے ساتویں سال ٹیکہ لگواتے رہیں اور جب اس کا
تیرھواں دور ہو تب بھی احتیاطاً ٹیکہ لگوالیں۔ برطانوی ہندوستان میں
۱۹۱۲-۱۳ء میں چوبیس کرور ساٹھ لاکھ کی آبادی میں سے ستاسی لاکھ
کے پہلی پہل ٹیکہ لگا۔ اور دس لاکھ سے کچھ زیادہ لوگوں نے
اس کی تجدید کرائی۔ تاہم چند گزشتہ سال سے ٹیکہ کا رواج
نمایاں طور پر بڑھ رہا ہے۔ اگرچہ اب بھی بہت سی دقتوں کا
سامنا ہوتا ہے اور لوگ ٹیکہ کے فوائد سے بیخبر ہوتے ہونے کی
وجہ سے ابتک جان چراتے ہیں۔ گزیٹر سے معلوم ہوتا ہے کہ
۱۸۶۴-۶۵ء میں بنگال صوبۂ متحدہ اور پنجاب۔ ان تینوں میں کل
۵۵۶ لوگوں نے ٹیکہ لگوایا۔ اور انہی صوبوں میں ۱۹۰۲-۳ء میں
پچاس لاکھ سے زیادہ لوگوں کے ٹیکہ لگا۔ ہر صوبہ میں بلدیہ یا
مقامی مجلس یا سرکار کی طرف سے ٹیکہ لگانے والوں کے عملے
مقرر ہیں۔ یہ لوگ گاؤں گاؤں پھر کر بچھڑوں کے مادہ سے
لوگوں کے ٹیکہ لگاتے ہیں۔ احاطۂ بمبئی میں بمقام بلگام ایک
ٹیکہ گھر قائم ہے جہاں پنچھنا تیار ہوتا ہے۔ اور ۱۹۱۳-۱۴ء میں
وہاں سے آٹھ لاکھ ستر ہزار معتاد تیار ہوکر تقسیم ہوئیں۔

ہیضہ ہندوستان میں ہیضہ کی بھی کثرت رہتی ہے۔ اس کے
جراثیم پینے کے پانی کے ذریعہ سے جسم میں پہنچتے ہیں۔ جہاں کہیں
ہیضہ پھیلتا ہے۔ اس کے اسباب تحقیق کرنے کے لئے خاص
حاکم بھیجے جاتے ہیں۔ وہ یہ بھی نگرانی رکھتے ہیں کہ حفظ ماتقدم
کا پورا پورا لحاظ رہے اور مریضوں کا اچھی طرح علاج معالجہ ہو۔

بخار بخار ہندوستان کا سب سے بڑا دشمن ہے۔ ہر سال تخمیناً چالیس پچاس لاکھ جانیں اس کی نذر ہوتی ہیں۔ اس کے علاوہ لاکھوں مرتے نہیں تو اس ہاتھوں نہایت کمزور اور مضمحل ضرور ہوجاتے ہیں یہ عام خیال ہے کہ بخار کے جراثیم ڈانسوں کے ذریعہ سے پھیلتے ہیں پس اس کی سخت ضرورت ہے کہ استادہ پانی جہاں ڈانس بکثرت پیدا ہوتے ہیں جلد سے جلد نکال دیا جائے اور تمام کنویں اور حوض ڈھکے رہیں۔ جہانتک ممکن ہے سرکار لوگوں کو اور بالخصوص ان کو جو بخار میں مبتلا ہیں کنین استعمال کرنے کی ترغیب دیتی ہے۔ چنانچہ کنین کی خوراکیں نہایت سستی قیمت پر ڈاکخانوں سے مل سکتی ہے۔

صفائی یہ پہلے بھی بیان ہوچکا ہے کہ ہر صوبے میں ایک کمشنر صفائی مقرر ہے اور سرجن ضلع اپنے ضلع کا حاکم صحت ہے لیکن بمبئی میں نائب کمشنر صفائی بھی مقرر ہیں جو صفائی اور صحت عامہ کی دیکھ بھال کرتے ہیں۔ ۱۹۱۸ء سے ہر صوبہ میں ایک مجلس صفائی بھی قائم ہے جس کا فرض یہ ہے کہ مجالس اضلاع اور بلدیات جس قدر بھی آبرسانی اور بدرروئی کی اسکیموں کے متعلق کام کریں اس کی نگرانی رکھیں۔ احاطۂ بمبئی میں ۱۹۱۳-۱۴ء میں مجالس اضلاع کی آمدنی ایک کرور روپیہ رہی۔ اس میں سے چھپن لاکھ روپیہ آبرسانی بدرروئی۔ صفائی اور ایسے دوسرے کاموں میں صرف ہوا جو حدود بلدی کے اندر صحت عامہ اور راحت عامہ سے متعلق تھے بمبئی کے قانون صفائی کے مطابق وہاں مقامی انجمنہائے صفائی قائم

باب تیرھواں

ہیں جس کا کام یہ ہے کہ اپنے حلقوں میں صفائی کے انتظامات کی نگرانی کریں۔ جو لوگ قانون صفائی کی خلاف ورزی کریں ان کو سزا دیں۔ اور صفائی کے اغراض کے واسطے تھوڑا سا محصول بھی وصول کریں ۱۹۱۳ء۔ ۱۹۱۲ء میں ۲۱۶ دیہات میں قانون صفائی جاری تھا۔ بلدیات صفائی کی بڑی بڑی اسکیموں کے واسطے سرکار سے قرض لے سکتے۔ صاف ظاہر ہے کہ پریزیڈنسی شہروں کی صفائی کا انتظام بہت بڑے پیمانے پر کیا جاتا ہے اور اس کی نگرانی کے واسطے بلدیات میں خاص ماہر رہتے ہیں۔ بمبئی میں جو پانی برتا جاتا ہے وہ سنسا دھار اور تلسی جھیل سے آتا ہے۔ ۱۹۱۳ء۔ ۱۹۱۴ء میں ان تینوں جھیلوں نے علی الترتیب چھ ارب بتیس کرور۔ تین ارب آٹھ کرور اسّی لاکھ اور ایک بائیس کرور بیس لاکھ گیلن پانی دیا۔ بمبئی اور کلکتہ میں محکمۂ آرایش بلدہ کی بدولت بھی بہت کچھ اصلاح اور ترقی ہوئی۔

سرکار منطقہ حارہ کے امراض کی تحقیقات کرنے میں ہمّت افزائی کرتی رہتی ہے۔ اور شملے کے قریب کسولی میں ایک ایسا انتظام موجود ہے کہ وہاں طبی ماہرین، تحقیقات میں مصروف ہیں۔ اس کے علاوہ اور بھی جابجا سرکاری تجربہ خانے موجود ہیں جہاں اسی طرح کی تحقیقات کا کام ہوتا ہے۔ احاطۂ بمبئی میں تجربہ خانے بمقام پریل اس عمارت میں واقع ہیں جو سابق میں گورنمنٹ ہاؤس یعنی ایوان حکومت تھی۔ تمام ہندوستان کے لئے طاعون کا تجربہ خانہ یہیں قائم ہے۔ کسولی۔ شلانگ اور کونور میں پاسٹیور خانے موجود ہیں جہاں کتّے کے کاٹے علاج ہوتا ہے۔

صحت اور صفائی کے متعلق اس باب میں جو کچھ بیان ہوا اس کی مزید تشریح کے لئے پرسیول رین صاحب کی کتاب الصحت جو ہندوستانی ہائی اسکول کے لئے لکھی گئی ہے مطالعہ کرنا مفید ہوگا۔

چودھواں باب

تعمیرات

نظم ونسق ہند کی تاریخ میں محکمۂ تعمیرات بھی خاص طور پر نمایاں رہا ہے۔ انگلستان میں یہ بات نہیں۔ کیونکہ وہاں ریلیں کمپنیوں کے ہاتھ میں ہیں۔ سڑکوں اور ریلوں کی تعمیر اور نگہداشت مجالس کوئنٹی اور بلدیات کے ذمے ہے اور عمارات عامہ کمپنیوں کی معرفت تیار ہوتے ہیں۔ سرکار کو صرف دیکھ بھال کا اختیار حاصل ہے یہ کام بھی محکمہ جات متعلقہ کے ملازم یعنی انسپکٹر لوگ انجام دیتے ہیں۔ ہندوستان کی حالت بالکل جداگانہ ہے پہلے زمانے میں لوگ مفلس تھے اور مل جل کر کام کرنا نہیں جانتے تھے۔ آبرسانی کا ایسا انتظام نہ تھا جیسا کہ اب ہے۔ اور ریلیں تو بہت ہی کم تھیں۔

محکمہ تعمیرات کا انتظام — لارڈ ڈلہوزی کے عہد میں سرکار کو یہ ضرورت محسوس ہوئی کہ تعمیرات کا انتظام اپنے ذمے لے۔ ممالک مغربی و شمالی کے

باب چودھواں

لفٹننٹ گورنر مسٹر ٹامسن نے پہلے ہی سے سڑکیں بنوانی شروع کر دی
تھیں اور ۱۸۵۴ء میں نہر گنگ کھدنی شروع ہو گئی تھی سب سے
پہلے ۱۸۵۳ء میں بمبئی سے تھانہ تک بیس میل بمبئی ریلوے
لائن جاری ہوئی اور دوسرے ہی سال کلکتہ سے ہگلی تک ریل
نکل گئی۔ اسی زمانے میں تعمیرات کا ایک ایک محکمہ بنگال۔
مدراس اور بمبئی کے صوبوں میں قائم ہوا۔ ان کی نگرانی کے لئے
چیف انجینیر مقرر ہوئے۔ اور تعمیرات کا ایک معتمد سرکار ہند
نے اپنے ہاں مقرر کیا۔ اس وقت سے فوجی اور سول تعمیرات
جدا جدا شمار ہونے لگیں فوجی عمارات کی دیکھ بھال فوجی محکمے
کے سپرد ہے۔ ریلوے لائینوں کی نگرانی جو پہلے محکمہ تعمیرات
کے متعلق تھی ایک ریلوے بورڈ کے ماتحت ہے گورنر جنرل
کی کونسل میں تجارت و صنعت کا صیغہ جس رکن کے سپرد ہے
وہی اس کا نمایندہ شمار ہوتا ہے۔ آبپاشی عمارات اور سڑکیں
صوبہ داری حکومتوں کے انتظام میں ہیں اور مدراس و بمبئی میں
تعمیرات کا صیغہ گورنر بالعموم اپنے ہاتھ میں رکھتے ہیں۔ ہر محکمہ
کے لئے ایک تو سڑکوں اور سول عمارات کا معتمد مقرر ہے اور
ایک آبپاشی کا۔ اب عام رجحان یہ ہے کہ معمولی سڑکوں اور
چھوٹی چھوٹی عمارتوں کی مالی ذمہ داریاں مجالس اضلاع اور
بلدیات پر ڈالدی جاتی ہیں۔ سرکار ہند کا ایک اپنا محکمہ
تعمیرات بھی ہے وہ اس ممبر کونسل کے تحت میں رہتا ہے
جس سے مالگذاری اور زراعت کا صیغہ متعلق ہے۔ اور مقامی

باب چودھواں

حکومتوں کے اس قسم کے کام کی نگرانی کرنے کا بھی اس کو اختیار حاصل ہے۔ بالعموم وہ صرف خاص خاص تجاویز میں دخل دیتا ہے۔ جس میں بڑی بڑی رقمیں خرچ ہوں۔ بغرض انتظام ہر صوبہ میں چند حلقے قرار دیئے جاتے ہیں۔ اور کئی کئی ضلعے ایک حلقے میں شامل ہوتے ہیں۔ ہر حلقہ ایک ناظم تعمیرات کے سپرد ہے اور ہر ضلعے میں ایک مہتمم تعمیرات رہتا ہے جس کے تحت میں مددگار مہتمم اور ماتحت عملہ کام کرتا ہے۔

ملازمین محکمہ۔ تعمیرات کے محکمہ میں تین حلقے ہیں۔ امپریل سروس یا شاہی خدمت پراونشل سروس یا صوبہ واری خدمت۔ اور سب آرڈینٹ یا ماتحت خدمت پہلی میں چیف انجینیر ناظم تعمیرات۔ مہتمم تعمیرات اور مددگار مہتمم شامل ہیں۔ ۱۸۷۱ء میں انگلستان میں بمقام کوپرہل رائل انڈین انجینیرنگ کالج قائم ہوا جہاں طلبہ ہندوستان کے محکمہ جات ریلوے۔ تعمیرات جنگلات۔ اور انجینیری کے لئے تعلیم پاتے ہیں۔ ۱۹۰۶ء میں یہ کالج بند ہوگیا اور محکمہ تعمیرات کے افسر اب وزیر ہند کی طرف سے مقرر ہوتے ہیں۔ صوبہ واری اور ماتحت خدمات میں وہ لوگ شامل کئے جاتے ہیں جو رڑکی۔ پونہ۔ مدراس سبہپور کے انجینیرنگ کالج میں تعلیم پاچکے ہیں۔

مالیہ سول تعمیرات کے مصارف جن میں عمارات عامہ داخل ہیں یا تو مقامی حکومت کے ذمے پڑتے ہیں۔ یا بعض حالتوں میں مجالس ضلع یا بلدیات کے ذمے۔ اور اگر مصارف کا تخمینہ ایک مقدار معین سے زائد ہو۔ تو سرکار ہند کی منظوری بھی ضروری ہے۔ آبپاشی

باب چودھواں

یں ایسا انتظام ممکن نہیں۔ پس مالی لحاظ سے تعمیرات آبپاشی کی دو قسمیں قرار دی گئی ہیں۔ کلاں اور خُرد تعمیرات خرد کا خرچ بالعموم صوبے پر پڑتا ہے۔ لیکن تعمیرات کلاں کے مصارف چونکہ یا تو قرضے سے ادا ہوتے ہیں۔ یا قحط کی امدادی اور بیمہ فنڈ سے اس لئے وہ سرکار ہند کے ہاتھ میں ہیں۔ ایک ناظم آبپاشی مقرر ہے۔ جس کا کام یہ ہے کہ آبپاشی کی اسکیموں کے جو نقشے اور تخمینے سرکار ہند میں آئیں ان کی جانچ اور تنقید کرے۔ اور تعمیرات آبپاشی پر عام نگرانی رکھے۔ سرکار ہند سے منظوری ملنے کے بعد تعمیر اور نگہداشت کا کام صوبہ واری حکومتوں کے ہاتھ میں آجاتا ہے۔

آبپاشی

سرکار ہند نے بہت اچھا کیا کہ آبپاشی پر بہت زیادہ توجہ صرف کی اور اس کام میں سرکار کو جس قدر کامیابی حاصل ہوئی ہے۔ وہ کسی ملک سے کم نہیں بلکہ اکثر سے بڑھی ہوئی ہے۔ آبپاشی کے نہر نالوں سے پانی بھی قابو میں آجاتا ہے۔ اور ان سے مسافروں اور اسباب کی نقل و تحویل کا بھی کام نکلتا ہے۔ پانی کی قلت ہندوستانی زراعت کے لئے بہت بڑی سدّراہ تھی لیکن اس آبپاشی کی بدولت کوئی چار کرور ساٹھ لاکھ ایکڑ زمین قابلِ کاشت ہوگئی اور اب اس پر نہایت فاضل چیز فصلوں کی کاشت ہوتی ہے علاوہ ازیں بنگال کے سوا اور حصوں میں بیشتر دریا کشتی رانی کے قابل نہیں ہیں لیکن نہروں سے اس خرابی کی بہت کچھ تلافی ہوگئی ہے۔

باب چودھواں
کنویں

آبپاشی کے ہندوستان میں کئی طریق ہیں لیکن وہ سب بآسانی تین قسموں کے تحت میں آسکتے ہیں۔ کنویں تالاب اور نہریں۔ ہزارہا کنویں موجود ہیں جن میں تہہ زمین سے پانی نکلتا ہے۔ اور ان میں سے بعض کی تعمیر میں معتدبہ رقم لگی ہے۔ کنواں تنہا کچھ زیادہ کارآمد نہیں ہوسکتا۔ کیونکہ وہ ایک سے لیکر بیس ایکڑ تک آبپاشی کرسکتا ہے۔ اس سے زیادہ نہیں فی نفسہٖ یہ رقبہ تھوڑا معلوم ہوتا ہے۔ لیکن یہاں کنوؤں کی اس درجہ کثرت ہے کہ ان کے ذریعہ سے تخمیناً ایک کرور تیس لاکھ ایکڑ زمین کی آبپاشی ہوتی ہے۔

تالاب

تالابوں کی تو مدراس میں بہت کثرت ہے۔ وہ پہاڑوں کے درمیان جہاں تنگ گھاٹی ملی وہیں بند باندھکر پانی روکدیا اور ایک جھیل کا سا بڑا تالاب بن گیا۔ جس طرف تالاب کی تہہ نیچی ہوئی نالیاں نکال لیں اور گرد ونواح کی آبپاشی کرلی۔ بہت سے تالاب لوگوں نے نج کے طور پر تیار کرلئے ہیں لیکن کچھ بڑے بڑے تالاب سرکار نے بھی بنوائے ہیں اور اکثر تالابوں کی نگہداشت سرکار نے اپنے ذمے لے رکھی ہے کوئی ستر لاکھ ایکڑ کی مدراس میں اس طرح آبپاشی ہوتی ہے۔

نہریں

دریاؤں سے بذریعہ نہروں کے آبپاشی کرنا۔ یہ کام کیا بلحاظ تعمیر اور بلحاظ نگہداشت بہ تمام و کمال سرکار خود انجام دے رہی ہے۔ دریا کے ڈیلٹا یا تکلوں کی دھانہ پر اس کنارے سے اُس کنارے تک وار پار ایک بند باندھتے ہیں۔ تاکہ جو

باب چودھواں

پانی سمندر میں گرتا ہے وہ رک جائے۔ جب پانی اس طرح فراہم ہوگیا تو کناروں سے نالے نکال نکال کر کھیتوں میں تقسیم کردیا۔ آبپاشی کا یہ طریق احاطۂ مدراس میں خاص طور سے رائج ہے۔ شمالی ہندوستان کا طریق ذرا مختلف ہے بنگال میں آبپاشی کی چنداں ضرورت کیونکہ وہاں کافی بارش ہوجاتی ہے۔ البتہ صوبۂ متحدہ اور پنجاب میں اس کی سخت ضرورت رہتی ہے کہیں کہیں گنگا اس قدر پھیل گئی ہے کہ چھ چھ میل کا پاٹ ہو گیا ہے اور اس کی سطح بھی گرد و نواح سے بہت پست ہے اس بنار پر یہ تدبیر کرنی پڑی کہ اس کا پانی ہمالیہ سے اُترتے ہی ہردوار پر روکدیا۔ اور ایک چوڑی نہر کے ذریعے سے جن کو مصنوعی دریا کہیں تو بجا ہے وہ آبہ کے پن ڈھال پانی لے گئے جہاں سے وہ نالوں کے ذریعے ملک میں دُور دُور تک بآسانی پہنچ سکتا ہے۔ پنجاب میں بھی اسی طرح تسلج جھلم اور چناب سے آبپاشی ہوتی ہے۔ بالخصوص چناب کے ذرائع آبپاشی بہت وسیع ہیں۔

ریلوے انتظام

۱۹۰۵ء میں ریلوں کا انتظام ایک ریلوے بورڈ کے سپرد کردیا گیا جس میں ایک صدر اور دو ممبر شریک ہیں۔ اور گورنر جنرل کی کونسل میں ریلوں کا کام تجارت و صنعت کا ممبر انجام دیتا ہے یہ بورڈ سرکار کے تحت میں ہے صوبہ واری حکومتوں کی ماتحت نہیں۔ ریلوے کمپنیاں اپنے عملے مقرر کرتی ہیں لیکن اعلیٰ عہدہ داروں کے تقرر میں سرکار ہند کی منظوری کو بھی دخل ہے ہر کمپنی کا اعلیٰ عہدہ دار بالعموم ایجنٹ کہلاتا ہے۔ اس کی ماتحتی

باب چودھواں

میں کئی عہدہ دار کام کرتے ہیں۔ ٹریفک مینجر یعنی ناظم نقل وتحویل چیف انجینیر لوکو موٹیو سپرنٹینڈنٹ۔ جس کی نگرانی میں انجن وغیرہ رہتے ہیں اور اسٹور کیپر یعنی مہتمم گدام۔ ان میں سے ہر ایک اپنے اپنے صیغے کا اعلیٰ حاکم شمار ہوتا ہے۔ اعلیٰ عہدوں کے واسطے لوگ انگلستان سے لئے جاتے ہیں لیکن اگر یہاں بھی کسی میں ضروری صفات موجود ہوں تو وہ مستثنیٰ صورتوں میں مقرر ہوسکتا ہے۔

ریلوں کا مالیہ

گزشتہ صدی کے وسط میں سرکار کو ریلوں کی تعمیر اور نگہداشت میں ہاتھ بٹانے کی ضرورت محسوس ہونی شروع ہوئی اس غرض سے ولایت کی چند کمپنیوں سے معاہدے کئے گئے۔ سرکار نے ان کمپنیوں کو ریلوے لائنوں کے لئے زمین مفت دے دی اور اصل پر ۵ فی صدی سو کا خود ذمہ لے لیا۔ اور اگر کچھ منافع اس سے زیادہ رہے تو اس کا کمپنی اور سرکار کے درمیان تقسیم ہونا قرار پایا۔ سرکار کو یہ بھی حق رہا کہ ۲۵ سال کے بعد بشرح معین ریلوں کو خرید لے اور ریلوں کے انتظام اور کار و بار کی نگرانی کے ذرائع بھی اس کو حاصل رہے۔ جن کمپنیوں سے مذکورۂ بالا معاہدہ ہوا وہ یہ ہیں۔ گریٹ انڈین پننسلا ریلوے مدراس ریلوے۔ سدرن ریلوے۔ ایسٹ انڈین ریلوے۔ بمبئی۔ بڑودہ۔ سنٹرل انڈیا ریلوے۔ ایسٹرن بنگال ریلوے۔ نارتھ ویسٹرن ریلوے اور اودھ روہیلکھنڈ ریلوے۔ اس میں شک کہ ان کمپنیوں کے کام سے ملک کو بیحد فائدہ پہنچا۔ لیکن چند وجوہات سے مالی نتائج

باب چودھواں

اچھے نہ رہے اول تو تعمیر میں اندازہ سے زیادہ صرفہ ہوا۔ دیگر شعبوں میں بھی بہت فضولخرچی رہی۔ نگرانی بھی ناقص تھی اور سب سے بڑھکر یہ وقت پیش آئی کہ غدر نے کچھ عرصے کے لئے سارا انتظام درہم برہم کردیا ۱۸۶۸ء سے سرکار نے یہ تجویز کی کہ وہ خود ریلوے تعمیر کرے اور کچھ سال کے لئے اس کام کے واسطے ایک رقم بھی مقرر ہوگئی لیکن یہ نئی تجویز بار آور نہ ہوئی کام کی رفتار بہت سست تھی آخر کار پھر وہی کفالت کا طریق جاری کیا۔ یعنی ایک مقررہ شرح سود کا سرکار نے ذمہ لے لیا۔ لیکن دیگر شرائط میں کچھ ترمیمیں کردیں جو سرکار کے حق میں مفید تھیں گزشتہ چالیس سال سے بہت سی کمپنیوں جدید شرائط کی پابندی کے ساتھ ہندوستانی ریلوں کی ترقی وتوسیع کا کام کر رہی ہیں ریلوں کے واسطے سرکار بھی اکثر قرضہ لیتی رہی ہے۔ قرض ستانی کا طریق اگلے باب میں بیان ہوگا۔ سرکار کو اب بھی حق حاصل ہے کہ میعاد معین کے بعد ان ریلوں کو خریدنے جن کی اس طرح کفالت کی گئی ہے اکثر ایسا ہو بھی رہا ہے۔

ریلوں کی کامیابی

سرکار ہند کی ریلوے پالیسی پر بہت کچھ نکتہ چینی کی جاتی ہے یہ سچ ہے کہ شروع شروع میں کمپنیوں کے ساتھ بہت نرمی برتی گئی نگرانی کافی نہیں ہوئی اور فضولخرچی بھی ہوتی رہی لیکن اس صدی کے شروع سے تقریباً ہر سال ریلوں کے مالیہ میں ادائے قرضہ اور دیگر مصارف کا رہ بار منہا ہونے کے بعد منافع بچ رہتا ہے۔ اس سے ثابت ہوتا ہے کہ ریلیں نکالنا ایک بڑا دانشمندانہ

باب چودھواں

اور تاجرانہ کام دیا ہے اس کے علاوہ ریلوں کی خوبی کا صحیح اندازہ خوف نفع و نقصان کے گوشوارے سے نہیں ہوسکتا ہر ملک میں خاصکر ہندوستان جیسے وسیع ملک میں ریلوں نے لوگوں کی دولت میں اضافہ کیا ہے جن اضلاع میں آبادی بہت چھدری ہے۔ وہاں بھی باوجود منافع کی امید نہ ہونے کے ریلیں اس غرض سے نکالدی ہیں کہ ذرائع آمد و رفت کشادہ ہونے سے وہاں کے ذرائع پیداوار میں ترقی ہو۔ کچھ ریلیں بالخصوص شمال مغرب میں فوجی مصلحتوں کی خاطر نکالی گئی ہیں اگر ان میں مالی خسارہ بھی ہو تو عجب نہیں۔ اور سب سے بڑی بات یہ ہے کہ ریلوں سے قحط دفع کرنے میں بہت مدد ملتی ہے۔ ریلوں کی یہ کار گزاری اس قدر اہم ہے کہ وہ اگلے باب میں جداگانہ بیان ہوگی۔

پندرھواں باب

امداد قحط

تعمیرات کے سلسلے میں قحطوں کی دردناک سرگذشت نیز وہ امداد قحط کا
کوششیں ہیں جو قحط کے برے اثر رفع کرنے کے لئے اس زمانے انتظام
میں کی گئی ہیں۔ قدیم زمانے سے ہندوستان میں قحط پڑتے
رہے ہیں۔ موسمی ہوا نہ چلنے۔ لوگوں کی تنگدستی اور جماعت کثیر کا
ذریعہ معاش محض زراعت ہونے کی وجہ سے یہ خوفناک مصیبت
پیش آتی۔ پہلے زمانے میں لوگوں کی قحط میں کچھ مدد نہیں کی جاتی
تھی کہ ان کی مصیبت گھٹتی۔ لارڈ نارتھ بروک نے خوب سمجھ لیا
کہ وقتاً فوقتاً قحط پڑنا ضروری ہے۔ اور سرکار کا فرض ہے کہ
قحط کے بارے میں ایک خاص پالیسی قرار دے۔ کہ اس کو ایسی
حالت میں کیا کرنا چاہیئے۔ چنانچہ لارڈ نے ایک کمیشن مقرر
کیا جس کے صدر سر رچرڈ اسٹریچی تھے تاکہ وہ کمیشن قحط کے

باب پندرھواں

اسباب تحقیق کرے۔ اور نیز یہ بھی تجویز کرے کہ کس طرح سرکار مصیبت زدوں کی مدد کرسکتی ہے بعد میں دو کمیشن اور مقرر ہوئے ایک کے صدر سرجمیس لیال تھے۔ اور دوسرے کے سرانیٹنی جو اب لارڈ میکڈانل کہلاتے ہیں۔

ان کمیشنوں نے جو رپورٹیں پیش کیں اور بعد میں جو کچھ کارروائیاں ہوئیں ان سے ہم قحط کے باب سرکار کی پالیسی کے بنیادی اصول اخذ کرسکتے ہیں۔ جان بچانا اور شدید تکلیف سے نجات دلانا یہ بڑا مقصد اس وقت عمدہ طور پر حاصل ہوسکتا ہے۔ جبکہ خیراتی امداد اس طرح پر پہنچائی جائے کہ اس کا کوئی بُرا اثر امداد پانے والوں کی عادات اور اخلاق پر نہ پڑنے پاوے۔ کیونکہ تجربے سے ثابت ہوا ہے کہ بے محل اور زائد از ضرورت خیرات سے لوگوں کے اخلاق و عادات ضرور بگڑجاتے ہیں۔ سرکاری خیرات کی تقسیم کے وقت نہیں ہوتا کہ آنکھیں بند کرکے خیرات بانٹنی شروع کردیجائیگی بلکہ حتی الوسع یہ کوشش کی جاتی ہے کہ لوگوں میں کفایت شعاری اور خود اعتمادی برقرار رہے عام اصول یہ ہے کہ قحط کے زمانے میں ہر شخص کو کام کرنے کا حق حاصل ہے۔ لیکن ہر کسی کو خیرات پانے کا حق نہیں۔ ہر گاؤں میں ایسے لوگوں کی ایک فہرست تیار ہوجاتی ہے جو جسمانی مجبوریوں کی وجہ سے کام کرنے سے معذور ہیں۔ اور جو خیرات نہ ملنے کی صورت میں فاقہ کریں گے۔ ایسے لوگوں کو البتہ کچھ غلہ دیدیا جاتا ہے بچوں کو ان کے والدین سے جدا امداد ملتی ہے۔ لیکن نقد کے بجائے ان کو بھی کھانا ہی

باب پندرھواں

دیا جاتا ہے۔ گاؤں میں کسی معتبر شخص کے زیر اہتمام خیراتی باورچیخانہ کھُل جاتا ہے اور بچے ہر روز وہیں سے اپنا کھانا لے آتے ہیں۔

امدادی کام

تجربے سے معلوم ہوا ہے کہ قحط کی مصیبت گھٹانے کے واسطے ضروری ہے کہ سمے کے زمانے میں کچھ رقم پس انداز کی جائے۔ چنانچہ ہر سال ڈیڑھ کرور کی رقم امداد قحط اور بیمہ کی مد میں داخل ہوتی رہتی ہے۔ اس رقم سے یا تو قرضہ ادا کردیا جاتا ہے یا اس کو ریلوں اور آبپاشی میں صرف کر دیتے ہیں تا کہ ان کاموں کے واسطے مزید قرضے نہ لینا پڑے قحط کے زمانے میں اتنی ہی رقم امداد کے واسطے قرض لے لیتے ہیں اور سرکار پر کوئی بار نہیں پڑنے پاتا۔ امدادی کام چھیڑے جاتے ہیں۔ مثلاً ریلوے لائن۔ یا آبپاشی کے نہر نالوں کی تیاری شروع کردی جاتی ہے اور جو لوگ کام کرنے کے قابل ہیں وہ محنت مزدوری سے لگ جاتے ہیں۔ نگرانی میں بہت احتیاط ضروری ہے اور مزدوروں پر بھی چند شرائط کی پابندی لازم ہوتی ہے۔ اجرت کم دی جاتی ہے۔ بس اس قدر کہ ضروریات حیات پوری ہوسکیں کام خوب لیا جاتا ہے اور مزدوروں کے دیہات سے کام کا مقام دور رکھا جاتا ہے۔ تاکہ وہ لوگ کام کی جگہ رہیں نہ کہ اپنے گھروں پر۔ اس طرح سے بغیر کسی فضول خرچی کے کافی امداد پہنچ جاتی ہے۔ بارش شروع ہونے پر امدادی کام روکدیئے جاتے ہیں۔ کیونکہ اُس وقت کھیتی کے کام کے لئے چاروں طرف مزدوروں کی مانگ ہوتی ہے۔ اگر ضرورت ہوئی تو چھوٹے چھوٹے امدادی

باب پندرھواں

کام اور وہ بھی مزدوروں کے دیہات کے قرب و جوار میں جاری رکھے جاتے ہیں کاشتکاروں کو تخم اور مویشی خریدنے کے لئے پیشگی رقم تقسیم کردی جاتی ہے۔اور ہر ممکن طریق سے امداد کی جاتی ہے تاکہ زراعت کا کام شروع ہو۔ قحط کے زمانے میں مالگذاری بھی ملتوی ہو جاتی ہے۔

ریلوے اور آبپاشی

اوپر کے بیان سے معلوم ہوا کہ سرکار کی طرف سے قحط کے زمانے میں لوگوں کی جان بچانے کی کیسی کیسی کوششیں ہوتی ہیں۔ قحط کمیشن نے قحط روکنے کی بھی کچھ تدابیریں پیش کی ہیں۔ ریلوں اور ذرائع آبپاشی کی تیاری کا اس سے قبل ذکر آچکا ہے۔ آبپاشی کے کام قحط روکنے میں بہت کارگر ہوتے ہیں۔ کیونکہ خشک سالی میں اُن کے ذریعے سے زراعت جاری رہ سکتی ہے۔ ریلوں سے بھی کچھ مدد ملتی ہے۔ بات یہ ہے کہ تمام ملک میں تو ایک ساتھ فصل خراب ہوتی نہیں بلکہ خاص حصے میں فصل کو نقصان پہنچتا ہے پس بحیثیت مجموعی ملک میں غلہ ضرور موجود رہتا ہے ریلوں کا بڑا کام یہ ہے کہ جہاں غلّے کی کمی ہوئی وہیں دوسرے حصوں سے لاکر پہنچا دیا۔ بلکہ کچھ عرصے سے یہی ہوتا ہے کہ قحط زدہ حصوں کے مزدور ریل کے ذریعے سے ایسے مقامات میں پہنچ جاتے ہیں جہاں ان کو مزدوری اور کھانا مل سکتا ہے۔

زراعتی محکمے

قحط کے زمانے میں جس قدر برداشت اور سہار لوگوں سے ظاہر ہوتا ہے اس کی جتنی بھی تعریف کی جائے کم ہے۔ اس کی بھی بیشمار مثالیں موجود ہیں کہ لوگوں نے بیج کے طور پر امدادی ہے۔

باب پندرھواں

لیکن افسوس ہے کہ لوگوں کے ذرائع آمدنی بہت محدود ہیں اور جب کبھی دو ایک فصلیں خراب ہوئیں قحط شروع ہو جاتا ہے۔ سرکار یہ اپنا فرض سمجھتی ہے کہ ذرائع امداد دوسرے طریقوں بڑھا ئے۔

سرکار ان لوگوں کے مفاد اور بہبودی کی کو خاصکر پیش نظر رکھتی ہے جو غریب بے زبان جفاکش اور اطاعت شعار کاشتکار ہیں جن کی تعداد ملک میں اسّی فی صدی سے کم نہیں۔ جن کو سیاسیات سے کچھ سروکار نہیں لیکن سیاسی معاملات کی بھلائی بھگتنی پڑتی ہے۔ اور جن کے حال پر اور تو اور خو ان کے ہم وطن نظر نہیں ڈالتے۔ صوبہ داری حکومتوں کے تحت میں زراعتی محکمے قائم ہیں۔ اور ان کی امداد کے لئے سرکار ہند کی طرف سے ایک مشیر زراعت مقرر ہے اس اہتمام کی غرض یہ ہے کہ لوگوں کو علمی طریقے کی زراعت سیکھنے کی ترغیب ہو جا بجا سرکاری کھیت موجود ہیں جہاں علمی تجربے کئے جاتے ہیں اور اُن کی بناپر کاشتکاروں کو مفید مشورہ دیا جاتا ہے۔ ہر بڑے صوبے میں ایک زراعتی کالج موجود ہے اور زیر نگرانی سرکار ہند ایک بڑا کالج پوسا میں بھی قائم ہے جہاں زراعت کے متعلق تحقیق ہوتی رہتی ہے۔ اس کالج کے واسطے رقم کثیر ایک امریکہ کے باشندے مسٹر فبس نے مرحمت کی تھی جو لارڈ کرزن کے بڑے مداح تھے۔

جنگلات

جنگلات کے محکمے ۱۸۶۴ء سے قائم ہیں۔ یوں تو صوبہ داری حکومتوں کی ان پر نگرانی رہتی ہے۔ لیکن سرکار ہند کی طرف سے

باب پندرھواں

بھی مدد کے لئے ایک انسپکٹر جنرل یعنی صدر ناظم جنگلات مقرر ہے۔ ہر صوبے میں متعدد حلقے یا قسمتیں قرار دیکر ان کو جداگانہ ایک ایک کنزرویٹر یعنی ناظم جنگلات کے سپرد کردیا ہے۔ اس محکمے میں بھی تین طبقے ہیں۔ امپریل سروس یعنی خدمت جسکے لئے انگلستان سے ایسے لوگ لئے جاتے ہیں جو انگلستان فرانس اور جرمن میں خاص تعلیم پا چکے ہوں پرانشیل یا صوبہ داری اور ماتحت خدمات میں ہندوستان کے لوگ داخل کئے جاتے ہیں ان میں سے اکثر دہرہ دون کے کالج جنگلات کے پرانے طالبِ علم ہوتے ہیں ایک لاکھ مربع میل رقبہ مخصوص جنگلات کا اور ڈیڑھ لاکھ مربع میل محفوظ جنگلات کا۔ پہلی قسم کے جنگلات میں نگہداشت کے قواعد قسم دوم کے مقابل بہت زیادہ سخت ہیں۔ لیکن خاص خاص حالتوں میں قرب و جوار کے رہنے والوں کو ایسے جنگلات سے بھی خانگی استعمال کے لئے ایندھن مل سکتا ہے آجکل جنگلات کے انتظام سے خوب فائدہ ہو رہا ہے۔ ۱۹۱۳-۱۴ء میں آمدنی کی مقدار (۲۲۲۰۱۰۳) پونڈ تھی اور خرچ کی مقدار (۱۱۶۹۵۶۴) پونڈ۔ لیکن محکمۂ جنگلات کا اصلی مقصد عوام کو فائدہ پہنچانا ہے۔ نہ کہ چوبینہ کی بکری سے نفع اٹھانا خشک سالی میں مویشی حدود جنگلات کے اندر چر سکتے ہیں۔ اور اس طرح بہت سوں کی جان بچ جاتی ہے۔ اور اگر کوئی برا وقت آن پڑے تو لوگ جنگلات کے پھل پھول پر گذارا کرسکتے ہیں۔ سب ملکوں میں نئے جنگلات کی حفاظت ضروری سمجھی جاتی ہے۔ دیگر حکومتیں جو جنگلات کے

باب پندرھواں

متعلق کوئی نئی پالیسی اختیار کرنا چاہتی ہیں تو ہندوستان کے حکام جنگلات سے اکثر مشورہ کرلیتی ہیں۔ آتشزدگی سے تباہی پھیلتی ہے۔ اور جنگلات کو اس بلا سے بچانے کے لئے بہت سے نگہبان تعینات رہتے ہیں۔ اس میں بھی کلام نہیں کہ جنگلات کا مقامات گرد و پیش کے موسموں پر بہت اثر پڑتا ہے مرطوب مقامات جنگلات کی بدولت سیلاب سے محفوظ رہتے ہیں۔ اور خشک مقامات میں جنگلات کے طفیل سے نمی بر قرار رہتی ہے اور زمین کی زرخیزی بڑھتی ہے۔

انتقال اراضی

زراعت پیشہ لوگوں کے ہاتھ سے نکل نکل کر جو زمینیں غیر زراعت پیشہ لوگوں کے قبضے میں جا رہی ہیں اور رعایا جو اس قدر قرضدار ہے تو سرکار نے بھی ان معاملات پر توجہ کرنی ضروری سمجھی ۱۸۷۹ء میں ایک قانون پاس ہوا جس کو قانون امداد مزارعین دکن کہتے ہیں اس کا منشا یہ تھا کہ کاشتکار بضمانت اراضی قرض لیں تو ساہوکار ان سے بہت زیادہ سود کا مطالبہ نہ کرسکیں۔ نتیجہ کچھ بہت اچھا نہیں نکلا۔ کیونکہ ساہوکار لوگ طرح طرح کے حیلے حوالے کرکے قانون کی گرفت سے بچتے رہے۔ مدت بعد سرکار نے دیکھا کہ پنجاب میں زمین اندیشہ ناک طریق پر جلد جلد ایسے لوگوں کے ہاتھ میں منتقل ہوتی چلی جاتی ہے جن کو اس کی اصلاح اور ترقی سے کوئی غرض اور دلچسپی نہیں ہوسکتی۔ جن لوگوں کے ہاتھوں سے زمین نکلی جا رہی تھی وہ قرض سے زیربار ہوچکے تھے اور ان کی تہی دستی خود سلطنت کے حق میں خطرناک تھی۔

باب پندرھواں

بہت غور و فکر کے بعد قانون انتقال آراضی پنجاب ۱۹۰۰ء میں شاہی مجلس وضع قوانین میں پیش ہوکر منظور ہوا۔ منشا یہ تھا کہ ایک طرف تو چھوٹے میراثی کاشتکاروں کی اپنی زمینیں ساہوکاروں اور بنیوں کی دستبرد سے محفوظ ہو جائیں اور اس کے ساتھ ہی ان کو اپنی زمینوں کی ضمانت پر قرض لینے کا موقع حاصل رہے۔ زراعت پیشہ لوگوں کو قانوناً ممانعت ہوگئی کہ وہ اپنے ہم پیشہ لوگوں کے سوا کسی اور کے ہاتھ زمین فروخت نہ کریں اگر وہ اپنی زمین رہن کرنا چاہیں تو شوق سے زراعت پیشہ لوگوں کے پاس رہن رکھدیں۔ لیکن اگر وہ غیروں کے ہاتھ رہن کریں مثلاً بنیوں اور ساہوکاروں کے ہاتھ تو بیس سال بعد ان کا قرضہ کالعدم سمجھا جائے گا۔ لین دین کرنے والوں کی طرف سے اس قانون کی مخالفت ہوئی۔ لیکن اس قانون سے یہ ایک بڑا فائدہ پہنچا کہ پنجاب کی عمدہ زراعت پیشہ قومیں باطمینان اپنے بزرگوں کی زمینوں کے مالک بن بیٹھی ہیں۔ کسی کی مجال نہیں کہ اُن کی ملکیت میں دست اندازی کرے۔

تقاوی

چند خاص قوانین کے بموجب سرکار مجاز ہے کہ کاشتکاروں کو کنوئیں بنانے۔ تخم خریدنے اور زمینیں درست کرنے کے لئے تقاوی کے نام سے مناسب رقمیں قرض دے جو بعد کو بذریعۂ اقساط سرکار کو وصول ہو جاتی ہیں۔ اور تنگدستی کی حالت میں یہ اقساط بھی مالگذاری کی طرح معاف یا ملتوی کردی جاتی ہیں تاکہ کاشتکاروں پر بیجا بار نہ پڑے۔ سرکار جو تقاوی بانٹتی ہے تو اس کا منشا

صرف یہ ہوتا ہے کہ کاشتکاروں کو زیادہ سود دینا یا زمین علحدہ کرنی نہ پڑے۔ لیکن کھیتی باڑی کے لئے جس قدر اصل درکار ہوتی ہے تقاوی اس کا ایک قلیل جزو ہوتی ہے۔ اور آپ اپنی مدد آور آپس میں ایک دوسرے کی مدد کئے بغیر ان کی حالت سدھرنی ممکن نہیں۔ امداد باہمی کی تحریک ہندوستان میں بہت سرسبز ہو رہی ہے۔ سرتھیوڈر ماریسن نے نہایت مختصر الفاظ میں اصلی دقت بیان کردی ہے اور وہ یہ ہے کہ کاشتکار کو قرضے کی ضرورت رہتی ہے۔ اگر اس کا ملنا دشوار ہے تو رباخوار کاشتکار کو تباہ کردیتا ہے اور اگر ملنا سہل ہے تو وہ ادھادھند قرض لیکر اپنے کو خود تباہ کرڈالتا ہے کاشتکاروں کی دائمی مقروضی ہندوستان میں کوئی نئی بات نہیں ہے اور نہ دیگر ممالک میں۔

سر فریڈرک نکلسن لکھتے ہیں کہ منرو صاحب نے مدراس میں اور الفنسٹن صاحب نے بمبئی میں انیسویں صدی کے شروع میں اپنی تحریرات میں یہ بات اچھی طرح پر واضح کردی تھی کہ رعایا سرتاپا قرض میں غرق تھی ایک فصل سے دوسری فصل تک ساہوکار کے دئے پر بسر ہوتی تھی۔ پیداوار کا ماحصل زائد سود کی مد میں ساہوکار کی نذر ہوتا تھا۔ رہی اصل قرض کی ادائی سو اس کا خیال تک نہیں آتا تھا۔ جرمنی میں بھی غریبوں کی حالت غلامی سے بدتر تھی۔ اپنی ذات پر ان کو کوئی بھروسہ نہیں رہا تھا۔ اور اپنی موجودہ قوتوں کی وقعت ان کے دل سے محو ہوتی جاتی تھی ان کی قوت فیصلہ مدہم پڑگئی تھی اور اولوالعزمی اور جدت کا ولولہ

باب پندرھواں

سرد پڑ گیا تھا۔ مسٹر وولف بھی اس واقعہ کی اس طرح تصدیق کرتے ہیں کہ میں نے ہر ایک سے یہی شکایت سُنی کہ یہودی لوگ دیہاتیوں کا خون چوس رہے ہیں۔ طرح طرح کے قوانین پولس کے تنبیہات اور نصیحتیں یہ سب تدبیریں عمل میں آئیں کہ کسی طرح ان کی دستبرد رُکے۔ مگر ایک نہ چلی۔ یہی حال اٹلی میں سنا جاتا ہے کہ کاشتکار ساہوکاروں کے ہاتھ میں تھے اور مزید براں وہ اس بات پر بھی مجبور کئے جاتے تھے کہ ناقص سامان نہایت اعلیٰ قیمت پر خریدیں۔ تاکہ ان کے قرضخواہ دُکانداروں کو منافع ہو۔

قرض امداد باہمی کی انجمنیں۔

بالآخر تین بڑے محبّ انسان کھڑے ہوئے شولز اور افیسن تو جرمنی میں اور لُزاٹی اٹلی میں تاکہ غریب کاشتکاروں کو اس مصیبت سے نجات دلائیں اس مشکل کا صرف ایک حل نکلا وہ یہ کہ قرض امداد باہمی کی انجمنیں قائم کی گئیں ہر ایک انجمن کی ترکیب اور فروعات بہت کچھ مختلف ہیں۔ لیکن سب کا بنیادی اصول ایک ہے کاشتکاروں کو بطور خود مناسب شرائط قرض نہیں ملتا۔ اور نہ وہ اپنے کو ایسے قرض مستحق بنانے کی کوشش کرتے ہیں۔ لیکن اگر کچھ کاشتکار مِل کر ایک انجمن بنالیں تو وہ انجمن البتہ اپنی مجموعی ضمانت پر مناسب شرح سے قرض لے سکتی ہے۔ انجمن میں صرف وہی کاشتکار شریک کئے جاتے ہیں جو محنتی اور اور معتبر ہوں۔ گویا ایسی انجمن سے معاشی اور اخلاقی دونوں قسم کا فائدہ پہنچتا ہے۔ یورپ میں اس کا بہت اچھا نتیجہ نکلا کاشتکار ساہوکاروں کی غلامی سے آزاد ہوتے جاتے ہیں۔

باب پنجم

دیہات میں مایوسی کی جگہ امید پھیل رہی ہے اب کاشتکار کو بآسانی حسب ضرورت قرض مل جاتا ہے۔ یہ نہیں کہ وہ ساہوکار ہی کا دستنگر ہو یہ تحریک ہندوستان میں بھی پھیل رہی ہے اس کی ابتدا انڈین سول سروس کے ایک رکن سرفریڈاک نکلسن کے ہاتھ سے نہایت عمدگی کے ساتھ مدراس میں ہوئی۔ انہوں نے اس قسم کی یورپ کے موجودہ انجمنوں کا حال لکھکر یہ بتایا کہ ہندوستان کے حسب حال بنانے کے واسطے اُن میں کیو نکر ترمیم کرنا چاہئے۔ نکلسن صاحب کے جوش کا اس سے اندازہ ہوسکتا ہے کہ ملازمت ختم ہونے کے بعد وہ پھر ہندوستان آئے اور اپنی تجاویز کی تکمیل میں لوگوں کا ہاتھ بٹایا۔ کچھ سال بعد لارڈ کرزن نے انجمنہائے قرضہ امداد باہمی کا مسودۂ قانون مجلس وضع قوانین میں پیش کرایا جو ۱۹۰۴ء میں پاس ہوکر قانون بن گیا قانون میں بہت احتیاط برتی گئی۔ ایسی انجمنیں قائم کرنے کی اجازت تو مل گئی۔ مگر قانون میں یہ کچھ نہیں بتایا گیا کہ انجمن کی ترکیب اور ساخت کن اصولوں پر ہونی چاہئے۔ مقامی حکومتوں کو البتہ یہ اختیار مل گیا کہ وہ اپنے اپنے ہاں ایک رجسٹرار مقرر کریں۔ جو ان انجمنوں کی نگرانی اور اُن کے قیام میں لوگوں کی ہمت افزائی کرتا رہے۔ اس انتظام کا بہت اچھا نتیجہ نکلا۔ وہ یہ کہ ہر صوبے میں وہاں کے لوگوں کی خاص حالت اور ضرورت کی مناسبت سے انجمنیں جاری ہوگئیں اس سلسلے میں سرتھیوڈر مارین کا بیان قابلِ درج معلوم ہے چنانچہ وہ حسب ذیل تحریر فرماتے ہیں

باب پندرھواں

"بنگال میں قرضہ امداد باہمی کی انجمنیں نہایت پابندی کے ساتھ غیر محدود ذمہ واری کے اصول پر قائم ہوتی ہیں۔ نہ کوئی حصوں کی اصل جمع ہے۔ نہ کچھ مقسومات تقسیم ہوتے ہیں۔ انجمن کے ممبر اپنی مجموعی ساکھ کی ضمانت دیتے ہیں۔ اور اس کی بنا پر جمع کنندوں سے اصل لیکر بطور قرضہ باہم تقسیم کر لیتے ہیں۔ ممبری صرف گاؤں کے لوگوں تک محدود رہتی ہے۔ چنانچہ کہتے ہیں کہ بنگال کی انجمنیں دنیا کی ایسی انجمنوں میں سب سے چھوٹی اور غریب ہیں۔ پنجاب میں ایسی سختی سے اس قاعدے کی پابندی نہیں کی جاتی۔ وہاں قسطوں کے ذریعہ سے لوگ انجمنوں کے حصے خرید سکتے ہیں۔ اس ترکیب سے بنک میں روپیہ بھی آجاتا ہے اور ممبر انجمن کے انتظام میں عملاً توجہ کرنے لگتے ہیں۔ صوبہ متحدہ کے انجمنوں کی خصوصیت یہ ہے کہ وہاں مرکزی بنک قائم ہوتے ہیں جو بہت نرم شرائط پر بڑے بڑے اصل واروں اور بنکوں سے قرض لیکر ضلع بھر کی ملحق شدہ دیہاتی انجمنوں میں روپیہ تقسیم کر دیتے ہیں اسی طرح ہر صوبے کی انجمنوں کی خصوصیات مختلف ہیں۔ اس تحریک اصلی منشاء تو یہ تھا کہ غریب غربا کو سہولت سے مناسب شرائط پر قرضہ مل سکے۔ لیکن اب اس نے اور اور شکلیں اختیار کر لی ہیں۔ مثلاً انجمنہائے امداد باہمی کے ذریعہ سے عمدہ اور ارزاں تخم یا سوت۔ یا آلات خریدنا۔ یا غلہ۔ پارچہ وغیرہ پیدا وار زیادہ منافع پر فروخت کرنا۔ مرکزی بنک اس غرض سے قائم کئے گئے ہیں کہ چھوٹی چھوٹی انجمنوں کی مجموعی ذمہ واری

ان کو قرض دیں۔ بعینہ جس طرح کہ خود انجمنیں اپنے ممبروں کی مجموعی ذمہ داری پر قرض دیتی ہیں۔ اس لین دین کو قانوناً جائز قرار دینے کے لئے ۱۹۱۲ء میں از سرِ نو قانون انجمنہائے قرضہ امداد باہمی پاس ہوا۔ ایک کمیٹی نے ہندوستان کے مروجہ طریق امداد باہمی کی تحقیقات کرکے اور بالخصوص اس کی مالی پہلو کو پیش نظر رکھکر ایک رپورٹ مرتب کی ہے جو ۱۹۱۵ء میں شائع ہوئی۔

باب پندرھواں

British Administration

IN

India.

برطانوی حکومت ہند

فہرستِ اصطلاحات

A

Act	قانون ۔ ایکٹ ۔
Accountant-General	صدر محاسب ۔
Additional Member	زائد رکن ۔
Address (Parliament)	عرضداشت ۔
Advocate-General	اڈووکٹ جنرل
Agent	گماشتہ ۔ کارندہ ۔ ایجنٹ
Allowance	بھتہ ۔ الاؤنس
Anglo-Saxon	انگلوسیکسن ۔ سکسونی انگریز ۔
Assessment	تشخیص مالگذاری یا محصول ۔
Assessor	اسیسر ۔
Assets	اثاثہ ۔

Assize, Justice of	آسائز جج ۔
Atlantic Ocean	بحر اوقیانوس ۔
Auditor	ناظر حسابات ۔
Auditor-General	صدر ناظر حسابات ۔
Autonomy	خود اختیاری ۔

B

Back Bay	بیک بے ۔
Bacon	بیکن صاحب
Bethune College	بیتھیون کالج ۔
Bill	بل ۔ مسودۂ قانون ۔
Board	بورڈ ۔ مجلس ۔
Board of Control	مجلس نگران ۔
Budget	موازنہ ۔ بجٹ ۔

C

Cabinet	مجلس وزرا ۔ کیبنٹ
Cape of Good Hope	کیپ آف گڈ ہوپ
Centralisation	مرکزیت ۔
Chailly, Mr.	چیلی صاحب ۔
Chamber of Commerce	ایوان تجارت ۔

Chancellor	چانسلر ۔
Do of Exchequer	وزیر مال ۔
Do of University	امیر جامعہ ۔
Charter	چارٹر منشور
Chief Commissioner	چیف کمشنر ۔
Chief Engineer	چیف انجنیر ۔
Circular	گشتی ۔ سرکلر
City Improvement Trust	محکمۂ آرائش بلدہ ۔
Civil Court	عدالت دیوانی ۔
Civil Service	سول سروس ۔
Civil Service Act.	قانون سول سروس ۔
Civil Works	تعمیرات ۔
Clive	کلائیو ۔
Coalition Ministry	اتحادی وزارت ۔
Colbert	کولبرٹ ۔
Collector	کلکٹر ۔ تعلقدار ۔
Colonies	نوآبادیات ۔
Commonwealth	دولت عامہ ۔
Compassionate Allowance	رعایتی بھتہ ۔
Conservator of Forests	ناظم جنگلات ۔
Constitution	دستور ۔

Co-operative Society	انجمن اتحاد ۔ انجمن امداد باہمی ۔
Co-operative Credit Society	انجمن اتحاد قرضہ ۔
Coroner	کارونر ۔ مفتش اسباب ہلاکت ۔
Council	کونسل ۔ مجلس ۔
Countess of Dufferin	کاونٹس آف ڈفرن ۔
County	قسمت ۔
Court of Assize	عدالت آسائز ۔
Covenanted Civil Service	معاہدی سول سروس ۔
Credit	اعتبار ۔ رقم واجب الوصول ۔ لین
Creditor	لیندار ۔
Criminal Court	عدالت فوجداری ۔
Criminal Investigation Dept. (C. I. D.)	محکمۂ خفیہ پولس
Currency	زر ۔
Currency Accommodation	ذخیرہ زر ۔
Customs	کروڑگیری ۔ محصول درآمد و برآمد ۔

D

Debit	رقم واجب الادا ۔ دین ۔
Debtor	دیندار ۔
Decentralisation	تضعیف مرکزیت ۔
Deputy Commissioner	ڈپٹی کمشنر ۔

Dicey, Professor	پروفیسر ڈائسی ۔
Director	ڈائرکٹر ۔ ناظم ۔
Direct Tax	محصول بالراست ۔ یا بلا واسطہ
District Board	مجلس ضلع ۔
District Officer	حاکم ضلع ۔
Dividend	مقسوم
Division	قسمت ۔
Dock	گودی ۔ بحری گھاٹ ۔
Double Government	دوہری حکومت ۔
Drawbacks	محصول واپسی ۔
Dundas	ڈنڈس ۔
Dupleix	ڈوپلے ۔
Dutch	ڈچ ۔ ولندیزی ۔

E

East India Bill	ایسٹ انڈیا بل
East India Company	ایسٹ انڈیا کمپنی ۔
East Indies	جزائر شرق الہند ۔
Education	تعلیمات ۔ تعلیم ۔
Effective Charges	کارپرداز مصارف ۔
Elizabeth, Queen	ملکہ الیزبتھ ۔

Estimate	تخمینہ ۔
Excise	چنگی محصول ملکی پیداوار ۔
Executive	محکمۂ انتظامی ۔
Executive Council	مجلس انتظامی ۔
Executive Engineer	اکزیکیوٹیو انجنیر ۔

F

Faculty of Advocates	فیکلٹی آف اڈووکیٹس ۔
Famine Relief	امداد قحط
Federal Government	متحدہ حکومت ۔
Finance	مالیات ۔ مالیہ ۔ مال ۔
Finance Department	محکمۂ مال ۔
Finance Member	ممبر مال ۔ رکن مال ۔
Financial Statement	مالی کیفیت
Fire Brigade	بندھا را یا الطفائیہ ۔
Foreign Department	محکمۂ خارجیہ
Forest	جنگلات ۔
Forest Conservator	ناظم جنگلات ۔
Fox	فاکس ۔

G

Gold Securities	تمسکات طلا
Gold Standard Reserve	ذخیرہ معیار طلائی ۔
Governor	گورنر ۔
Governor-in-Council	گورنر باجلاس کونسل
Governor-General	گورنر جنرل ۔
Govt. House	ایوان حکومت ۔
Grant Medical College	گرانٹ میڈیکل کالج ۔
Gratuities	انعامات ۔
Guarantee	گارنٹی ۔ ضمانت ۔ کفالت

H

High Court	ہائی کورٹ ۔ عدالت عالیہ ۔
Home Charges	مطالبات وطن یعنی انگلستان ۔
Home Department	محکمۂ داخلیہ ۔
Home Exchequer	خزانہ انگلستان ۔
Home Government	حکومت انگلستان ۔
Huguenot	ہیوگناٹ ۔
House of Commons	دیوان عام ۔
House of Lords	دیوان خاص ۔

I

Imperial	امپیریل - شاہی -
Imperial Council	امپیریل کونسل - شاہی مجلس -
Do Service	امپیریل سروس - شاہی خدمات -
Do do Troops	رسالہ ہائے شاہی -
India Act	انڈیا ایکٹ - قانون ہند -
Indian Civil Service	انڈین یا ہندوستانی سول سروس -
Indian Council's Act	قانون مجالس ہند -
Indian Marine Service	ہندوستانی بحری خدمت -
Indian Medical Service	ہندوستانی طبی خدمت -
India Office	دفتر وزیر ہند -
Indirect Tax	محصول بالواسطہ -
Inspector-General	انسپکٹر جنرل - صدر مہتمم -
Interpellation	سوالات -
Intrinsic Value	قدر ذاتی -
Islington	اسلنگٹن -

J

James Wilson	جیمس ولسن -
John Howard	جان ہاورڈ -

Judicature	محکمۂ عدالت ۔
Junior	جدید الخدمت
Jurisdiction	عدالتی اختیارات ۔
Jury	جوری ۔

L

Land Alienation Act	قانون انتقال اراضی ۔
Land Revenue	مالگذاری ۔
Law Member	قانونی ممبر ۔
Legal Remembrancer	مشیر قانونی ۔
Legislature	محکمۂ قانون ۔
Legislative Council	مجلس وضع قوانین
Liability	رقم واجب الادا ۔ دین ۔ ذمہ داری ۔
License	لیسنس ۔ اجازت نامہ ۔
Local Board	مقامی مجلس ۔
Locomotive Superintendent	لوکوموٹیو سپرنٹنڈنٹ ۔
Lord Canning	لارڈ کیننگ ۔
Lord Curzon	لارڈ کرزن ۔
Lord Carmichael	لارڈ کارمائیکل ۔
Lord Dalhousie	لارڈ ڈلہاوزی ۔
Lord Lansdowne	لارڈ لینسڈون ۔

Lord Lawrence	لارڈ لارنس ۔
Lord Lytton	لارڈ لٹن ۔
Lord Macaulay	لارڈ میکالے ۔
Lord Mayo	لارڈ میو ۔
Lord Morley	لارڈ مارلے ۔
Lord North	لارڈ نارتھ ۔
Lord Northbrook	لارڈ نارتھ برک ۔
Lord Ripon	لارڈ رپن ۔
Lord Sandherst	لارڈ سینڈہرسٹ ۔
Lord Wellesly	لارڈ ویلزلی ۔
Lord William Bentink	لارڈ ولیم بینٹنک ۔
Louis	لوئی ۔
Lovat Fraser	لوٹ فریزر ۔
Luzatti	لزاٹی ۔

M

Maintenance	واشت ۔
Majority	کثرت ۔
Marine	بحری محکمہ ۔
Mayor's Court	عدالت میربلدہ
Medical Department	محکمۂ طبابت ۔

ضمیمہ اول

Medical Relief	طبی امداد ۔
Mediterranean Sea	بحر روم ۔
Metalic Value	قدر فلزاتی ۔
Municipality	بلدیہ ۔ میونسپلٹی

N

Nominal Value	قدر وضعی ۔ قدر متعارفہ ۔
Non-effective Charges	غیر کارپرداز مصارف ۔
Non-official Members	غیر سرکاری رکن ۔
Non-regulation Province	غیر آئینی صوبہ ۔
Nuisance	امور باعث تکلیف عامہ ۔

O

Official Member	سرکاری رکن ۔
Ordinance	احکام ۔ ہنگامی ۔
Original Jurisdiction	عدالت کے ابتدائی اختیارات ۔

P

Parliament	پارلیمنٹ ۔ ملکی مجلس ۔
Patronage	مربی گری ۔
Penal Settlement	جرائم پیشہ آبادی ۔

Pension	پنشن - وظیفہ -
Pilotage	جہاز کی رہنمائی -
Pitt	پٹ -
Plantagenets	پلنٹاجنٹ خاندان -
Plantere	کوٹھی والے -
Police	پولس -
Political Department	محکمۂ سیاسی -
Port Trust	محکمۂ بندر -
Post	ڈاک -
Privy Council	پریوی کونسل
Procedure	دستور العمل - ضابطہ -
Proclamation	شاہی اعلان - فرمان -
Protestant	پراٹسٹنٹ فرقہ -
Provincial	صوبہ وار -
Do Adjustment	صوبہ وار تصفیہ حسابات -
Do Rates	رقم سوا - ابواب -
Public Debt	سرکاری قرضہ -
Public Service	سرکاری خدمات -
Public Service Commission	پبلک سروس کمیشن یا سرکاری خدمات کا کمیشن -
Public Works	تعمیرات -

Puisne Judge	جج ہائیکورٹ ـ یا رکن عدالت عالیہ ـ

R

Raiffeisen	رفیزن ـ
Reformatory School	اصلاحی مدرسہ ـ
Refunds	محصول بازگشت ـ
Regulating Act	قانون تنظیم ـ
Regulation Province	آئینی صوبہ ـ
Remunerative Debt	قرضہ پیدا آور ـ
Resident	رزیڈنٹ ـ
Returning Officer	مہتمم انتخابات ـ
Revenue	محاصل ـ
Revenue (Land)	مالگذاری ـ
Royal Army Medical Corpse	رایل آرمی میڈیکل کور ـ یا شاہی فوجی طبی جماعت ـ
Royal Indian Engineering College	رائل انڈین انجنیرنگ کالج ـ

S

Sanitation	صفائی ـ
Schulse	شولز

Sectretary	سکرٹری - معتمد -
Secretary of State for Colonies	وزیر نوآبادیات -
Secretary of State for India	وزیر ہند -
Secretariates	معتمدیاں -
Senate	سینٹ - مجلس رفقا -
Senior	قدیم الخدمت -
Sinking Fund	
Sir Charles Aitchison	سر چالس آچی سن -
Sir Charles Napier	سر چارلس نیپیر -
Sir Charles Wood	سر چارلس دوڈ -
Sir Elijah Impey	سر الی جا امپی -
Sir Fredrick Nicholson	سر فریڈرک نکلسن -
Sir James Lyall	سر جیمس لیال -
Sir James Stephen	سر جیمس اسٹیفن -
Sir John Strachey	سر جان اسٹریچی -
Sir Theodore Morison	سر تھیوڈر ماریسن -
Sir Valentine Chirole	سر ولنٹائن شرول -
Sir William Hunter	سر ولیم ہنٹر -
Sir William Sleeman	سر ولیم سلی مین -
Small Cause Court	عدالت مقدمات خفیفہ -
Sovereign	حکومت اعلیٰ -
Sovereignty	رتبۂ اعلیٰ حکومت -

Statutory Civil Service	مخصوص سول سروس ۔
Stock	اسٹاک تمسک ۔ حصہ
Sub-divisional Officer	حاکم علاقہ ۔
Subordinate Court	عدالت ماتحت ۔
Subordinate Service	ماتحت خدمت ۔
Supplementary Question	زاید سوال ۔
Syndicate	سنڈیکیٹ ۔ مجلس انتظامی ۔

T

Tax	ٹکس ۔ محصول ۔
Telegraph	تار ۔
Tenure of Land	حقیت یا حقوق اراضی ۔
Traffic Manager	ٹریفک منیجر ۔
Tribute	باج ۔ خراج ۔
Tolls	محصول راہداری ۔
Tonnage	ٹنج ۔ گنجائش وزن جہاز ۔

U

Union Government	متحدہ حکومت ۔
Unitary Government	منفردہ حکومت ۔
Unremunerative Debt	قرضہ غیر پیداآور ۔

V

Vasco De Gama	واسکو ڈے گاما ۔
Veto	اختیار منسوخی ۔
Vice-Chancellor	وائس چانسلر ۔
Viceroy	وائسرائے ۔ نائب شاہ ۔
Victoria Technical Institute	وکٹوریا ٹکنیکل انسٹی ٹیوٹ

W

Warrant	وارنٹ ۔ حکمنامہ گرفتاری ۔
Warren Hastings	ورن ہیسٹنگس ۔
Water Revenue	محاصل آبرسانی ۔
Water-supply	آبرسانی ۔
Westminster	ویسٹ منسٹر ۔
Wheel Tax and Tolls	محصول سواری و راہداری ۔
William Pitt	ولیم پٹ ۔

غلط نامہ

برطانوی حکومت ہند

صفحہ	سطر	باب	غلط	صحیح
۱	۲	۳	۴	۵
ا	۳	پہلا باب	ایسٹ انڈیا کمپنی	"ایسٹ انڈیا کمپنی"
ا	۵	؍؍	اسی زمانے ہیں	اس زمانے میں ۔
ا	۷	؍؍	سو برس انگریزی	سو برس تک انگریزی ۔
ا	۹	؍؍	زیادہ زیادہ	زیادہ ۔
۲	ا	؍؍	اسی دوران میں	اس دوران میں ۔
۲	۱۱	؍؍	نظر ثانی ہو ی	نظر ثانی ہوئی ۔
۲	۱۳	؍؍	بڑھ گیا	بڑھتا گیا ۔
۲	۲۰	؍؍	دریافت کرنے کے	دریافت ہونے کے ۔
۲	۲۱	؍؍	تاریخ کایا پلٹ ۔	تاریخ میں کایا پلٹ ۔
۳	۴	؍؍	اولعزمیوں	اولوالعزمیوں ۔

صفحہ	سطر		غلط	صحیح
۴	۳	؍؍	اور	اس لئے
۴	۱۱	؍؍	ین الاقوام	بین الاقوام
۴	۱۲	؍؍	سمندر پر کوئی امن وامان	سمندر پہ امن وامان
۴	۱۷	؍؍	تاجروں کو شرق الہند	تاجروں کو جزائر شرق الہند۔
۵	۸	؍؍	ایر پھیر	ہیر پھیر۔
۶	۱	؍؍	شرکاء آپس میں	شرکاء اپنے آپس میں۔
۶	۱	؍؍	یں سے ناظم	یں سے کوئی ناظم
۶	۱۲	؍؍	انگزیزوں	انگریزوں
۶	۱۷	؍؍	مسولی ٹیم	مسولی پٹم
۷	۱۵	؍؍	یوروپین	یورپی
۸	۵	؍؍	صدی میں بہت	صدی میں کا بہت
۸	۵	؍؍	بہت کچھ	بہت سا
۸	۱۹	؍؍	الوالعزم	اولوالعزم
۹	۴	؍؍	کلائیوا	کلائیو
۹	۶	؍؍	اوراول	دوراول
۱۰	۲	؍؍	حصہ	مقسوم
۱۰	۲	؍؍	زیادہ سے زیادہ	زیادہ ہی زیادہ
۱۰	۴	؍؍	گوگوں	لوگوں
۱۰	۸	؍؍	کردی جائے	کردے
۱۰	۱۴	؍؍	نکلنے سے	نکالنے سے۔
۱۱	۱۱	؍؍	سرالی جاپلی	سرالی جاابی۔

۱۲	۱	پہلا باب	اور	بہر حال
۱۲	۱۸	״	آجاویگا	آجائیگا
۱۳	۱	״	اور بہت سے	بہت سے
۱۳	۴	״	حاص	خاص
۱۳	۱۵	״	سپرد ہو گی	سپرد ہو گئی
۱۴	۷	״	بنادیا تھا کہ وہ	بنادیا تاکہ وہ
۱۴	۱۲	״	ڈانڈاس	ڈنڈس
۱۵	۱۰	״	بہ تمام کمال	تمام وکمال
۱۶	۹	״	ہیں	میں
۱۶	۱۳	״	کردی گئی	کردئے گئے ۔
۱۶	۲۱	״	سول کے قواعد	سول سروس کے قواعد
۱۷	۲	״	وضع قانون	محکمہ قانون
۱۷	۱۳	״	مدراس کی	مدراس میں
۱۷	۱۸	״	نیز صوبہ وار	اور نیز صوبہ وار
۱۸	۱۴	״	شعبے	محکمے
۱۸	۱۶	״	تبدیلی اور ترمیم	تبدیل اور ترمیم
۱۹	۱۲	دوسرا باب	ناظم	کمپنی کے ناظم
۱۹	۱۶	״	بہ تمام وکمال	تمام وکمال
۲۰	۱۴	״	ہیں اپنے	ہیں وہ اپنے
۲۰	۱۷	״	دس سال اب	دس سال تھی اب
۲۱	۲	״	ماہر سب	ماہران سب

۲۱	۵	دوسرا باب	وزیر اپنی	وزیر ہند اپنی
۲۲	۱	״	طرح پر	طرح
۲۲	۱۴	״	ہند کا متحدہ	ہند کا سلطنت متحدہ
۲۳	۱۱	״	بعد کو	اس کے بعد۔
۲۳	۱۶	״	گورجنرل	گورنر جنرل
۲۳	۱۷	״	گورجنرل	گورنر جنرل
۲۳	۱۷	״	ذمہ ذاری	ذمہ داری
۲۴	۲	״	انحام	انجام
۲۵	۵	״	عہدوں تک انہیں	عہدوں تک ترقی انہیں۔
۲۶	۲	״	لین گے اور اور	لین گے اور
۲۷	۵	״	اچین	اچیسن
۲۷	۹	״	میں	ان
۲۸	۱۵	״	عملہ میں کی	عملہ کی
۲۸	۱۷	״	اُس میں	اُس تخمینہ میں
۲۸	۱۸	״	تو وہ وزیر	تو وزیر
۲۹	۴	״	قرض عامہ	سرکاری قرضہ
۲۹	۱۶	״	کہ جن	جن
۲۹	۱۷	״	وضع قوانین	قانون
۲۹	۱۸	״	جن کے	جنکی
۲۹	۱۹	״	تبدل و تغیر	تغیر و تبدل
۳۰	۱۳	״	ضروری ہوگا	ضروری ہوا
۳۰	۱۹	״	دلچسپی کا	دلچسپی کا اظہار

۳۱	۴	دوسرا باب	اگرچہ پارلیمنٹ	اگرچہ ہندوستان پر پارلیمنٹ
۳۱	۸	؍؍	فریقاً نہ	فریقانہ
۳۲	۷	؍؍	کے بجائے گورنر جنرل ہند کا خطاب	کا خطاب گورنر جنرل ہند
۳۳	۲	؍؍	ہاتھ میں	تحت میں
۳۴	۳	؍؍	بادشاہ	شاہ
۳۵	۱۴	؍؍	سرانجام	انجام
۳۵	۱۶	؍؍	طریق کے مطابق	طریق پر
۳۶	۲	؍؍	ہوتے ہیں	ہوتے رہے ۔
۳۶	۲	؍؍	لارڈ میو کی سوانح عمری	لارڈ میو کی جو سوانح عمری
۳۶	۳	؍؍	درج ہے	بیان کیا ہے
۳۶	۴	؍؍	کاررو ئیاں	کارروائیاں
۳۶	۱۰	؍؍	ہوگیا	ہوگئی
۳۶	۱۲	؍؍	ابداعی	مجوز
۳۷	۱	؍؍	تعلق ہو	تعلق ہوتا
۳۷	۳	؍؍	جو یا تو حکومت	جو حکومت
۳۷	۴	؍؍	ریاستوں سے	ریاستوں کی
۳۷	۴	؍؍	یا بیداج	اور نیز بیداج
۳۷	۹	؍؍	جو کہ	جو
۳۷	۲۰	؍؍	کی حکومت	کا عام انتظام
۳۷	۲۰	؍؍	ماتحت	تحت میں
۳۸	۵	؍؍	یہ ہوتا ہے	یہ ہے

صفحہ	سطر	باب	غلط	صحیح
۳۸	۵	دوسرا باب	فراہمی	تحصیل
۳۸	۱۳	〃	میکالے	لارڈ میکالے
۳۸	۱۴	〃	اور اس ممبر	اس ممبر
۳۹	۳	〃	بہ تمام وکمال	تمام وکمال
۳۹	۴	〃	قرض عامہ	سرکاری قرضہ
۳۹	۸	〃	صوبہ دار	صوبہ کے
۳۹	۸	〃	جو کہ	اور وہ
۴۰	۷	〃	کا انتظام	کی دیکھ بھال
۴۰	۸	〃	نگرانی	نگرانی کرنا
۴۱	۳	〃	زمزہ	زمرہ
۴۱	۴	〃	صوبہ دار	صوبوں کی
۴۱	۸	〃	صوبہ دار	صوبوں کی
۴۱	۹	〃	معلق	مطلق
۴۲	۱۰	〃	قرض عامہ	سرکاری قرضہ
۴۲	۱۵	〃	صوبہ دار	صوبوں کی
۴۲	۱۶	〃	لیکن عام نگرانی	عام نگرانی کا اختیار
۴۲	۱۸	〃	طرف	طرف سے
۴۳	۲۰	〃	ایسی	یہ
۴۳	۲۱	〃	صوبہ دار	صوبوں کی
۴۵	۳ حاشیہ	〃	صوبہ دار	صوبوں کی
۴۸	۱۱	〃	زیادہ ممبر	زیادہ سے زیادہ چار

صفحہ	سطر	باب	غلط	صحیح
۴۸	۱۲	دوسرا باب	دونوں	دو تو
۴۹	۵	باب ۴	سپرد	سپرد ہیں
۴۹	۱۴	〃	مغل بادشاہ	مغل بادشاہ
۴۹	۱۶	〃	اوڑلیہ	اوڑیسہ
۵۴	۶	〃	ایسی	اسے
۵۴	۸	〃	حکومت	سرکار
۵۵	۱۳	باب ۵	رور	زور
۵۵	۱۳	〃	ہوتی	رہتی
۵۶	۱	〃	اُن کے	ان کے بعد
۵۸	۱۴	〃	محاصل تحصیل	محاصل کی تحصیل
۵۸	۱۶	〃	اسی کی	اسی کے
۵۹	۲	〃	انسپکمر	انسپکٹر
۵۹	۳	〃	پہبچتے	پہنچتے
۶۰	۸	〃	بے امنی	بے چینی
۶۰	۲۱	〃	مراہمی	تحصیل
۶۲	۷	〃	مجالس	یا مجالس
۶۲	۲۰	〃	اک	ایک
۶۵	۱۳	باب ۶	بہتر	۷۲
۶۵	۱۴	〃	جبیٹنر	جشیسینر
۶۶	۲	〃	بازرات	بانارات
۶۶	۱۵	〃	فراہمی	تحصیل

۶۸	۱۴	باب ۶	چلا رہی ہے	چلا رہا ہے
۶۹	۲۰	؍؍	وجہ	وجہ سے
۷۰	۴	؍؍	مسٹر لوِٹ	مسٹر لُوٹ
۷۱	۲۰	؍؍	بندر	بندر کی
۷۳	۲	؍؍	بلدئے	بلدیات
۷۳	۳	؍؍	بلدئے	بلدیات
۷۳	۳	؍؍	بلدئے	بلدیات
۷۳	۴	؍؍	سترہ ہزار	سترہ کرور
۷۳	۸	؍؍	بلدئے	بلدیات
۷۴	۱۷	؍؍	دباؤ	وبا
۷۵	۲۱	؍؍	لمانیت	طمانینت
۷۶	۴	؍؍	اور	یا
۷۷	۲۱	؍؍	متعلقہ	تعلقہ
۷۸	۱۷	؍؍	سائینس کے اور دوسرے	سائینس کے اور بعض دوسرے
۷۹	۷	؍؍	سائینس کے اور دوسرے	سائینس کے اور بعض دوسرے
۷۹	۱۶	؍؍	مسئلہ	مد
۸۰	۸	؍؍	فروخت	فرصت
۸۰	۲۰	؍؍	تھی	تھیں
۸۲	۲	باب ۷	محکمہ وضع قوانین	محکمہ قانون
۸۳	۵	؍؍	محکمہ وضع قوانین	محکمہ قانون
۸۳	۷	؍؍	غیر محدود الاقتدار	محدود الاقتدار

۸۳	۱۵	باب	بالصراحت	جبتک کہ بالصراحت
۸۳	۱۹	،،	قلبند	مرقوم
۸۴	۳	،،	طرف	طرف سے
۸۴	۱۹	،،	اختیارات کی	اختیارات کے
۸۷	۴	،،	کی بلدیات	کے بلدیات
۸۸	۷	،،	ہو	ہوں ۔
۸۸	۸	،،	کرے	کریں
۸۸	۲۰	،،	صوبہ وار	صوبوں کی
۸۹	۶	،،	محکمۂ وضع قوانین	محکمۂ قانون
۹۰	۷	،،	فروع اور	فرع پر
۹۰	۷	،،	تفصیل پر	تفصیل سے
۹۰	۱۱	،،	اگرچہ	اگر کچھ
۹۰	۱۱	،،	وہ	وہ بھی
۹۰	۲۰	،،	وضع قوانین	قانون
۹۱	۱۹	،،	جائز ہو	جائز ہو کہ
۹۳	۲	،،	کہ	×
۹۳	۳	،،	کرنے کی بھی	کرنے کے بھی
۹۳	۱۷	،،	قرض عامہ یا	سرکاری قرضہ اور
۹۴	۳	،،	جوکہ	جو
۹۴	۱۷	،،	اطلاع بغیر	اطلاع دئے بغیر
۹۵	۱۳ حاشیہ	،،	صوبہ وار	صوبوں کی

۹۵	۱۷	باب ۷	جو پنجاب	پنجاب
۹۶	۷	؍؍	صوبہ دار	صوبوں کی
۹۶	۱۶	؍؍	بمبئی کی بلدیہ	بمبئی کا بلدیہ
۹۶	۱۷	؍؍	اضلاع کے بلدئے	اضلاع کے بلدیات
۹۷	۳	؍؍	طرف	طرف سے
۹۷	۱۴	؍؍	زمینداروں کی	زمینداروں
۹۸	۱	؍؍	گزٹ جریدے	گزٹ یا جریدے
۹۸	۱۷	؍؍	صوبہ دار	صوبوں کی
۹۸	۱۸	؍؍	مجلس کی	مجلس کے
۱۰۰	۷	باب ۸	حاکم بلدی	میر بلدہ
۱۰۱	۸	؍؍	مقدمات کے	مقدمات کے واسطے
۱۰۶	۲۱	؍؍	سب کے	سب کے فیصلوں کا
۱۰۷	۱	؍؍	الکی	انہی
۱۰۷	۲	؍؍	دلوائے	دوالوں
۱۰۹	۱۸	؍؍	جن کو	کو
۱۱۰	۸	؍؍	کم تعزیر کے مقدمات	×
۱۱۱	۲	؍؍	متعلمہ	متعلقہ
۱۱۱	۳	باب ۸	عفو	رحم و عفو
۱۱۳	۱۲	؍؍	تھے	ہیں
۱۱۴	۶	؍؍	اختیار	اختیارات
۱۱۵	۹	؍؍	قانون	قانونی جو

صفحہ	سطر		غلط	صحیح
۱۱۸	۱۵	؍؍	کی تنظیم	کے انتظام
۱۲۱	۱۸	باب ۹	اس کو	ان کو
۱۲۲	۸	؍؍	بے موقع	بے محل
۱۲۲	۲۱	؍؍	کا کاٹنا	کے کاٹنے
۱۲۴	۳	؍؍	صدی کے	صدی کا
۱۲۶	۱۲	؍؍	کوشش نہ صرف یہ	نہ صرف یہ کوشش
۱۲۸	۴	؍؍	قرض عامہ	سرکاری قرضہ
۱۲۸	۱۰	؍؍	رہتی ہے	رہتی ہے اس کے
۱۲۸	۱۵	باب ۱۰	محافظت	حفاظت
۱۲۹	۴	؍؍	نہیں لگتا لگتا	نہیں لگتا
۱۲۹	۱۰	؍؍	دوسری خوبی	مالیہ کی دوسری خوبی
۱۲۹	۱۲	؍؍	کرا سکے	کر سکیں
۱۳۰	۲	؍؍	قرض عامہ	سرکاری قرضہ
۱۳۰	۳	؍؍	بڑھ گئے	بڑھے ہوئے
۱۳۰	۱۱	؍؍	ہاتھ تھی	ہاتھ میں تھی
۱۳۰	۱۲	؍؍	بڑتنے لگیں	برتنے لگیں
۱۳۰	۱۵	؍؍	مالی	مال
۱۳۰	۱۸	؍؍	محاصل عامہ	سرکاری محاصل
۱۳۰؍۱	۲۰	باب ۱۱	ہی نہ تھا	ہوتا تھا
۱۳۱	۴	؍؍	تھوڑی	تھوڑی سی
۱۳۱	۱۱	؍؍	شائستہ	اچھا

صفحہ	سطر	باب	غلط	صحیح
۱۳۱	۱۷	باب ا	کچھ اور	اور کچھ
۱۳۲	۱	״	محصول آمدنی	یا محصول آمدنی
۱۳۲	۱	״	سے	کے
۱۳۲	۵	״	قرض عامہ	سرکاری قرضہ
۱۳۲	۶	״	کار کھ رکھاؤ	کی داشت
۱۳۲	۱۵	״	مالی	مال
۱۳۳	۷	״	انہدام کمیشن	کمیشن
۱۳۴	۸	״	تحدید مرکزیت	تضعیف مرکزیت
۱۳۴	۱۲	״	ہے	ہیں
۱۳۷	۱	״	کی	ملک کی
۱۳۸	۱۸	״	ممانعت	مخالفت
۱۳۹	۱	״	اگرچہ	گو
۱۴۱	۳	״	سرکاری	عوام کا
۱۴۱	۱۶	״	تملیک	اسکی تملیک
۱۴۴	۲	״	سوالات اخراجات	سول اخراجات
״	۱۶	״	ساتھ	لیکن ساتھ
۱۴۵	۹	״	قرضہ عامہ	سرکاری قرضہ
۱۴۶	۳	״	امور مدافعت	انتظامات مدافعت
۱۴۶	۱۰	״	سوالات اخراجات	سول اخراجات
۱۴۷	۱۸	״	حاصل خیز	کارپرداز
۱۴۷	۲۰	״	وہ	×
۱۴۸	۶	״	جن	جس

۱۴۸	۱۷	باب(۱۰)	رخصتی	رخصتی بھتہ
۱۴۸	۱۸	،،	وظیفہ	وظیفہ بھتہ
۱۵۲	۲	باب(۱۱)	منوبی	منوجی
۱۵۳	۷	،،	مسلمانوکئی کی	مسلمانوں کی
۱۵۳	۸	،،	بڑا	برا
۱۵۳	۱۵	،،	جس قدر	جس قدر چاہا
۱۵۳	۲۰	،،	الفٹسن	انفنسٹن
۱۵۴	۴	،،	ورکدارر	ورکدار
۱۵۵	۱۵	باب(۱۲)	مدارس	مدراس
۱۵۵	۱۷	،،	اختیارات	اراضیات
۱۵۶	۲	،،	میں	ہیں
۱۵۶	۵	،،	بھی	یہ بھی
۱۵۷	۱	،،	ان کر	ان کو
۱۵۷	۱	،،	ہوتی ہے	کرلی
۱۵۷	۲	،،	بنتا ہے	بنانا
۱۵۹	۱	،،	داری	ذمہ داری
۱۵۹	۶	،،	مستند	بڑی سند
۱۵۹	۱۶	،،	مرد	شخص
۱۵۹	۲۰	،،	ہے	ہیں
۱۶۰	۱۱	،،	کوشش کی	کوشش تو کی
۱۶۰	۱۱	،،	چونکہ	مگر چونکہ
۱۶۱	۵	،،	اور	کہ

صفحہ	سطر	باب	غلط	صحیح
۱۶۳	۴	باب (۱۱)	اسان	اساسی
״	۱۹	״	اصطلاحات	اصلاحات
۱۶۴	۱۹	״	لحاظ سے	لحاظ رکھا ہے
۱۶۶	۹	باب (۱۲)	بعہد میں	میں بعہد
״	״	״	کی جنگیں	مسلسل جنگ
״	״	״	نہیں	تھی
״	۱۰	״	کارن وائس	کارن والس
״	۱۴	״	ملتی تھی	ملتی بھی تھی
۱۶۷	۱۴	״	وہ	وہ
۱۶۹	۱۵	״	صاحب کی	صاحب کی رائے
۱۷۰	۲	״	حیات جدید	سیاست جدید
״	۱۲	״	ڈکھوزی	ڈلہاوزی
״	۲۱	״	جہالت سے	جہالت دور کرے کیونکہ جہالت سے
۱۷۱	۱۳	״	سرمتری	سرہنری
۱۷۲	۴	״	قوال	تحول
۱۷۲	۱۴	״	ولیم ہند	ولیم ہنٹر
۱۷۲	۱۹	״	بلاوی	بلدی
۱۷۳	۸	״	ہے	تھا
۱۷۳	۸	״	اب	اب اس کو
۱۷۴	۲	״	نام	کام
۱۷۶	۶	״	رہ کے	رہ سے

۱۷۶	۸	حاشیہ (۱۲)	ٹیس	ٹیکس
〃	۱۸	〃	مدراس	مدارس
۱۷۷	۱	〃	ٹامس	ٹامسن
۱۷۷	۱۰	〃	عالمانہ	سائنسی
〃	۱۴	〃	تحقیقات	تحقیقات ہوتی
〃	۱۴	〃	تو	اور بمبئی میں تو
〃	۱۶	〃	تجارت	تعلیم تجارت
〃	۱۷	〃	سندمیں	سندملتی
۱۷۸	۱۹	〃	طلبہ	×
〃	۲۱	〃	انجمنوں کی	انجمنوں اور
۱۷۹	۳	〃	مدراس	مدارس
۱۷۹	۱۱	〃	خانگی	نج کی
۱۷۹	۱۶	〃	بلدیوں	بلدیات کی
۱۸۰	۱۷	〃	یا کسی	کمیں
۱۸۱	۴	〃	علمی عملی	عملی
۱۸۱	۱۳	〃	دفتر ہند	دفتر وزیر ہند
۱۸۱	۲۰	〃	خانگی	نج کے
۱۸۱	۲۱	〃	اور	×
۱۸۳	۲	〃	گورنر	لیکن گورنر
۱۸۳	۱۴	〃	سنت	سنٹ
۱۸۴	۹	〃	ان کے	وہ ان کے

صفحہ	سطر	باب	غلط	صحیح
۱۸۴	۱۰	باب۱۲	نہیں	نہیں رہے
″	۱۷	″	رہتا	رہتا ہے
۱۸۵	۶	″	تعلیم	ایسی تعلیم
۱۸۵	۲۰	″	اور	اوربیٹھوں
۱۸۸	۲۱	باب۱۳	بلدئے	بلدیات
۱۸۹	۱۶	″	قومی	فوجی
۱۸۹	۳۰	″	کیونکہ	اورجو
۱۹۰	۲۰	″	واسطہ	تعلق
۱۹۱	۱۴	″	بلدئے	بلدیات
۱۹۱	۱۵	″	یاطبی	طبی
۱۹۲	۶	″	جن کالج	جن میں کالج
۱۹۲	۱۰	″	جہان احاطہ	احاطہ
۱۹۲	۱۲	″	مریضوں کی تعداد	مریضوں کی تھی جنھوں نے شفاخانے میں رہکر علاج نہیں کرایا اندرونی مریضوں کی تعداد
۱۹۲	۱۵	″	وقت	وقت بیش-
۱۹۳	۱	″	دیتی ہیں	دیتی رہیں
۱۹۳	۱۹	″	شفاخانہ	شفاخانے
۱۹۵	۷	″	رہتے	رہتے تھے
۱۹۵	۱۸	″	بعد	برابر
۱۹۶	۷	″	ہوتے ہوئے	ہوئے
۱۹۶	۱۵	″	پنچھنا	پہنچا
۱۹۸	۱	″	بس	جن

صفحہ	سطر	باب	غلط	صحیح
۱۹۸	۶	باب۱۳	سکتے	سکتے ہیں
〃	۸	〃	سفسا دھار	ٹسا دھار
〃	۱۰	〃	ایک بائیس	ایک ارب بائیس
〃	۲۰	〃	مثلانگ	شلانگ
〃	۲۱	〃	کانٹے	کاسٹے کا
۲۰۰	۲۰	باب۱۴	دلبیوزی	ڈلہاوزی
۲۰۱	۹	〃	لگیں	لگے
۲۰۱	۱۱	〃	ماتحت	سپرد
۲۰۲	۸	〃	حلقے	طبقے
۲۰۲	۱۶	〃	سبھپور	یاسبھپور
۲۰۳	۴	〃	کی	کے
〃	۹	〃	نگہداشت	داشت
〃	۱۸	〃	فاضل چیز	حاصل خیز
۲۰۴	۴	〃	ملی	لگی
۲۰۴	۱۰	〃	دہ	دو
〃	۱۶	〃	نگہداشت	داشت
〃	۱۹	〃	نگہداشت	داشت
۲۰۵	۵	〃	ضرورت	ضرورت نہیں
〃	۷	〃	پھیل گئی	پھیلی
〃	۱۳	〃	تسلج	ستلج
۲۰۸	۳	〃	گدام	گودام

۲۰۶	۱۷	باب۱۴	گریڈ	گریڈ
۲۰۷	۸	؍؍	کفالت	گارنٹی یا کفالت
؍؍	۱۰	؍؍	کمپنیوں	کمپنیاں
؍؍	۱۴	؍؍	خریدنے	خرید سے
؍؍	۱۵	؍؍	اکثر	اور اکثر
؍؍	۲۸	؍؍	پٹرتی	برتی
؍؍	۲۰	؍؍	کارہ بار	کاروبار
۲۰۸	۱	؍؍	دیا ہے	ہے
۲۰۸	۴	؍؍	اضافہ	بے حد اضافہ
۲۰۹	۱	باب۱۵	نیز	اور نیز
؍؍	۲	؍؍	ہیں	قابل ذکر ہیں
؍؍	۱۰	؍؍	لارڈ	لارڈ لٹن
۲۱۰	۶	؍؍	باب	باب میں
۲۱۰	۱۰	؍؍	کی	کے
؍؍	۱۳	؍؍	نہیں	یہ نہیں
۲۱۱	۴	؍؍	سمے	سمے
؍؍	۸	؍؍	قرضے	قرضہ
۲۱۲	۱۳	؍؍	خاص	کسی خاص
۲۱۲	۲۰	؍؍	ہوتا	ہوتی
۲۱۳	۳	؍؍	طریقوں	طریقوں پر
؍؍	۴	؍؍	کی	+

۲۱۳	۷	باب۱۵	بھلائی	بھلائی بُرائی
"	۸	"	خو	خود
"	۱۲	"	علمی طریقے	سائنسی طریقے
"	۱۳	"	علمی	سائنسی
۲۱۴	۳	"	کنٹروٹیر	کنزرویٹر
"	۴	"	خدمت	شاہی خدمت
"	۶	"	جرمن	جرمنی
"	۱۰	"	کا	کا ہے
۲۱۶	۱۴	"	بن	بنی
۲۱۷	۳	"	ہوتی	ہوتا
"	۱۲	"	فریڈاک	فریڈرک
۲۱۸	۹	"	الیسن	رفیزن
"	۱۰	"	ملزائی	لڑائی
۲۱۹	۴	"	فریڈاک	فریڈرک
"	۵	"	ہاتھ	کی کوشش
"	۶	"	یورپ کے	یورپ کی
"	۸	"	اس سے	اس بات سے
۲۲۰	۱۶	"	تحریک	تحریک کا
"	۲۰	"	پیداوار	ہے